حیات برزخیه

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ

حیاتِ برزخیہ

از افادات

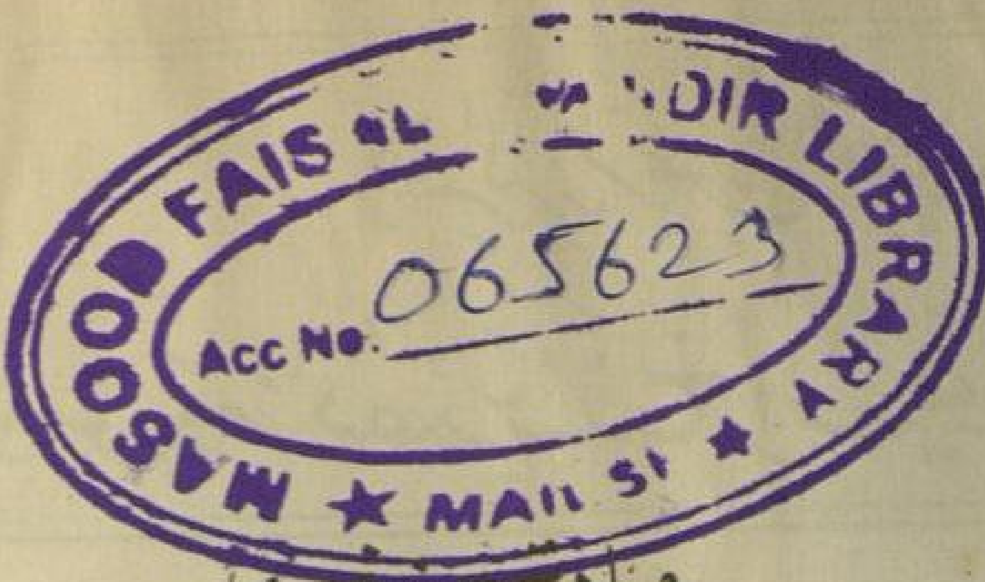
حضرت العلام مولانا اللہ یار خاں صاحب دامت برکاتہم

مرتبہ:

حافظ عبدالرزاق ایم اے

ناشر

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ چکوال



نام کتاب ــــــــ حیات برزخیہ

مؤلف ــــــــ حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب

مُرتّب ــــــــ حافظ عبدالرزاق

طباعت ــــــــ شرکت پرنٹنگ پریس

ناشر ــــــــ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ چکوال

تعداد ــــــــ ایک ہزار

قیمت .....

ملنے کا پتہ

۱۔ ادارہ نقشبندیہ اویسیہ چکوال

2۔ مدنی کتب خانہ چوک گنپت روڈ لاہور

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۰	تعارف	۹
	مقدمہ طبع ثانی	۱۳
۱	برزخ کیا ہے۔	۳۴
	لغوی تحقیق	//
	برزخ کا تفصیلی بیان	۳۵
۲	قبر سے کیا مراد ہے۔	۳۷
	مفسرین کے نزدیک قبر کا مفہوم	۳۸
	احادیث نبوی میں قبر کا مفہوم	۴۲
	ثواب و عذاب قبر اور سوال و جواب نکیرین کا محل	۴۸
	فقہائے اہلسنت کے نزدیک قبر کا مفہوم	۵۷
۳	عذاب و ثواب قبر	۶۰
	سوال و جواب اور عذاب و ثواب قبر پر فقہا کی تصریح	//

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	عذاب قبر کا عقیدہ رکھنا ضروریات دین سے ہے	۶۲
	عذاب وثواب قبر کے متعلق اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ	۶۷
	عذاب وثواب قبر کے متعلق فرق باطلہ کے عقائد	۶۹
	عذاب وثواب قبر کا مطلق انکار	//
	عذاب صرف کفار کے لیے ہے۔	۷۰
	سوال وجواب اور عذاب وثواب دو نفخوں کے درمیان ہوں گے۔	//
	بدن کو عذاب تو ہوتا ہے مگر حیات بسیط سے۔	۷۱
	سوال وجواب اور عذاب وثواب صرف بدن کو ہوتا ہے۔	۷۳
	عذاب وثواب صرف روح کو ہوتا ہے۔	//
	عذاب وثواب نہ بدن کو ہوتا ہے نہ روح کو حضرت مولانا شیخ القرآن کی تحقیق۔	۷۴
	علامہ ابن قیم اور ابن حجر کی تحقیق اور وضاحت اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ۔	۷۵، ۷۶
(۴)	اعادۂ روح	۸۱
	حدیث کی حیثیت	۸۲
	اس حدیث کے متعلق علامہ ابن قیم کی رائے	۸۳
	عود روح کے متعلق متقدمین کے اقوال	//
	علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق	۸۴
	اعادہ روح کے متعلق فقہائے کرام اور صوفیائے عظام کا عقیدہ	۹۳
(۵)	تعلق روح	۱۰۰
	دور جدید کے اہلسنت کا عقیدہ	۱۰۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	صحت حیات کے لیے انسانی ڈھانچہ محفوظ ہونا شرط نہیں	۱۱۱
	اہلسنت کے دلائل	״
	اعادہ روح کے بعد جسم اور روح کا تعلق قائم رہتا ہے۔	۱۱۵
(۷)	سماع موتیٰ	۱۱۷
	قرآن مجید سے سماع موتیٰ کے دلائل	۱۱۹
	قاضی صاحب کا ایک سوال	۱۲۰
	انبیاء کو اپنے اپنے مقام پر دیکھنا	۱۳۳
	آسمانوں میں ملاقات	۱۳۶
	برزخ اور قیامت میں دنیا کا علم محفوظ رہنے کا ثبوت	۱۳۸
	قرآن مجید کی شہادت	۱۴۹
	حدیث نبوی کی شہادت	۱۴۱
	احادیث نبوی اور سماع موتیٰ	۱۴۳
	حضرت عائشہ کا عمل	۱۵۲
	جدید محققین کی تحقیق	۱۵۶
	لپائی سے کیوں نہیں سنتا	۱۵۹
	صاحب شفاء الصدور کی دلیری	۱۷۶
	سماع کے موارد کا خلاصہ	״
(۸)	تحقیق مسئلہ سماع موتیٰ	۱۷۹
(۹)	ما عند اللہ باق	۲۱۵
(۱۰)	نفس اور روح	۲۳۰

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۲۴۹	نسمہ	۱۱
۲۵۵	تصدیقات علمائے محدثین	۱۲
۲۵۹	عالم ذر کی ایجاد اور اس کا ماخذ	
۲۶۵	اخذ عہد کی تفصیل	
۲۶۶	تحقیق عہد ابت	
۲۷۳	اجزائے الہیہ انسان	
۲۷۹	حضرت عمرؓ کے سماع سے انکار کی حقیقت	
۲۸۲	حضرت عائشہ اور سماع موتیٰ	
۲۸۶	پہلا زریں اصول	
؍؍	دوسرا اور تیسرا زریں اصول	
۲۸۷	منصفانہ مشورہ	
؍؍	جدید معتزلہ کی ایک نئی راہ	
؍؍	اقوال کا خلاصہ	
۲۸۸	حضرت عائشہ کی طرف سے ایک سوال کا سہارا	
۲۸۹	علامہ ابوالقاسم سہیلی کا استدلال	
؍؍	عقیدہ سماع موتی سے مفر کی ایک اور صورت دچالاکی۔	
۲۹۲	آداب زیارت القبور	۱۳
۲۹۳	سلف صالحین کے نزدیک نبی اکرم کی قبر مبارک کی زیارت کا طریقہ	
۲۹۴	صاحب نسیم الریاض کے نزدیک آداب زیارت قبر النبی۔	
؍؍	سلمہ بن وردان کا مقام	
۲۹۵	منکرین سماع پر اظہار تعجب	

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
۲۹۵	حضرت انس رضؓ کی مشہور روایت قاضی عیاض اور ملا علی قاری کی زبانی	
۲۹۶	ائمہ اربعہ کا عقیدہ اور مذہب۔	
۲۹۷	امام اعظم کی طرف منسوب شدہ مذہب کی تحقیق۔	
۳۰۰	ابو اللیث کرمانی اور سروجی کی تردید صاحب فتح القدیر کی ائمہ ثلاثہ کا مذہب	
۳۰۱	اس مسئلہ کی اشعۃ اللمعات اور کتاب الاذکار سے تائید قبر پہ ہاتھ اٹھا کر دعا	
۳۰۲	مانگنا حضورؐ سے عملاً ثابت ہے۔	
۳۰۵	سماع موتیٰ کے متعلق قرآن مجید کی چند آیات کی وضاحت :-	۱۴
۳۰۶	ان آیات کی تفسیر	
۳۰۷	صاحب ابن کثیر اور صاحب روح المعانی کی زبانی	
"	صاحب فتح الباری کی زبانی،	
۳۰۸	صاحب اشعۃ اللمعات کی زبانی	
"	صاحب فتح الباری کی رائے گرامی	
۳۰۹	علامہ خازن اور صاحب معالم التنزیل کی تفسیر	
"	صاحب شرح وقایہ کا فیصلہ	
۳۱۰	قرآن اور حدیث میں تعارض	
۳۱۱	آیات کی تفسیر کا خلاصہ	
۳۱۲	کفار پر لفظ موتیٰ کے اطلاق کی شہادت قرآن مجید کی زبانی	
۳۱۳	علم معانی کے اعتبار سے اس موضوع پر بحث	
۳۱۵	قول فیصل، چند مزید آیات قرآنی پر تفصیلی بحث۔	
۳۴۴، ۳۴۶	ایک نادر تحقیق ، کتب حوالہ	

تعارف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○

علمائے کرام میں سے چند احباب اور کچھ دوسرے عزیزوں نے مطالبہ کیا کہ میں ایک رسالہ لکھوں جس میں "احوال برزخیہ" اور "سماع موتیٰ" کو زیر بحث لایا جائے اور افراط و تفریط سے دامن بچا کر قرآن و سنت کی روشنی میں مسئلہ کی اصل حقیقت کی وضاحت کی جائے۔ میرے خیال میں اس مطالبہ یا مشورہ کا محرک یہی جذبہ ہے کہ "الدین النصیحہ"

چونکہ آج کل سماع موتیٰ کا مسئلہ ایک گروہ بندی کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ جس کی وجہ سے عوام اور علماء میں انتشار اور منافرت کی صورت پیدا ہو رہی ہے۔ باہمی محبت کی جگہ دلوں میں نفرت اور بعد صرف پیدا ہی نہیں ہو رہا بلکہ روز بروز بڑھ رہا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف ایک گروہ کے کسی سر برآوردہ شخص نے انکار کیا تو اس گروہ کے عام افراد محض عقیدت یا اندھی تقلید کی وجہ سے انکار کر بیٹھے۔ عوام تو خیر عوام ٹھہرے حیرت ان علمائے کرام پر ہوتی ہے۔ جو اپنے علم و فضل کے باوجود گروہ بندی میں بہے جا رہے ہیں اور صرف انکار پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ضد میں آ کر یہ فتویٰ بھی صادر

فرما دیتے ہیں کہ سماعِ موتیٰ کا قائل ہونا ہی شرک اور کفر ہے (العیاذ باللہ) افسوس کہ ان کے اس فتویٰ کی زد میں ایسے ایسے مفسّر، محدّث، فقیہہ اور ائمہ دین آتے ہیں۔ جن کا علم و تقویٰ اور تحقیق اُمّت کے نزدیک مُسلّم ہے۔

دوسری طرف قائلین سماعِ موتیٰ میں ایک جماعت نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اصحاب قبور اولیاء کرام، مشکل کشا، حاجت روا اور مختار مطلق ہیں (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہر معاملہ میں افراط و تفریط سے بچائے۔

(آمین)

ہماری نگاہ میں نہ تو منکرین سماعِ موتیٰ اور اس پر کفر و شرک کا فتویٰ دینے والے حضرات حق بجانب ہیں۔ نہ قائلین سماعِ موتیٰ کی وہ جماعت جو اصحابِ قبور اولیاء کرام کو اپنے خیال کے مطابق حاجت روا اور مشکل کشا گردانتی ہے۔ یہ دونوں فریق افراط و تفریط میں ہیں حتیٰ کہ فریق اوّل سماع کا انکار کرتے ہوئے اس حد کو پہنچا کہ ثواب و عذاب قبر کا بھی انکار کر دیا کہ اس گڑھا محفورہ میں نہ ثواب ہے نہ عذاب بلکہ اس گڑھے کے قبر ہونے سے بھی انکار کر دیا۔ اور ظاہر ہے کہ عذاب و ثواب کا انکار کفر ہے۔ یہ افراط و تفریط کا نتیجہ ہے اگر ہر فریق اپنی تحقیق پر ہی قائم رہتا اور فریق ثانی کو برا بھلا نہ کہتا تو اس قدر انتشار اور بدمزگی پیدا نہ ہوتی۔

چونکہ اس مسئلہ کا تعلق احوال برزخ سے ہے اور برزخ کی تفصیلات کا سمجھنا کشف سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے اگر

اہل کشف صوفیاء کرام اس سلسلے میں کچھ بحث کرتے تو حق بجانب تھے ۔ علمائے کرام کا منصب تو یہ ہے کہ ایسے مسائل جو مختلف فیہ چلے آتے ہیں ۔ ان میں اپنی تحقیق کے مطابق راجح مذہب تو بیشک اختیار کریں لیکن اپنے خیال، کے مطابق مرجوح کو مرجوح رہنے دیں۔ اس کو مردود قرار دینے میں احتیاط برتیں ۔ اسی میں ان حضرات کی بہتری اور عوام کی بھلائی ہے ورنہ ایک طرف تو عوام میں انتشار بڑھے گا اور دوسری طرف علماء کرام کا وقار ختم ہو جائے گا ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو طاقتیں دین کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں ۔ وہ علماء کا نام لے کر دین کے انعدام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گی ۔

حافظ عبدالرزاق ایم ۔ اے عربی ، لیکچرار گورنمنٹ کالج
(جہلم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

"مقدمہ طبع ثانی"

حال ہی میں حضرت مولانا محمد سرفراز صفدر صاحب نے "تسکین الصدور" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس میں اہل السنۃ والجماعت کے صحیح عقائد کی وضاحت کی جو صحابہ کرامؓ کے دور سے لے کر جمہور اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک متفق علیہ چلے آتے ہیں۔ تمام متقدمین و متاخرین علمائے ربانی ان عقائد پر متحد ہیں۔ ان عقائد کی بنیاد دلائل قطعیہ پر ہے۔ لہٰذا ان عقائد کی مخالفت کرنا صرف اسی صورت میں ہی ممکن ہے۔ کہ انسان اہل السنت والجماعت کے مسلک سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست شاگردوں اور سلف صالحین پر اس کا اعتماد نہ ہو۔ اور خود مجتہد بن کر ایک نئی راہ نکال لے۔ اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ آدمی ان متفق علیہ عقائد کی مخالفت بھی کرے اور اس بات کا مدعی بھی ہو کہ وہ اہل السنت والجماعت کا مسلک رکھتا ہے۔ اور اسی مسلک کا مبلغ ہے۔

جب یہ کتاب منظر عام پر آئی تو ایک مختصر سا گروہ جھنجھلا اُٹھا اور اس گروہ کے ایک فرد مولوی محمد امیر بندیالوی نے مولوی محمد حسین نیلوی کے تعاون سے ایک کتاب "ندائے حق" کے نام سے لکھی۔ جس میں تین امور کا اہتمام

کیا گیا۔ اوّل تسکین الصدر میں بیان کردہ متفق علیہ عقائد کی تردید (بزعم خویش) دوم اپنے عقائد فاسدہ کی تبلیغ۔ سوم اس امر کا دعویٰ کہ وہ ایک عالم اہل السنت والجماعت کی حیثیت سے اس مسلک کی وکالت کر رہے ہیں۔ جہاں تک "تسکین الصدور" کے جواب کا تعلق ہے۔ ندائے حق کی حیثیت وہی ہے۔ جو تحفہ اثنا عشریہ کے جواب میں لکھی گئی، کتابوں کی ہے۔ کہ بس وہ کتابیں ہیں کہ لکھ دی گئی ہیں۔ مگر تحفہ کا جواب آج تک، نہیں بن پڑا۔ جہاں تک مُصنّف کے اپنے یا اپنے ایک مختصر سے گروہ کے عقائد کا تعلق ہے۔ اس کی بنیاد صرف اس نظریہ پر ہے کہ بخاری، مُسلم، بلکہ صحاح ستہ کا ذخیرہ شرح احادیث مفسرین اور فقہاء متکلمین اور جمہور علمائے اہل السنت والجماعت کے نظریات صرف غلط عقائد کے مجموعے ہیں۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ یہ دلیل اس لحاظ سے تو وزنی ہے۔ کہ آدمی کہدے مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیونکہ دین نقل ہو کر ہمارے پاس پہنچا ہے۔۔ اگر ان ناقلین دین، محدثین، فقہا، متکلمین، مفسرین اور شارحین حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا تو دین ہم تک کیسے پہنچا۔ سلف صالحین جو نبوت کے دونوں پہلوؤں یعنی علوم ظاہری اور باطنی کے امین تھے ناقابل اعتماد ٹھہرے۔ تو متجددین کا تیار کردہ دین کیسے قابل اعتماد اور قابل قبول ہوگا۔ اور حدیث کی من مانی تاویل ہی دلیل ٹھہری تو تلعب بالحدیث اور تمسخر بالحدیث کسے کہیں گے؟

چنانچہ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں :-

ان الامۃ اجتمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفۃ الشریعۃ - فالتابعون اعتمدوا علی الصحابۃ وتبع التابعین اعتمدوا علی التابعین وھکذا فی کل طبقۃ اعتمد العلماء علی من قبلھم والعقل یدل علی ذلک لان الشریعۃ لا یعرف الا بالنقل والاستنباط۔ والنقل لا یستقیم الا بان یاخذ کل طبقۃ عمن قبلھا بالاتصال ولابد فی الاستنباط ان یعرف مذھب المتقدمین لئلا یخرج من اقوالھم فیخرق الاجماع وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا سواد الاعظم ٥

(عقد الجید فی احکام الاجتھاد والتقلید)

(ص ۳۴)

تمام امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف صالحین پر اعتماد کریں۔ تابعین نے صحابہ پر اعتماد کیا۔ تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا۔ اور یہی صورت ہر زمانہ میں ہر طبقہ میں رہی کہ وہ اپنے زمانہ کے علماء پر اعتماد کریں اور وہ سابقہ علماء پر اعتماد کریں عقل سلیم کا تقاضا یہی ہے - کیونکہ شریعت کی معرفت کا مدار نقل اور استنباط پر ہے - اور نقل میں صحت کا ہونا اس بنا پر ہوگا کہ متقدمین پر اعتماد ہو اور ہر طبقہ اپنے متصل سابقہ طبقہ سے شریعت حاصل کرے اور اس حصول میں بھی متقدمین کا مذہب ملحوظ ہو تاکہ ان کے اقوال سے باہر نہ نکلے ورنہ اجماع سے خارج ہوگا۔ اجماع امت اور تواتر سے خارج ہو تو دین کہاں رہا چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ ہمیشہ

سواد اعظم سے وابستہ رہو"۔
اپنے شاندار ماضی سے کٹ کر اور سلف صالحین سے بے نیاز ہو کر جو عقائد تیار ہوں گے وہ خواہ کتنی ہی لفظی موشگافیاں ہوں۔ عقائد صحیح نہیں قرار دے جا سکتے۔ بلکہ ان کی حیثیت تو یہ ہوگی۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لحبر لیھود الذی یقال لہ مالك ابن الصیف ھل تجد فی التوراۃ ان اللہ تعالیٰ یبغض الحبر السمین و کان سمین فغضب فقال ما انزل اللہ شیئاً علی بشر۔

(تفسیر مظہری ۳ : ۲۶۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی عالم مالک ابن الصیف سے فرمایا کیا تورات میں تم پاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ لحیم وشحیم عالم کو غضب کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ خود موٹا تھا۔ غصہ میں آکر کہنے لگا۔ کہ خدا نے کسی انسان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل ہی نہیں فرمائی۔

یعنی خدا کی کتاب میں ایک بات اپنی پسند کے خلاف نظر آئی تو کتاب الٰہی کا ہی انکار کر دیا۔ اسی طرح اگر اس امت کا کوئی "حبر سمین" اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کی حدیث سے یہی سلوک کرے تو غضب الٰہی کا مستحق کیوں نہ ٹھہرے گا۔
تفسیر مظہری میں دوسرے مقام پر ایک حدیث بیان ہوئی ہے کہ :-

ان اللہ لیبغض الحبر السمین ٥

(ایضاً ۳ : ۲۶۷)

اللہ تعالےٰ موٹے جسم کو غضب کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

بہر حال دین کی اصل اور اس کے معتمد الیہ ناقلین کو ناقابل اعتماد قرار دینا ایک یہودیانہ حرکت ہے۔

جہاں تک اس کتاب کی تیسری خصوصیت کا تعلق ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ اہل السنت والجماعت کا مسلک نہیں ہاں صالحیہ کرامیہ معتزلہ اور خوارج کے مسلکوں کی خوشہ چینی ہے اور ملت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی وہی کوشش ہے۔ جو یہ باطل فرقے اپنے طور پر کرتے رہے۔ ایسی کوششوں کا پہلا نشانہ صحابہ اور سلف صالحین ہوتے ہیں۔ کہ کسی طرح سلف صالحین سے امت کا اعتماد اٹھ جائے۔ یہ ایسی کامیاب کوشش ہے۔ کہ اس میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد دین کی من مانی تعبیر کرنے اور دین کو اپنی پسند کی شکل وصورت دینے میں صرف آسانیاں پیدا نہیں ہوتیں۔ بلکہ اس راہ سے تمام موانع اٹھ جاتے ہیں۔ اس لیے باطل فرقوں میں ہمیشہ یہ قدر مشترک پائی جاتی رہی ہے کہ وہ ناقلین دین صحابہ کرام رض اور سلف صالحین کو اپنی افترا پردازیوں کا نشانہ بناتے رہے ہیں۔

ان حضرات نے اسی روش پر چل کر سلف صالحین کی، دینی کاوشوں کی داد جس انداز میں دی ہے۔ اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ شفاء الصدور میں امام اعظم ابو حنیفہ کی مسند کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔ ص۹۰ پر یہ افترا کیا کہ امام ابو حنیفہ سماع موتیٰ کے منکر ہیں۔ اور شاگرد امام ابو حنیفہ حسن بن زیاد کو کذاب لکھا ہے۔

۲۔ شفاء کے ص۹۹ پر امام ابو حنیفہ کے حق میں لکھا ہے کہ

ان کا مذہب ان کی احادیث منقولہ کے خلاف ہوتا ہے۔

(۳) شفا کے صـ۱۰ پر علامہ علی القاری ترجمان حنفیت کو غلط بیانی کرنے والا اور غیر معتبر لکھا ہے۔

(۴) صـ۹۴ پر حافظ عماد الدین ابن کثیر کو مردود لکھا ہے۔ ان کا قول غیر معتبر لکھا ہے۔

(۵) صـ۱۰ پر علامہ محمود آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی کے اس قول کو مردود لکھا ہے۔ ان الصحیح المعول علیہ انہ لستقبل وقت السلام عند الدعاء۔

(۶) صـ۹۷ پر اجلہ فقہا، محدثین و مفسرین متکلمین کو فسادی لکھا ہے۔ اور علامہ سبکی اور علامہ سیوطی کو مردود القول لکھا ہے۔

(۷) علامہ شامی ابن عابدین کے متعلق صـ۱۰۱ پر لکھا ہے۔

واما ابن عابدین فقد کان خلافا لمحمد بن عبدالوھاب النجدی ولم یراہ وانما قال ما قال فی شانہ کما سمع من افواہ الناس ٥

اور ابن عابدین یعنی علامہ شامی محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے مخالف تھے۔ حالانکہ انہیں دیکھا نہ تھا۔ بس لوگوں کی زبانی سن کر النجدی کے خلاف کہتے رہے۔

یعنی حنفیوں کے نزدیک جس علامہ شامی کے فتاویٰ قول فیصل کا حکم رکھتے ہیں۔ اس کے متعلق ان "حنفیوں" کا کہنا یہ ہے کہ وہ بس افواہوں پر اعتبار کر کے النجدی کے خلاف کہتے رہے جو کہتے رہے۔ خود تحقیق نہیں کی۔ لہٰذا ان کی ثقاہت اور دیانت معلوم؟

اسی ابن عبدالوہاب نجدی کے متعلق علامہ انور شاہ کاشمیری

فرماتے ہیں :-

اما محمد بن عبدالوہاب النجدی فانہ کان رجلا بلیدا قلیل العلم فکان یتسارع الی الحکم بالکفر ولا ینبغی ان یقتحم فی ھذا الوادی الا ان یکون متیقظا متیقنا عارفا بوجوہ الکفر واسبابہ ٥ فیض الباری ۱ : ۱۷۱

ابن عبدالوہاب نجدی ایک غبی آدمی تھا۔ معمولی علم رکھتا تھا۔ کفر کا فتویٰ دینے میں بڑی سرعت سے کام لیتا تھا۔ اس وادی میں قدم رکھنا اس کو زیبا ہے۔ جو بڑا بیدار مغز ہو۔ کفر کے وجوہ واسباب کا حقیقی علم اور پوری معرفت رکھتا ہو۔

اور اس شخص کی ذہانت اور بیدار مغزی کا عالم یہ تھا کہ :-

کان یدق الھاون فی المسجد ٥ فیض الباری ۲ : ۸۴

اور مسجد نبوی میں بیٹھ کر ہاون دستہ سے دوا کوٹتا تھا۔

یعنی لا ترفعوا اصواتکم کی عملی تفسیر کرنے کی یہ صورت اختیار کی تھی۔

علامہ شامیؒ نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متعلق ۴ : ۲۶۲ پر لکھا ہے۔

باب مطلب فی اتباع عبدالوھاب ٥ الخوارج فی زماننا ماوقع فی زماننا فی اتباع عبدالوہاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذھب الحنابلۃ و لکنھم اعتقدوا انھم ھم المسلمون

مطلب عبدالوہاب کے اتباع میں ہمارے زمانے میں خوارج ایسے ہی ہیں جیسے متبعین، عبدالوہاب جو نجد سے خارج ہوئے اور مکہ اور مدینہ پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ اور اپنے، آپ کو حنبلی مذہب سے منسوب

وان من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا بذلك قتل اهل السنة وعلمائهم۔

کرتے تھے۔ لیکن ان کا اصل عقیدہ یہ تھا کہ مسلمان صرف وہی ہیں اور جو ان کے مخالف ہیں وہ مشرک ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے اہل السنۃ مسلمانوں کے قتل کو حلال سمجھا اور علمائے اہل السنت کو قتل کیا۔

اس کے مقابلہ میں "ندائے حق" پارٹی کے ایک ممتاز فرد ملا۔ ہنج پیری نے اپنی کتاب کشف الشبہات کے مقدمہ میں محمد عبدالوہاب کے متعلق لکھا ہے۔

واختص الحرمین الشریفین وبلاد العرب الشیخ القدوۃ ناصر السنۃ قامع الشرک والبدعۃ الامام شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب النجدی ہ

حرمین شریفین اور ممالک عرب کے لیے اللہ تعالیٰ نے شیخ کبیر سنت کے حامی۔ شرک اور بدعت کے قلع قمع کرنیوالے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی کو مختص فرمایا۔

اس تقابل سے واضح ہے کہ اس پارٹی کو جو اپنے آپ کو حنفی کہتی ہے، مفتی اعظم احناف علامہ شامی سے کیوں کد ہے۔ ان کے بزعم خویش شیخ الاسلام کو علامہ شامی نے خارجی عقیدہ کا متبع قرار دیا۔ تو انہیں علامہ شامی سے بغض کیوں نہ ہو؟ دیکھئے وہ وقت کب آتا ہے۔ جب ان کے قلم و زبان سے استادالکل اور استادالدنیا علامہ انور شاہ کاشمیری کے خلاف گوہر افشانی شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے،

ان لوگوں کے شیخ الاسلام کو بلید اور قلیل العلم وغیرہ قرار دیا ہے۔

محمد بن عبدالوہاب کا ذکر ضمناً آگیا تو ان کے متعلق مفتی حرمین شریفین شیخ الاسلام سید احمد بن زینی دحالانی کے، خیالات سنیے۔ فرمایا۔

واحرق دلائل الخیرات و غیرھا من کتب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان یمنع اتباعہ من مطالعۃ کتب الفقہ والتفسیر والحدیث واحرق کثیر منھا واذن لکل واحد من اتبعہ ان یفسر القرآن بحسب فھمہ وامرھم ان یعملوا ویحکموا بما یفھمونہ وجعل ذلک مقدما علی کتب العلم ونصوص العلماء ویقول ان الشریعۃ واحدۃ فما ھؤلاء جعلوھا مذاھب اربعۃ وخلا صتہ الکلام ثم کان قانون الحق والعدل عندہ ما وافق ھواہ و ان خالف نصوص الشریعۃ و اجماع الامۃ۔ وضابطۃ الباطل عندہ مالم یوافق ھواہ وان کان

محمد بن عبدالوہاب نے دلائل الخیرات اور دوسری ایسی کتب جن میں فضائل درود تھے جلا دیں۔ اور وہ اپنے پیرووں کو فقہ تفسیر اور حدیث کی کتابوں کے مطالعہ کرنے سے منع کرتا تھا اور ایسی اکثر کتابیں اس نے جلا دیں۔ اور اپنے ہر متبع کو حکم دے رکھا تھا۔ کہ قرآن کی تفسیر اپنے فہم کے مطابق کیا کریں اور حکم دے رکھا تھا۔ کہ قرآنی احکام کے متعلق فیصلے اور ان پر عمل اپنی سمجھ کے مطابق کیا کریں۔ اور اس نے اپنی اس فاسد رائے کو علمی کتب اور نصوص علمائے ربانی سے مقدم سمجھ رکھا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ شریعت تو ایک ہے۔ تو

علی نص جلی واجتمعت الامۃ
علیہ۔ وکان ارکان الدین
خمسۃ عند اللہ وعند رسولہ
وعند جمیع الامۃ وجعل
النجدی السادس عندہ وھو من
لم یتبعہ فھو لیس بمسلم ھذا
عندہ رکن سادس للاسلام
وکان اتباعہ یحملون الآیات
القرآنیۃ التی نزلت فی کفار
المشرکین وجعلوھا علی المومنین
الموحدین ولم یقبلوا من
دین نبینا الا القرآن ولوکونہ
ویفسرونہ علی حسب مرادھم
کما امرھم ابوھم محمد بن
عبدالوھاب النجدی ۵

ان لوگوں کو کیا ہوا کہ چار،
مذاہب بنا ڈالے۔ مختصر یہ
کہ اس کے نزدیک حق وانصاف
صرف وہی تھا۔ جو اس کی
خواہش کے مطابق ہو۔ اگرچہ
وہ بات شریعت کے خلاف
اور اجماع امت کے برعکس ہو
اور باطل یا بے انصافی اس
کا نام تھا جو اس کی خواہش
نفس کے خلاف ہو اگرچہ اس
کے لیے نص جلی موجود ہو۔ اور
امت کا اس پر اتفاق ہوچکا
ہو۔ اور اللہ اور رسول کے
نزدیک ارکان دین پانچ ہیں
اور نجدی نے ایک چھٹا رکن
بنایا۔ وہ یہ کہ جو شخص اس
کی اتباع نہ کرے۔ وہ مسلمان
نہیں ہے۔ اس کے متبعین
نے قرآن کی ان آیات کو جو
کفار اور مشرکین کے حق میں
نازل ہوئی تھیں۔ وہ اہل ایمان
پر چسپاں کردیں۔ دین کے
ماخذوں میں سے صرف قرآن

کے الفاظ قبول کیے۔ اس کی تاویل و تفسیر اپنی منشا اور اپنے مقصد کے مطابق کرنے لگے جیسا کہ ان کے شیخ محمدؒ بن عبدالوہاب نجدی نے انہیں حکم دیا تھا۔"

مفتی حرمین نے محمدؒ بن عبدالوہاب کی شخصیت اور اس کی تعلیمات و عقائد کا جو تجزیہ کیا ہے۔ اس سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ محمدؒ بن عبدالوہاب نے ایسی کتابیں جلا دیں۔ جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے فضائل درج تھے۔ یعنی حضورؐ اکرم کی ذات آپ کے مقام و منصب سے اسے چڑ تھی۔

۲۔ فقہ تفسیر اور حدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے روکتا تھا۔

۳۔ قرآن مجید کی تفسیر ہر شخص اپنے فہم کے مطابق کرے۔ اور وہی تفسیر مستند ہوگی۔ قرآن فہمی کے لیے قرآن لانے والے یا اس کے شاگردوں سے استفادہ کرنا منع ہے۔

۴۔ قرآن کے احکام کی تعمیل کی صورت معین کرنا ہر شخص کا اپنا کام ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے نبی بھیج کر ایک زائد کام یا فعل عبث کیا ہے۔

۵۔ اپنے قول کو سند سمجھتا تھا۔ کسی اہل علم کا قول اس کے نزدیک در خور اعتنا نہ تھا۔

۶۔ حق و باطل کا فیصلہ اللہ و رسول، کتاب و سنت کی روشنی میں نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ حق وہی ہے۔ جسے وہ حق سمجھے اور باطل وہ ہے۔ جسے وہ باطل قرار دے۔

۷۔ مسلمان ہونے کے لیے اقرار شہادتین یا ارکان خمسہ پر ایمان

کافی نہیں بلکہ مسلمان ہونے کی شرط یہ ہے کہ آدمی اس کا اتباع کرے یعنی اپنے آپ کو رسالت کے مقام پر لا کھڑا کیا۔

۸۔ قرآن کریم کو اس نے بازیچہ اطفال تو بنایا ہی تھا۔ ستم بالائے ستم یہ کیا کہ جو آیات کفار و مشرکین کے متعلق نازل ہوئی تھیں وہ اہل ایمان پر چسپاں کر کے اپنے مخالفین کو بے دریغ کافر قرار دینے کا مشغلہ اختیار کر لیا۔

۹۔ حدیث رسول کو ماخذ شریعت اور شارح کتاب الہٰی کی حیثیت سے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شیخ القرآن پارٹی نے "شیخ الاسلام" کو روشنی کا مینار کیوں قرار دیا۔ گزشتہ صفحات میں شیخ القرآن پارٹی کے عقائد اجمالی طور پر بیان ہو چکے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ بلکہ یوں لگتا ہے کہ اسی چراغ سے یہ چراغ روشن ہوا ہے۔ مثلاً

۱۔ شیخ القرآن پارٹی نے "حیات النبی" کے مسئلہ کی آڑ میں حضور اکرمؐ کے متعلق جو عقائد پھیلائے وہ شیخ الاسلام کی ذہنیت کی جھلک ہے۔

۲۔ کسی مفسر کا قول ان کے نزدیک قابل قبول تو کیا قابل توجہ بھی نہیں البتہ اپنی تفسیر خواہ تحریف ہی ہو وہی سند ہے۔

۳۔ حق و باطل کا معیار بھی وہ شیخ الاسلامی ہے۔ اپنی منشا اور پسند کے خلاف کوئی آیت نظر آئی تو اس کی تحریف کر دی۔ کوئی حدیث سامنے آئی تو اسے ضعیف کہہ کر رد کر دیا۔

(۴) شیخ القرآن پارٹی نے مذاہب اربعہ کا انکار نہیں کیا بلکہ اہل السنت و الجماعت اور حنفی ہونے کا دعویٰ کیا اور لطف یہ کہ امام ابوحنیفہ سے لے کر علامہ شامی اور علامہ آلوسی تک ہر شخص کو ناقابل اعتماد بھی قرار دیا اور ان کی حنفیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

(۵) شیخ الاسلام کی تقلید میں قرآن کی وہ آیات جو کفار اور مشرکین کے حق میں نازل ہوئیں۔ وہ اہل ایمان پر چسپاں کر کے انہیں بے دریغ کافر قرار دینے کی مہم شروع کر دی۔

(۶) ان کے اس شغل تکفیر کی زد سے ان کے اساتذہ اور مشائخ بھی محفوظ نہ رہ سکے۔

(۷) ان کے نزدیک مسلمان ہونے کی سند صرف یہ ٹھہری کہ ان کی پارٹی کا رکن ہو تو مسلمان ورنہ مشرک۔

ان امور سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ القرآن پارٹی کا دیوبند کے فقہی مکتب فکر سے وابستہ ہونے کا دعویٰ اور حنفی مسلک کا پیرو ہونے کی یقین دہانی خود فریبی یا ابلہ فریبی سے زیادہ کچھ نہیں اصل میں ان کے عقائد اور اعمال شیخ الاسلام کے واسطے سے خوارج سے ماخوذ ہیں۔

دینی عقائد و اعمال کے متعلق خوارج نے جو رویہ اختیار کیا وہ ان کی خصوصیت اور ان کی تحریک کا شعار بن گیا۔ چنانچہ ان کی چند خصوصیات بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ اس امر کا دعویٰ کرنا کہ دین کا ماخذ صرف قرآن ہے۔ یعنی حضور اکرمؐ کی باقی تینوں حیثیتوں یعنی تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کا انکار ہے۔

عن علی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یاتی فی آخر الزمان قوم حدیث الاسنان سفہا الاحلام یقولون من خیر قول البریۃ۔

(بخاری ۱: ۵۱۰ باب قتل الخوارج) اور ابن ماجہ ۱: ۱۶

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو فرماتے سنا کہ آخری زمانہ میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو نوجوان اور احمق ہوں گے۔ اور قرآن پاک پکاریں گے۔

عن ابن عمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ینشؤ نشو یقرأون القرآن لا یجاوز تراقیھم کلما خرج قرن قطع قال ابن عمر سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلما خرج قرن قطع اکثر من عشرین مرۃ حتی یخرج فی اعراضھم الدجال ۔

ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ایک جماعت پیدا ہوگی۔ وہ قرآن پڑھیں گے۔ مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا (یعنی قرآن کے الفاظ کے متعلق موشگافیاں کریں گے۔ مگر عملی لحاظ سے بدکار ہوں گے۔ جب یہ فرقہ سر اٹھائے گا۔ اس کی جڑ، کاٹی جائے گی۔ پھر ابن عمر نے فرمایا۔ کہ میں نے حضورؐ سے سنا کہ بیس مرتبہ سے زیادہ ان کی جڑ کاٹی جائے گی۔ ان سے، دجال بھی ہوگا۔

"شیخ الاسلام" نے اپنے پیروؤں کو یہی تلقین کی تھی کہ

بس اپنے فہم کے مطابق قرآن کی تفسیر کرو "شیخ القرآن" پارٹی بھی تفسیر قرآن اور فہم قرآن کے سلسلے میں حدیث سے بے نیاز ہو گئی۔ صاف انکار کرنے کی بجائے فنکاری سے کام لیا گیا کہ جب کوئی حدیث پیش کی گئی۔ اسے ضعیف موضوع ناقابل اعتماد کہہ کے ٹھکرا دیا۔ چوہدری غلام احمد پرویز صاحب نے اس میں ایک آسانی پیدا کر دی کہ حدیث تو عجمی سازش ہے۔ لہذا قرآن کی تفسیر صرف قرآن سے کرو۔ یا چوہدری صاحب کی بصیرت سے رہنمائی حاصل کرو۔

(۲) مشکوۃ میں باب ذکر الیمن میں ہے کہ جب حضورؐ نے ان کی تعریف فرمائی تو کسی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ نجد کے حق میں بھی کچھ فرمائیے۔

قال وفی نجدنا۔ فاظنہ قال فی الثالثۃ ھناک الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان۔	عرض کیا ہمارے نجد کے لیے بھی برکت کی دعا فرمائیں تو، راوی کہتا ہے میرا خیال ہے کہ تیسری بار آپؐ نے فرمایا نجد میں زلزلے اور فتنے ہوں گے وہاں شیطان کا سینگ ظاہر ہو گا۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس کی شرح یوں لکھی ہے۔

وھی تزلزل القلوب واضطراب اھلھا والفتن البلیات والمحن الموجب لضعف الدین وقلۃ الدیانۃ فلاینا سبہ دعوۃ البرکۃ ویطلع قرن	دلوں کی دنیا متزلزل ہو جائے گی۔ وہاں کے باشندے اضطراب اور بے چینی کا شکار ہوں گے اور فتنے وہ مصائب ہیں۔ جن سے دین میں ضعف آجائے گا۔

الشیطان ای حزبہ واھل وفتنۃ وزمانہ واعوانہ ٥

دیانت میں کمی آجائے گی۔ اس لیے دعا مناسب نہ تھی۔ اور شیطان کے سینگ سے مراد اس تحریک کے اعوان و انصار ہیں۔

اور تاریخ نے ثابت کر دیا کہ واقعی نجد سے فتنہ اٹھا۔ جس نے دین کو اور کلام الٰہی کو بازیچۂ اطفال بنا دیا۔ اور مخلوق کا تو ذکر ہی کیا۔ خالق کے ساتھ پرلے درجے کی بددیانتی کا رویہ اختیار کیا گیا۔

(۳) بخاری فیض الباری ۴ : ۴۵۵، باب قتل الخوارج والملحدین و زنادقہ میں کچھ تفصیل دی گئی ہے۔

وکان مالک یفتی بکفر الخوارج والملحدون ھم الذین یؤلون فی ضروریات الدین لاجراء ھوائھم ٥

اور ۴ : ۴۷۲ پر ہے۔

والزنادیق ۔ قلت والزندیق من یحرف فی معانی الالفاظ مع بقاء الالفاظ الاسلام فھذ اللعین فی القادیان یدعی انہ یؤمن نجتم النبوۃ ثم یخترع لہ معنی من عندہ تصیلح لہ بعد الختم دلیلا علی فتح باب النبوۃ فھذا

اور امام مالک کا فیصلہ یہ ہے کہ خارجی کافر ہیں۔ اور ملحد وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین میں تاویل کرتے ہیں۔ تاکہ اپنی خواہشات کو رائج کر سکیں۔

میں کہتا ہوں زندیق وہ ہے۔ جو الفاظ کو برقرار رکھ کر معانی میں تحریف کرے پس قادیانی ملعون دعویٰ کرتا ہے۔ کہ اس کا ختم نبوۃ پر ایمان ہے۔ پھر اپنے پاس سے اس لفظ کے ایسے معنی اختراع کرتا ہے کہ اجرائے نبوۃ کا مفہوم نکل سکے

هوالذ ندقتہ حقا ای التغیر فی المصادیق و تبدیل المعنی علی خلاف ما عرفت عند اہل الشرع و صرفہا الی اھوائہ مع بقاء اللفظ علی ظاھرہ ہ

اور باب نبوۃ کے کھلا رہنے کی دلیل بن سکے ۔ یہی حقیقی زندقہ ہے ۔ یعنی قران کے معانی مصداق میں تبدیلی پیدا کر دی جائے ۔ ایسی تبدیلی جو شریعت کے مسلمہ حقائق کے بالکل خلاف ہو ۔ اور الفاظ کو برقرار رکھ کر معانی کو اپنی خواہش نفسانی کے مطابق بنانا ہی زندقہ ہے ۔

یعنی خوارج کی عادت ہے کہ الفاظ قرآن کو علی حالہا قائم رہنے دیتے ہیں ۔ مگر ان کے معانی میں ایسے پیچ ڈالتے ہیں ۔ کہ ان کے مخترعہ اور مزعومہ عقائد کی تائید ہونے لگے ۔ خواہ وہ معانی اہل شرع کے مسلمہ اور متفقہ حقائق کے بالکل برعکس ہوں ۔

(۴) بخاری معہ فتح الباری ۱۲ : ۲۳۲

کان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین وقال ایضا اعلم ان علامتھم انھم یطبقون الآیات الواردۃ فی الاصنام علی اولیاء اللہ کما ھو یحملون الایات التی نزلت فی الکفار علی المؤمنین الموحدین فی زماننا ھذہ

ابن عمرؓ خارجیوں کو اللہ کی بدترین مخلوق سمجھتے تھے ۔ فرمایا کہ جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں ۔ یہ لوگ ان آیات کو مومنوں پر منطبق کرتے ہیں ۔ اور فرمایا ان کی بڑی علامت یہ ہے کہ جو آیات بتوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں یہ لوگ انہیں اولیاء اللہ پر منطبق کرتے ہیں ۔

جیسا کہ ہمارے زمانہ میں کفار کے متعلق نازل شدہ آیات کو ایسے لوگ اہل توحید مومنوں پر کرتے ہیں"۔ اور فتح الباری ۱۲ : ۲۲۲

عن بکیر بن عبد اللہ بن الاشج انہ سال نافعا کیف کان رای ابن عمر فی الحروریۃ قال کان یراھم شرار خلق اللہ انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار جعلوھا علی المومنین ۔

بکیر بن عبداللہ بن الاشج نے حضرت نافع سے پوچھا کہ ابن عمر کا خارجیوں کے متعلق کیا خیال تھا۔ جواب دیا کہ ابن عمر انہیں بدترین مخلوق سمجھتے تھے کیونکہ جو آیات قرآنی کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں یہ لوگ ان کا مصداق اہل ایمان کو ٹھیرا تے ہیں :۔

اور تفسیر اتقان ۲ : ۱۹۶

عن حذیفہ ان النبی قال ان فی امتی قوما یقرؤن القرآن ینثرونہ نثر الدقل یتاولونہ علی غیر تاویلہ ۔

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میری امت میں ایک قوم ہوگی۔ جو قرآن کے الفاظ منہ سے یوں پھینکے گی۔ جیسے خستہ خرما پھینکا جاتا ہے اور وہ لوگ قرآن کے الفاظ کو اپنے اصلی معنی سے پھیر دیں گے

علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب الصارم میں خارجی کی تعریف یوں کرتے ہیں :۔

ما کان من دینھم ھو وضع القرآن فی غیر موضعہ قال تعالی یلوون السنتھم بہ

خارجیوں کی عادت تھی کہ قرآن کریم کو اپنے اصل معانی سے پھیر دیتے ہیں۔ جس طرح یہودی زبان کو۔

اى يحرفون معانيه وتاويله
وكان ابن عمر يراهم شرار
خلق الله تعالى وقال انطلقوا
الى آيات نزلت فى الكفار فجعلوها
على المؤمنين وهو وضع القرآن
فى غير موضعه والتاويل فى
غير محله وقد قال الله تعالى
وَاِنَّ منهم لفريقاً يلوون السنتهم
بالكتاب لتحسبوه من الكتاب
وماهو من الكتاب وقال تعالى
ان الذين يلحدون فى آياتنا
قال ابن عباس يضعون الكلام
فى غير موضعه "

قلت دخل دينه غلاة
الموحدين والروافض والقاديانى
والبوديزى ٥

بل دے کر تورات پڑھتے
تھے کہ لوگ سمجھیں تورات کے
الفاظ ہیں ۔ تحریف معنوی بھی
کرتے اور غلط تاویل کرتے تھے
اور ابن عمر خارجیوں کو اللہ کی
بدترین مخلوق کہا کرتے تھے ۔
اور کہتے تھے کہ یہ لوگ قرآن
کی ان آیات کو جو کفار کے حق
میں نازل ہوئی ہیں ۔ اہل ایمان
پر چسپاں کرتے ہیں ۔ اور یہ
قرآن کو اپنے معنی سے پھیرتا
ہے ۔ اور بے محل تاویل ہے
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان یہودیو
میں ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی
زبانوں کو بل دے کر پڑھتے
تھے تاکہ لوگ سمجھیں یہ بھی کتاب
الہی ہے ۔ حالانکہ وہ کتاب الہی
کے الفاظ نہ ہوتے تھے ۔
اور فرمایا وہ لوگ جو میری آیات
میں کجی پیدا کرتے ہیں ۔ اور
ابن عباس نے فرمایا کہ وہ قرآن
کو اپنے محل سے ہٹا رکھتے تھے
میں کہتا ہوں اس میں حال کے

غالی "موحدین" روافض قادیانی اور پرویزی داخل ہیں۔"

ان اقتباسات کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

(۱) ملحد وہ ہے جو ضروریات دین میں تاویل کرے۔ اور ایسی تاویل بمنزلہ انکار کے ہے۔ اور ضروریات دین کا انکار کفر ہے۔

(۲) زندیق وہ ہے جو آیات قرآن کو اپنے محل اور مصداق سے ہٹا کر دوسرے محل میں رکھے۔ جیسے قرآن کی آیات جو بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ انہیں اولیاء اللہ اور پیشوایانِ دین پر چسپاں کرنا اور یہ کہنا کہ یہ پیروں کے حق میں ہیں۔ حالانکہ معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی جانتا ہے کہ جو لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہ اولیاء کو کہاں مانتے تھے۔ اور ان کا عقیدہ جب یہ تھا کہ موت عدمی چیز ہے۔ جس کو مس کرتی ہے اس کو بھی معدوم کر دیتی ہے اور اعادہ معدوم محال ہے۔ لہذا قیامت کا انکار ہوا۔ اس لیے قبور پر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۳) خارجی کی علامت یہ ہے کہ جو آیات قرآنی کفار اور مشرکین کے حق میں نازل ہوئیں۔ انہیں مسلمانوں پر چسپاں کرنا اور کہنا کہ یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

اب آپ عقائد کا جائزہ لیں جو ندائے حق یا شفاء الصدور وغیرہ کتابوں میں شیخ القرآن پارٹی نے بیان کیے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہیں گے۔ کہ یہ عقائد خوارج سے لیے گئے ہیں اور ان میں الحاد اور زندقہ کی حقیقی روح پائی جاتی ہے۔ اور

یہ موحد، حنفی اور دیوبندی ہونے کا دعویٰ خود فریبی اور خدافریبی کے علاوہ کچھ نہیں۔ عنوان اور اوصاف، صورت اور حقیقت، ظاہر اور باطن میں اتنا بڑا تضاد بہت بڑی علمی اور اعتقادی بددیانتی ہے۔ اور کتاب الہیٰ کے الفاظ میں اپنے پسند کے معنی داخل کرنا اور اس کی آیات کا محل اور مصداق اپنی خواہش کیمطابق متعین کرنا۔ تحریف قرآن کی مہلک ترین قسم ہے اور لطف یہ کہ اسے تفسیر کے نام سے پیش کر کے اللہ کی مخلوق کو گمراہ کرنا بہت بڑی جرأت ہے۔



برزخ کیا ہے؟

قال اللہ تعالیٰ حتیٰ اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحاً فیما ترکت کلا انہا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون ٥

"یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آتی ہے اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو پھر واپس بھیج دیجیے تاکہ جس کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کروں ہرگز نہیں۔ یہ ایک بات ہی بات ہے جس کو یہ کہے جا رہا ہے اور ان لوگوں کے آگے ایک آڑ ہے۔ قیامت کے دن تک"

لغوی تحقیق

۱۔ البرزخ ، الحاجز والحد بین الشیئین ٥

برزخ حجاب حاجز اور حد بندی ہے۔ دو چیزوں کے درمیان (مفردات امام راغب ص۴۲)

۲۔ برزخ :۔ باز داشت میان دو چیز۔ برزخ دو چیزوں کے درمیان پردہ ہے

وانتقال مابین الدنیا والاٰخرۃ من وقت الموت الی البعث فمن مات دخل البرزخ ٥

(صراح :۔ علامہ ابوالفضل محمد بن عمر القرشی)

برزخ دو چیزوں کے درمیان پردہ ہے اور یہ بولا جاتا ہے (اس زمانے اور مکان پر) جو موت کے وقت سے لے کر حشر تک ہے پس جو شخص مر گیا وہ برزخ میں داخل ہو گیا۔

فائدہ :۔ برزخ ایک غیر محسوس پردہ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان حائل ہے اور فعل انسانی کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

برزخ کا تفصیلی بیان

علامہ سیوطی الحادی للفتادی ۲ : ۳۲۷ میں برزخ کی تشریح یوں فرماتے ہیں :۔

البرزخ علی ثلاثۃ اقسام مکان وزمان وحال فالمکان من القبر الی علیین تعمرہ ارواح السعداء ومن القبر الی سجین تعمرہ ارواح الاشقیاء واما الزمان فھو مدۃ بقاء الخلق فیہ من اول من مات او یموت من الجن والانس الی یوم یبعثون واما الحال فاما منعمۃ واما معذبۃ او محبوسۃ حتی فتخلص بالسؤال من الملکین الفتانین ہ

برزخ تین چیزوں سے عبارت ہے۔ مکان زمان اور حال۔ پس مکان، قبر سے علیین تک جسے نیک روحیں آباد کرتی ہیں۔ اور قبر سے سجین تک جسے بدکار لوگوں کی روحیں آباد کرتی ہیں۔ اور زمان، اس میں مخلوق کی بقاء کی مدت ہے جو کسی جن یا انسان کے مرنے سے شروع ہو کر اس وقت تک ہے۔ جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ اور رہا حال، تو یا وہ انعام یافتہ ہوگا یا معذب ہوگا۔ یا محبوس ہوگا حتی کہ سوال و جواب نکیرین سے خلاصی پائے۔

فائدہ :۔ مکان برزخ قبر سے علیین اور قبر سے سجین تک ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ علیین اور سجین کی ابتداء قبر سے ہوتی ہے۔ اور قبر کا گڑھا علیین یا سجین کی حدود میں داخل ہے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے سے یہ سوال بھی حل ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق جب قبر پر جاکر السلام علیکم کہا جاتا ہے۔ تو روح اسے کیسے سنتی ہے جبکہ وہ علیین یا سجین میں ہے اور قبر خالی ہے۔ بلکہ یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ قبر ہی تو علیین یا سجین کا نقطہ آغاز ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ روح کے ادراکات بعد موت بہت تیز اور

وسیع ہو جاتے ہیں تو مذکورہ بالا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

جہاں تک حال کا تعلق ہے۔ میت پر انعام یا عذاب برزخ میں ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اور وہ اسی وسیع مکان میں ہوتا ہے۔ جو علیین یا سجین کہلاتا ہے۔ اور جو قبر سے شروع ہوتا ہے۔ یہی حقیقت حضرت ابو سعید کی حدیث سے واضح ہوتی ہے کہ :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النار (مشکوٰۃ ص ۲۵۸)

فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قبر بجز اس کے نہیں کہ یا تو، جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

فیض الباری ۲ : ۴۹۲ والحاصل ان شیأً من العذاب یبدأ من القبر ثم یتم العذاب عند دخول فی جھنم کما قال تعالٰی ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب کما قال تعالٰی اغرقوا فادخلوا نارا ہ

قبر سے کیا مراد ہے

لفظ قبر اور اس کی جمع قبور قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں - لہٰذا قرآن مجید کی روشنی میں ہی اس لفظ کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے لغت نے اس کا مفہوم کیا بیان کیا ہے قرآنی آیات میں اس لفظ کا مفہوم سمجھنا آسان ہو جائے -

صراح :- قبر :- گور و در گور کردن مقبرہ بالفتح والضم گورستان قولہ تعالیٰ ثم اماتہ فاقبرہ ای جعلہ ممن یقبر ولم یجعلہ مما یلقی للکلاب وکان القبر مما اکرم بہ بنو آدم -

قبر کے معنی گڑھا اور گڑھے میں دفن کرنا ہے - اور مقبرہ بہ فتح میم یا بہ ضم میم - قبرستان فرمان باری تعالیٰ ہے - پھر مارا اس کو پھر دفن کیا اس کو یعنی اسے ان لوگوں سے کیا جن کو دفن کیا جاتا ہے - اور ان لوگوں میں سے نہ کیا جنہیں کتوں کے آگے ڈال دیا جاتا ہے - اور قبر وہ مکان ہے جس سے بنی آدم کو عزت بخشی گئی

مفردات :- القبر مقر المیت ومصدر - قبرتہ - جعلتہ فی القبر واقبرتہ جعلت لہ مکانا یقبر فیہ نحو ؟ اسقیتہ جعلت لہ ما یسقی منہ قال اللہ تعالیٰ ثم اماتہ فاقبرہ قیل معناہ الہم کیف یدفن - والمقبرۃ موضع القبور وجمعہا مقابرہ

قبر میت کے قرار کی جگہ ہے - اور اس کا مصدر ہے - اور "قبرتہ" کے معنی ہیں میں نے اسے قبر میں دفن کیا اور "اقبرتہ" کے معنی ہیں میں نے اس کے لیے مکان بنایا - جس میں اسے دفن کیا جائے - جیسے مقولہ عرب ہے - "اسقیتہ" میں نے اسے پانی پلایا کے معنی ہیں - میں نے اس کے لیے پانی کی جگہ بنائی - فرمان باری تعالیٰ

"ثم اماتہ، فاقبرہ" اس کے معنی ہیں یعنی نے انسان کو الہام کیا کہ کیسے دفن کرے اور مقبرہ قبروں کی جگہ ہے۔ اور اس کی جمع مقابر ہے۔"

ظاہر ہے کہ قبر سے مراد وہ گڑھا ہے جو کھودا جاتا ہے اور اس میں جسد عنصری کو دفن کیا جاتا ہے۔

مُفسّرین کے نزدیک قبر کا مفہوم

امام رازی رح تفسیر کبیر میں ثم اماتہ،، فاقبرہ کے تحت فرماتے ہیں:-

فلم يقل فقبره لان القابر هو الدافن بيده والمقبر هو الله تعالى يقال قبر الميت اذا دفنه واقبر الميت اذا امر غيره بان يجعله فى القبر ه

اللہ تعالیٰ نے فقبرہ نہیں فرمایا بلکہ فاقبرہ فرمایا کیونکہ قابر وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے دفن کرے اور مقبر تو اللہ تعالیٰ کی ذات کہا جاتا ہے۔ قبر المیتہ جب میت کو دفن کرے اور اقبر المیت اس وقت کہا جاتا ہے جب دوسرے کو دفن کرنے کا حکم کرے

صاحب روح المعانی ۳۰ : ۴۴ میں فرماتے ہیں:۔

قال تعالى ثم اماته فاقبره اى جعله ذا قبر توارى فيه جيفته تكرمة له ولم يجعله مطروحا على الارض يستقذره من يراه وتقسمه السباع والطير اذا ظفرت به كسائر الحيوان يقال القبر الميت اذا دفنه بيده واقبره اذا

فرمان باری تعالیٰ ہے ثم اماتہ فاقبرہ یعنی اس کو صاحب قبر کیا۔ جس میں میت کی نعش کو چھپایا جاتا ہے۔ اس کے اکرام کی خاطر اور اسے زمین پر نہیں پھینک دیا گیا کہ جو دیکھے برا محسوس کرے اور پرندے اور درندے جب اسے پائیں تو اسے نوچ نوچ کر کھائیں۔ جیساکہ دوسر

امر بدفنه ہ

حیوانوں سے کرتے ہیں۔ قبرالمیت اس وقت کہا جاتا ہے۔ جب اسے اپنے ہاتھ سے دفن کرے اور اقبرہ اس وقت کہا جاتا ہے۔ جب اسے دفن کرنے کا حکم کرے۔

ان مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ بیان فرمایا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قبر سے مراد وہ گڑھا ہے۔ جس میں ایک میت کسی زندہ انسان کے ہاتھوں دفن کیا جاتا ہے۔ اسی آیت کی تفسیر عزیزی نے جس انداز سے بحث کی ہے۔ اس سے کئی اور اشکال بھی رفع ہو سکتے ہیں۔ فافهم وتدبر

قال تعالیٰ ثم اماته فاقبره (پ ۳۰ ع ۵)

ودر دفن کردن چوں اجزائے بدن تمام یکجا میباشد علاقہ روح با بدن از راہ نظر و عنایت بحال می ماند و توجہ روح بزائرین و متانسین و مستفیدین بسہولت میشود کہ بسبب تعین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین است و آنچہ را ایں عالم از صدقات و فاتحہ ہائے و تلاوت قرآن مجید چوں درآں بقعہ کہ مدفن بدن اوست واقع شود بسہولت نافع میشود پس سوختن گویا روح را بے مکان کردن است و دفن کردن گویا مکن برائے روح ساختن۔ بنا بریں است

دفن کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ جب بدن کے اجزاء تمام یکجا ہوں گے تو بدن سے روح کا تعلق کامل ہوگا اور سارے بدن سے ہوگا۔ اور زائرین اور انس رکھنے والوں اور استفادہ کرنے والوں کی طرف روح سہولت سے متوجہ ہوگی کیونکہ بدن کے مقام کے تعین سے روح کا مکان بھی متعین ہوگا اور اس دنیا سے ملاقات، فاتحہ اور تلاوت قرآن کا ثواب بدن کے مدفن میں پہنچے گا تو خوب نافع ہوگا۔ اس لیے بدن کو جلانا گویا روح کو بے گھر

کہ اولیائے مدفونین و دیگر صلحا مومنین انتفاع و استفادہ جاری است (تفسیر عزیزی ص۵۲)

کر دینا ہے اور دفن کرنا گویا روح کے لیے ایک مسکن بنانا ہے۔ اسی بناء پر ان اولیائے کرام اور صالح مومنین سے نفع اور استفادہ کا سلسلہ جاری ہے جو دفن کیے گئے۔

بخاری باب ماجاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکرؓ وعمرؓ

قول اللہ عز وجل فاقبرہ اقبرت الرجل اذا جعلت لہ قبرا وقبرتہ دفنتہ کفاتا یکونون فیہا احیاء و یدفنون فیہا امواتا ہ

اور بخاری میں ہے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ فاقبرہ۔ اقبرت الرجل کے معنی ہیں جب تو نے اس کے لیے قبر بنائی۔ اور قبرتہ کے معنی تو نے اسے دفن کیا۔ اور کفاتا یعنی زندگی میں اس میں آباد ہوں گے۔ اور بعد موت اسی زمین میں دفن ہوں گے۔

اور فتح الباری ۳ : ۱۶۴ :-

ثم اماتہ فاقبرہ ای جعلہ ممن یقبر لا ممن یلقی حتی تاکلہ الکلاب مثلاً قال اللہ عز وجل الم نجعل الارض کفاتا احیاء و امواتا قال یکونون فیہا ما ارادوا ثم یدفنون فیہا ہ

ثم اماتہ فاقبرہ : یعنی انسان کو اس مخلوق سے بنایا جسے دفن کیا جاتا ہے اور ان میں سے نہیں بنایا جنہیں یوں ہی پھینک دیا جاتا ہے کہ اسے کتے کھاتے رہیں۔ اور فرمان باری تعالیٰ الم نجعل الارض کفاتا احیاء وامواتا یعنی ہم نے زمین کو سمٹنے والی اس طرح بنایا کہ زندگی میں اس پر ہیں اور بعد

موت اسی میں دفن کیے جائیں"۔

فائدہ :۔ ان اقوال سے ظاہر ہے کہ وہ زمین جس پر انسان زندگی گزارتا ہے بعد موت اسی میں دفن کیا جاتا ہے۔ اور جس گڑھے میں اسے دفن کیا جاتا ہے اسی کو قبر کہتے ہیں۔ اور میت کو درندوں کا لقمہ بننے سے بچانے کے لیے قبر میں ہی چھپا دیا جاتا ہے جو زمین میں کھودی جاتی ہے مسطح، مربع، عمیق اسی قبر کی صفات ہیں۔ سجین و علیین تو غیر محسوس اور قدرت انسانی سے باہر ہیں۔ وہاں میت کو دفن کرنے کون جاتا ہے۔

قال تعالیٰ ولا تقم علی قبرہ والمراد لا تقف عند قبرہ للدفن او للزیارۃ والقبر فی المشهور مدفن المیت ویکون بمعنی الدفن ٥ (روح المعانی ص ۱۰، ۱۴۸)

فرمان باری تعالیٰ ہے ولا تقم علی قبرہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس کی قبر کے پاس دفن کرنے یا زیارت کرنے کے لیے مت کھڑے ہوں۔ قبر کا مفہوم مشہور ہے کہ میت کو دفن کرنے کی جگہ اور دفن کرنے کے معنی بھی ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مخاطب کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اس کی قبر کے پاس مت کھڑے ہوں۔ اگر قبر سے مراد زمینی گڑھا نہ لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ مخاطب کو حکم ہو رہا ہے کہ سجین کے پاس کھڑے نہ ہوں پھر اس حکم کی تعمیل کیونکر ہوئی۔

مختصر یہ کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے کہ قبر سے مراد یہی گڑھا ہے جو زمین میں کھودا جاتا ہے۔ ان میں خواہ کوئی کتنا ہیر پھیر یا تاویل کرے بات بنتی نہیں۔ ہاں تحریف قرآن کا مرتکب ضرور ہوگا۔

(۱) ثم اماتہ فاقبرہ (پ ۲۵ ع ۴) (۲) ولا تقم علی قبرہ (پ ۱۰ ع ۱۷)

(۳) وان اللہ یبعث من فی القبور (پ ۱۷ ع ۸)

(۴) وما انت بمسمع من فی القبور (پ ۲۲ ع ۱۵)

(۵) کما یئس الکفار من اصحاب القبور (پ ۲۸ ع ۸)
(۶) حتیٰ زرتم المقابر (پ ۳۰ ع ۲۷)
(۷) افلا یعلم اذا بعثر ما فی القبور (پ ۳۰ ع ۲۴)
(۸) واذا القبور بعثرت (پ ۳۰ ع ۷)

اس دور کا کوئی مفسر قرآن اگر ان آیات کی تفسیر اس انداز سے کرے کہ قبر کرہ زمین سے نابود ہو کر علیین یا سجین پر پہنچ جائے تو ان صاحب کی جرأت کی داد دینی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائے۔

فائدہ :۔ جو لوگ بشریت انبیاء کا انکار کرتے ہیں۔ ان پر فتویٰ لگایا جاتا ہے کہ یہ لوگ نصوص قرآنی کا انکار کرتے ہیں۔ جن میں بشریت انبیاء صاف صاف مذکور ہے۔ اچھا ذرا یہ تو بتائیں کہ جو لوگ اس گڑھے کو قبر نہیں کہتے بلکہ قبر علیین سجین کو کہتے ہیں۔ وہ ان مذکورہ آیات قرآنی کے منکر نہیں ؟ کیا وہی فتویٰ ان پر عائد نہیں آتا ؟ فاعتبروا یا اولی الابصار :۔

احادیث نبوی میں قبر کا مفہوم

۱۔ عن عائشۃ رضؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی لم یقم منہ لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم وصالحیھم مساجد (بخاری مع فتح الباری ۳ : ۱۶۵)

حضرت عائشہ رضؓ روایت کرتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اس مرض کے دوران فرمایا جس کے بعد آپ صحت یاب نہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود نصاریٰ پر لعنت فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء اور صلحا کی انہی قبروں کو سجدہ کرتے تھے جو زمین پر موجود تھیں۔ علیین میں قبروں کو سجدہ کرنے کے لیے جانا بھلا کب ان کے بس کا روگ تھا۔

۲۔ عن القاسم قال دخلت علی عائشۃ فقلت یا امۃ اکشفی لی عن قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصاحبیہ فکشفت لی عن ثلاثۃ قبور ٥

(ابوداؤد ص ۱۹۲)

حضرت قاسم فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں گیا اور کہا اماں جان مجھے حضورؐ کی قبر اور آپؐ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں دکھایئے تو ام المومنین نے مجھے، تین قبریں دکھائیں۔

ظاہر ہے حضرت عائشہ رضؓ نے وہی قبریں دکھائیں جو زمین پر موجود تھیں۔ اگر قبر سے مراد علیین ہے تو کوئی بتائے کہ حضرت عائشہ رضؓ سائل کو علیین پر کیونکر لے گئیں۔

(۳) نھی رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقعد علی القبر وان یجصص ویبنی علیہ

(ابوداؤد باب بناء علی القبور)

نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر بیٹھنے اور اسے پختہ کرنے اس پر مقبرہ بنانے سے منع فرمایا۔

قبر پر بیٹھنا۔ اسے چونے گچ کرنا یا اس پر قبہ بنانا کوئی علیین کے متعلق تو ہے نہیں کہ حضورؐ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہو۔

۴۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یوم احد احفروا واوسعوا واعمقوا

حضور اکرمؐ نے احد کے دن فرمایا کہ قبریں کھودو کشادہ اور گہری بناؤ اور خوبصورت کھودو اور

واحسنوا وادفنوا الاثنين و الثلاثة فی قبر واحد ۔ (مشکوۃ ص ۱۴۸)

ایک ایک قبر میں دو دو تین تین میت دفن کرو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی گئی کون کہہ سکتا ہے کہ صحابہ علیین میں گئے۔ وہاں قبریں کھودیں وسیع اور گہرا کیا اور وہیں جا کر شہداء کو دفن کیا۔

۵۔ عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا ادخل المیت القبر قال بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم (مشکوۃ ص ۱۴۸)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ جب میت کو قبر میں داخل کرتے تو بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ پڑھ کر داخل کرتے۔

۶۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حثی علی المیت ثلاث حثیات بیدیہ جمیعا وانہ رش علی قبر ابنہ ابراھیم ووضع علیہ حصباء (مشکوۃ)

حضور اکرمؐ میت (کی قبر پر) تین بار دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتے تھے۔ اور حضورؐ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر سنگریزے رکھے۔

۷۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی جنازۃ ثم اتی القبر فحثی علیہ قبل راسہ ثلاثا (مشکوۃ ص ۱۴۹)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ایک آدمی کی نماز جنازہ پڑھائی پھر اس کی قبر پر آئے اور اس کے سر کی طرف سے تین بار مٹی ڈالی۔

۸ - عن انس قال شهدنا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تدفن و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس علی القبر فرایت عینیہ تدمعان فقال ھل فیکم من احد لم یقارف اللیلۃ فقال ابوطلحۃ انا - قال فانزل فی قبرھا - فنزل فی قبرھا (مشکوٰۃ)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کی بیٹی کی تدفین کے وقت ہم موجود تھے - حضور قبر پر بیٹھے تھے - میں نے دیکھا کہ حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں - پھر فرمایا تم میں سے کوئی ہے - جس نے آج رات اقتراف مع المراۃ نہ کیا ہو - ابوطلحہؓ نے عرض کیا میں ہوں فرمایا اس کی قبر میں اتر جا - پھر وہ بنت رسولؐ کی قبر میں اترے -

۹ - عن عمرو بن حزم قال رانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم متکئا علی قبر فقال لا توذ صاحب ھذا القبر ٥ (مشکوٰۃ صد۱۴۹)

عمرو بن حزم کہتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے دیکھا تو فرمایا کہ صاحب قبر کو ایذا نہ دو -

ان احادیث کو ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور اکرمؐ میت کو جس قبر میں داخل کرتے جس قبر پر دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتے اور صحابہ کرام حضورؐ کا یہ عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے وہ اسی زمین پر ہی ہو سکتی ہیں - علیین میں مٹی ڈالنے کون جاتا ہے - اور کون دیکھتا ہے - جس قبر میں ابوطلحہؓ کو اترنے کا حکم دیا گیا اور وہ اترے اور صحابہ نے دیکھا - بھلا کوئی سمجھے اور باور کرے کہ وہ قبر علیین میں تھی - اور عمر بن حزم جس قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے - اس کے متعلق کون کہہ سکتا

ہے کہ وہ علیین میں تھی اور عمرو بن حزم وہاں جاکر قبر سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔

۱۰۔ عن ابی مرثد الغنوی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیھا (مشکوۃ)

ابو مرثد الغنوی فرماتے ہیں کہ، حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ قبر پر نہ بیٹھا کرو اور نہ اس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھا کرو۔

حضورؐ کا یہ عمومی حکم اگر ان قبروں کے متعلق دیا گیا جو علیین میں ہیں تو ماننا پڑے گا۔ کہ اس دور میں عوام آزادانہ اور بے تکلفی سے علیین میں جاتے قبروں پر بیٹھتے اور ان کے سامنے کو ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

۱۱۔ وعن ابی سعید فاکثروا ذکر ھاذم اللذات الموت فانہ لم یات علی القبر یوم الا تکلم فیقول انا بیت الغربۃ وانا بیت الوحدۃ وانا بیت التراب وانا بیت الدود واذا دفن العبد المؤمن قال القبر مرحبا اھلا اما ان کنت لاحب من یمشی علی ظھری الی فاذا ولیتک الیوم وصرت الی فسترے صنیعی بک قال فتسع لہ مد بصرہ

فرمایا حضورؐ نے کہ لذتوں کو مٹانے والی یعنی موت کو اکثر یاد کیا کرو۔ قبر پر کوئی ایسا دن نہیں گزرتا مگر وہ کہتی ہے کہ میں مسافری کا گھر ہوں میں تنہائی کا گھر ہوں اور میں مٹی کا گھر ہوں اور کیڑوں کا گھر ہوں اور جب مومن کو دفن کیا جاتا ہے۔ تو قبر کہتی ہے خوش آمدید۔ میری پشت پر چلنے والوں میں سے تو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا آج جب تو مجھے سونپ دیا گیا ہے اور میرے پاس آچکا ہے اب تو دیکھ لے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا برتاؤ کرتی ہوں

ویفتح لہ باب الی الجنۃ ہ (مشکوٰۃ صـ۴۷ـ)

فرمایا کہ قبر اس کے لیے حد نگاہ تک فراخ ہو جاتی ہے اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

کیا یہ پکار اس قبر کی ہو سکتی ہے جو علیین میں بتائی جاتی ہے کیا وہی علیین والی قبر کہہ رہی ہے میں مٹی کا گھر ہوں میں کیڑوں کا گھر ہوں۔ کیا علیین میں بھی مٹی اور کیڑے ہوتے ہیں۔ عبد مومن کیا اسی قبر کی پیٹھ پر چلتا تھا جو علیین میں بنی ہوئی ہے۔

۱۲- واذا دفن العبد الفاجر او الکافر قال لہ القبر لا مرحبا ولا اھلا اما ان کنت لابغض من یمشی علی ظھری الیّ فاذا ولیتک الیوم وصرت الیّ فستری صنیعی بک قال فیلتئم علیہ حتی تختلف اضلاعہ الخ۔ ۔ ۔ ۔ (مشکوٰۃ صـ۴۷ـ)

اور جب کوئی بدکار یا کافر دفن کیا جاتا ہے تو اسے قبر کہتی ہے تجھ پر پھٹکار ہو۔ میری پشت پر چلنے والوں میں سے تو مجھے سب سے زیادہ ناپسند تھا۔ آج جب تو مجھے سونپ دیا گیا ہے اور میرے پاس پہنچ چکا ہے اب تو دیکھ لیگا کہ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں۔ فرمایا پھر قبر مل جاتی ہے اور اس کی پسلیاں چور ہو جاتی ہیں۔

اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ قبر تو سجین یا علیین میں ہوتی ہے تو کوئی فاجر یا کافر اس دنیوی زندگی میں اس کی پشت پر کیسے چلا کرتا تھا۔ مومن ہوں یا کافر چلتے تو زمین پر ہیں اور اسی زمین میں دفن ہوتے ہیں یا زمین میں ہی ان کے اجزا مل جاتے ہیں۔ اس لیے قبر سے مراد وہی گڑھا ہے۔ جو زمین میں کھودا جاتا ہے۔ اور زبان رسالت سے قبر کا لفظ اسی گڑھے کے لیے، بولا گیا ہے۔ جو اس زمین میں کھودی جاتی ہے اور میت کو اس میں دفن کیا جاتا ہے۔

تمام احادیث سے جو فرمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ یہ ثابت

ہوتا ہے۔ کہ قبر میں اس جسم کو ثواب عذاب ہوتا ہے جو دنیائے عالم میں زمین پر چلتا تھا اور اعمال صالحہ اور غیر صالح کرتا تھا۔ جسم مثالی کے عذاب کا قصّہ خلاف حدیث رسولؐ اور غلط ہے۔ جسم مثالی نہ دنیائے کی زمین پر چلا۔

ثواب و عذاب قبر اور سوال و جواب نکیرین کا محل

ذخیرہ احادیث نبوی میں عنوان بالا کے متعلق کثرت سے احادیث موجود ہیں۔ چند احادیث یہاں بیان کی جاتی ہیں تاکہ یہ معلوم کرنا آسان ہو جائے کہ قبر سے زمین میں محفورہ گڑھا مراد ہے یا علیین و سجین ہے؟

۱۔ عن عثمان بن عفان قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم واسئلوا لہ بالتثبیت فانہ الآن یسئال ہ

حضرت عثمان رضؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کا طریقہ تھا کہ جب میت کے دفن سے فارغ ہو جاتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال و جواب ہو رہے ہیں۔

حضورؐ کا معمول مبارک یہ تھا کہ بعد دفن میت کی قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اب اس سے سوال و جواب ہو رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سوال و جواب اسی قبر میں ہوتے ہیں۔ جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔

۲۔ حضرت جابر رضؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد رضؓ بن معاذ کی وفات پر ہم لوگ جنازہ کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گئے۔

فلما صلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جب حضور نے (حضرت سعد کی) نماز جنازہ پڑھ لی اور انہیں قبر

ووضع فی قبرہ وسوی علیہ سبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فسبحنا طویلا ثم کبر فکبرنا فقیل یا رسول اللہ لم سبحت ثم کبرت قال لقد تضایق علی ھذا العبد الصالح قبرہ حتی فرجہ اللہ عنہ ۵

میں اتارا گیا اور مٹی ڈال دی گئی تو حضورؐ نے تسبیح پڑھی۔ ہم بھی دیر تک تسبیح پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے تکبیر پڑھی ہم نے بھی تکبیر پڑھی عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ نے کیوں تسبیح پڑھی پھر تکبیر پڑھی فرمایا اس نیک بندے پر قبر تنگ ہو گئی تھی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں فراخی پیدا کر دی۔

وضع فی القبر۔ تسویہ قبر۔ تنگ ہونا۔ پھر فراخ ہونا جس قبر کے متعلق ہے وہ یہی گڑھا ہے۔ علیین میں وضع اور تسویہ وغیرہ کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ لیسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فیقعدانہ فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجل... الخ

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم نے فرمایا کہ آدمی کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی وہاں سے لوٹتے ہوں اور وہ ان کے پاؤں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے۔ تو دو فرشتے اس کے پاس آجاتے ہیں پھر اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تو اس شخص (حضور اکرمؐ) کے متعلق کیا کہتا تھا۔

۴۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

ابوہریرہ رضؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جب میت کو قبر

وسلم اذا قبر المیت اتاہ ملکان اسودان ازرقان یقال لاحدھما المنکر	میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے سیاہ فام نزرد آنکھوں والے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو منکر
والاخر النکیر فیقولان ماکنت تقول فی ھذا الرجل . . . . الخ	اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا تھا۔
۵۔ عن براء بن عازب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یاتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک ۔ الخ	حضرت براء بن عازب رضؓ حضور اکرمؐ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ (قبر میں میت کے پاس) دو فرشتے آتے ہیں۔ پھر اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ الخ

میت کو قبر میں رکھنا۔ نکیرین کا آنا۔ میت کو بٹھانا اور سوالات کرنا یہ سب اس قبر کی صفات ہیں جو زمین میں کھودی جاتی ہے۔ اور اس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔ نہ تو علیین میں اسے دفن کیا جاتا ہے۔ اور نہ وہاں اسے پاؤں کی آہٹ سنائی دیتی ہے۔

۶۔ حضرت عمرو بن عاص نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ

فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزود ویقسم لحمھا حتّٰی استأنس بکم واعلم ماذا اراجع بہ رسل ربی ۔	حضرت عمرو بن عاص نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب مجھے دفن کر کے مٹی ڈال چکو تو میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ تاکہ میں تمہارے

(مشکوٰۃ صـ ۱۴۹) | ساتھ انس پکڑوں اور جان لوں کہ میرے رب کے بھیجے ہوئے کیسے لوٹتے ہیں۔ ۵

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کا عقیدہ یہی تھا کہ سوال و جواب اسی قبر میں ہوتا ہے جو زمین میں کھودی جاتی ہے۔ حضرت عمروؓ بن عاص کی وصیت کا مطلب یہ کون لے سکتا ہے کہ بیٹے کو کہہ رہے ہیں۔ علیین میں آکر میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا۔ یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ میت کو علم ہوتا ہے۔ وہ سنتا ہے۔ بولتا ہے اور سوال وجواب روح مع الجسم ہوتا ہے۔ علامہ ابن حجر نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے۔

وقد ثبت الاحادیث بما ذهب اليه الجمهور كقوله انه ليسمع خفق نعالهم وقوله تختلف اضلاعه لضمة القبر وقوله يسمع صوته اذ ضربه بالمطراق وقوله ليضرب بين اذنيه وقوله فيقعدانه و كل ذالك من صفات الاجسام ۱

احادیث سے وہی مذہب ثابت ہوتا ہے۔ جو جمہور نے اختیار کیا ہے۔ مثلاً فرمان نبوی ؐ کہ وہ ان کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہے اور تنگی قبر سے اس کی پسلیاں ٹوٹتی ہیں اور یہ کہ جب میت کو ہتھوڑوں سے مارتے ہیں تو اس کی آواز سنی جاتی ہے اور یہ کہ اس کے کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے اور یہ کہ اسے بٹھاتے ہیں۔ یہ سب جسم کی صفات میں سے ہیں۔

---

۵ حاشیہ:۔ عمروؓ بن عاص کی یہ وصیت اپنے بیٹوں کو کرنی کہ میرے گرداگرد کھڑے ہونا یہ بیٹے جس جسم کے بیٹے تھے اسی جسم کے ساتھ گرداگرد کھڑے ہوئے یا آپ کے جسم مثالی کے ساتھ؟ یہ جسم مثالی کے تو بیٹے نہ تھے بلکہ اس جسم عنصری سے پیدا ہوئے۔ معلوم ہوا کہ سوال وجواب، انس پکڑنا وغیرہ سب جسم عنصری کے ساتھ تھا جو دفن ہوا۔

جمہور کا یہی مذہب ہے کہ سوال وجواب اور عذاب وثواب روح معہ الجسم کو ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف احادیث سے ظاہر ہے یہ سب اوصاف جسم کے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ نے قبر میں قعود وجلوس میت کو قعود وجلوس باطنی پر محمول کیا ہے۔

لکن المقصود ان ماذکرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اقعاد المیت مطلقا ھو تناول لقعودھم بیواطنھم وان کان ظاھر البدن مضطجعاً ه

لیکن فرمان نبوی جو اقعاد میت سے متعلق ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ قعود باطنی کو شامل ہے اگرچہ ظاہر بدن لیٹا ہوا ہے۔

۷۔ عن زید بن ثابت قال بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حائط لبنی النجار علی بغلہ لہ ونحن معہ اذ حادت بہ فکادت تلقیہ واذا اقبر ستۃ - اوخمسۃ فقال من یعرف اصحاب ھذہ الاقبر قال رجل انا قال فمتی ماتوا قال فی الشرک فقال ان ھذہ الامۃ تبتلی فی قبورھا فلولا ان لا تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ جب حضور اپنے خچر پر سوار ہو کر بنی نجار کے باغ میں جا رہے تھے ہم آپ کے ساتھ تھے۔ اچانک خچر بدک گیا۔ قریب تھا کہ حضور کو گرا دیتا۔ وہاں پانچ چھ قبریں تھیں آپ نے فرمایا کوئی ان قبروں کے متعلق جانتا ہے؟ ایک آدمی نے کہا میں جانتا ہوں۔ فرمایا کب مرے عرض کیا حالت شرک میں۔ فرمایا یہ لوگ قبروں میں ابتلا میں پڑے ہیں۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں عذاب قبر سنا دیتا

القبر الذی اسمع منہ۔ | جو میں سن رہا ہوں۔

اس واقعہ کو سامنے رکھ کر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ قبریں علیین میں نہیں تھیں۔ خچر تو زمین پر چل رہا تھا۔ عذاب قبر سن کر بدک گیا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان قبروں کے پاس کھڑے تھے جو زمین میں کھودی گئی تھیں۔ اور حضورؐ نے انہی کے متعلق فرمایا کہ ان لوگوں کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بہائم کو عذاب کا شور سنائی دیتا ہے۔ گو اس کے متعلق صریح احادیث بھی موجود ہیں مثلاً:۔

۸۔ ویضرب بمطارق من حدید ضربۃ فیصیح صیحۃ یسمعھا من یلیہ غیر الثقلین (بخاری مع فتح الباری ۳: ۱۵۶)

اور (منافق کو) لوہے کے ہتھوڑوں سے مارا جاتا ہے۔ وہ زور سے چیختا ہے۔ اس کی چیخ جن اور انسان کے بغیر سب سنتے ہیں

امام مہلب نے لفظ یلیہ سے قرب وجوار کے ملائکہ مراد لیے ہیں ابن حجر نے اس کا رد کیا ہے۔

ولا وجہ لتخصیصہ بالملائکۃ فقد ثبت ان البھائم تسمعہ وفی حدیث البراء یسمعہ من بین المشرق والمغرب وفی حدیث ابی سعید عند احمد یسمع خلق اللہ کلھم غیر الثقلین وھذا یدخل فیہ الحیوان والجماد لکن،

اور ملائکہ سے مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ محقق ہو چکا ہے کہ معذب میت کی آواز چار پائے بھی سنتے ہیں۔ اور براء بن عازب کی حدیث میں ہے کہ مشرق سے مغرب تک سب سنتے ہیں۔ ابو سعید کی حدیث میں ہے کہ اس کی آواز تمام مخلوق سنتی ہے سوائے جن وانس کے۔ اور اس میں تو حیوان اور پتھر

يمكن ان يخص منه الجماد ويؤيده ان فى حديث ابى هريرة عند البزار يسمعه كل دابة الا الثقلين ○	بھی داخل ہیں۔ لیکن ممکن ہے پتھر کو مخصوص کیا جائے اور اس کی تائید، حدیث ابوہریرہ سے ہوتی ہے کہ اس کی آواز کو ہر جانور سن سکتا ہے۔ سوائے جن اور انسان کے۔

ظاہر ہے کہ حیوان زمین پر ہی چلتے پھرتے ہیں اور معذبین قبور کی آواز سنتے ہیں۔ بجین میں حیوان نہیں جاتے۔

۹۔ حضرت ابوایوب کی روایت ہے کہ۔

خرج النبى صلى الله عليه وسلم وقد وجبت الشمس فسمع صوتا فقال يهود يعذب فى قبورها۔ فقال اتسمع ما اسمع قلت الله ورسوله اعلم قال اسمع اصوات اليهود يعذبون فى قبورهم ○ (بخاری مع فتح الباری ۳: ۱۵۷)	حضور اکرم غروب آفتاب کے بعد باہر تشریف لے گئے۔ آپ نے آواز سنی۔ پھر فرمایا یہود کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ پھر (ابوایوب سے) فرمایا کیا تم سنتے ہو جو میں سنتا ہوں۔ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ میں یہود کی آوازیں سن رہا ہوں۔ انہیں اپنی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔

۱۰۔ عن ابن عباس ان النبى صلى الله عليه وسلم مر على قبرين فقال انهما ليعذبان وما يعذبان فى كبير اما هذا فكان لا يستتر	حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم دو قبروں کے پاس سے گزرے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ میں نہیں۔ ایک تو اپنے پیشاب

من بولہ واما ھذا یمشی بالنمیمۃ ہ

ترمذی (ص ۱:۱۱)

کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ اور دوسرا چغلخور تھا۔

۱۱۔ . . . ۔ ثم قال ان ھذہ القبور مملوءۃ ظلمۃ علی اھلھا وان اللہ ینورھا لھم بصلوتی علیھم :۔ (مشکوٰۃ ۱۴۵)

. . . پھر فرمایا یہ قبریں ظلمت سے بھری ہیں۔ اور میرے نماز جنازہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ انہیں منور کر دیتا ہے۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضورؐ کا گزر ان قبروں کے پاس ہوا جو زمین پر موجود تھیں۔ اور انہی کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ ان قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ صحابہ کے ہمراہ حضورؐ کا گزر معاذاللہ سجین پر ہوا اور وہاں آپ نے صحابہ کو بتایا کہ یہاں ان کو عذاب ہو رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ قبر محفورہ فی الارض میں نکیرین کے سوال وجواب اور اسی میں عذاب وثواب کے متعلق احادیث کثرت سے ہیں۔ ستر سے زائد احادیث متواتر ہیں۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ متواترات کا انکار کفر صریح ہے۔ علامہ سیوطی نے اسی حقیقت کو قول فیصل کی حیثیت سے بیان فرمایا ہے۔

وقد اطبق اھل السنۃ علی اعتبارہ ولم یخالف فیہ الا المعتزلہ فقالوا لایجوز ان تسمی الملائکۃ منکرو نکیرولم یلتفت اھل السنۃ الی قولھم اعتماداً علی ماجاء فی بعض طرق

اور اہل السنت والجماعت (عذاب و ثواب قبر اور سوال وجواب قبر) پر متفق ہیں۔ اس مسئلہ میں ان میں سے کوئی مخالف نہیں۔ ہاں معتزلہ مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ملائکہ کا نام منکر اور نکیر رکھنا جائز نہیں۔ اور اہل السنت نے ان کے اس قول کی طرف کوئی توجہ

الحديث الی غير ذلك من الزيادات الواقعة فی احادیث السؤال علی کثرتها۔ فانها اکثر من سبعین حدیثا مامن حدیث فیها الا وفیه زیادة لیست فی غیره فمن لم یقف الا علی حدیث واحد من سبعین حدیثا حقه ان یسکت مع الساکتین ولا یقدم علی رد الاحادیث والغائها (الحاوی للفتاوی ۲: ۳۳۹)

نہیں دی بوجہ اعتماد کر لینے کے ان احادیث پر جن میں بعض زیادات واقع ہو چکی ہیں۔ جو سوال کے متعلق کثرت سے وارد ہوئیں۔ وہ احادیث ستر سے زائد ہیں۔ ان میں کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں کوئی زیادتی نہ ہو جو دوسری حدیث میں نہیں ہے جو شخص ان ستر احادیث میں سے صرف ایک حدیث سے واقف ہو اس کا حق یہ ہے کہ وہ خاموش رہے۔ اور ان احادیث کو رد کرنے اور ان کو لغو ثابت کرنے کا اقدام نہ کرے۔

ہاں جسے چپ رہنا پسند نہ ہو وہ احادیث رسول ؐ کے رد میں اور ان کو معاذ اللہ لغو ثابت کرنے میں شوق سے منہمک رہے مگر اتنا ضرور کرے کہ اپنے آپ کو اہل السنت میں شمار کرنے کی غلطی نہ خود کرے نہ دوسروں کو دھوکا دے۔

ان تمام احادیث رسولِ خدا سے یہ ثابت ہوا کہ جس بدن انسانی کو غسل، کفن کے بعد قبر میں دفن کیا گیا ہے۔ وہی بدن ہے جس سے سوال و جواب ہوتا ہے۔ اسی بدن عنصری کو ثواب عذاب ہوتا ہے نہ جسم مثالی کو اور نہ نسمہ کو جو لوگ عذاب و ثواب جسم مثالی اور نسمہ کو دیتے ہیں۔ وہ سخت غلطی پر ہیں۔ نہ جسم مثالی کو نہ نسمہ کو غسل دیا گیا، نہ کفن دیا گیا اور نہ دفن کیا گیا اور نہ ہی عذاب ہوگا۔

علامہ ابن قیمؒ نے بھی اس بارے میں کثیر احادیث کی بناء پر یہی عقیدہ بیان فرمایا ہے۔

ونحن نثبت ما ذكرنا لا فاما احاديث عذاب القبر ومسالة منكر ونكير فكثيرة متواترة عن النبي صلى الله عليه وسلم۔

(كتاب الروح صـ ٦٤)

اور ہم ثابت کرتے ہیں اس حکم کو جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ جہاں تک عذاب قبر اور نکیرین کے سوال کا تعلق ہے تو ان کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کرمنت سے ہیں اور متواتر ہیں۔

فقہائے اہلسنت کے نزدیک قبر کا مفہوم

قرآن مجید کی آیات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ قبر اس گڑھے کو کہتے ہیں۔ جو زمین میں کھودا جاتا ہے۔ اور میت کو اس میں دفن کیا جاتا ہے۔ اب فقہائے کرام کی آرار پیش کی جاتی ہیں :۔

۱۔ يحفر القبر ويلحد ويدخل فيه مما يلي القبلة ويقول واضعه بسم الله وعلى ملة رسول الله صلى الله عليه وسلم ويوجه القبلة ويسوى اللبن والقصب ويسجى قبرها بثوب ولا قبره ويهال عليه التراب ويسنم القبر ولا يسطح ٥

(شرح وقایہ ۱ : ۲۵۷)

قبر کھودی جائے۔ لحد بنائی جائے۔ اور میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں داخل کیا جائے اور قبر میں رکھنے والا کہے بسم اللہ ... الخ میت کا منہ قبلہ کی طرف کیا جائے۔ لحد پر کچی اینٹیں اور سرکنڈا برابر کیا جائے اور عورت کی قبر پر ایک کپڑے سے پردہ کیا جائے مرد کی قبر کو نہیں اور قبر پر مٹی ڈالی جائے اور قبر کو کوہان کی طرح بنایا جائے اور مسطح نہ بنایا جائے۔

قبر کھودنا ، لحد بنانا - میت کو اس میں رکھنا - قبلہ رُخ کرنا - قبر پر کچی اینٹیں لگانا - اس پر مٹی ڈالنا اور اس کی شکل اونٹ کی کوہان کی طرح بنانا ایسے عمل ہیں جو علیین یا سجین میں نہ کوئی کر سکتا ہے - اور نہ کسی نے کیئے ہیں۔ ہاں کہیں ایسے انسان بستے ہوں جو یہ تمام اعمال علیین میں جاکر کرتے ہوں تو انہیں حق پہنچتا ہے کہ اس عقیدہ کی اشاعت کرتے پھریں کہ قبر سے مراد علیین اور سجین ہے - لیکن زمین پر چلنے پھرنے والے گوشت پوست کے، انسان ایسی ان ہونی باتیں بنانا شروع کر دیں تو ان کی دماغی حالت قابل رحم ہے -

قبر در حقیقت نام ہے اسی زمین میں کھودے ہوئے گڑھے کا ہاں، جو شخص جل جائے یا پانی میں غرق ہو جائے یا جانور کھا جائے وہ بہرحال زمین میں ہی رہے گا - جہاں اس کا جسم یا اجزائے جسم ورود کرکے قیام کریں گے وہ اس کی قبر ہوگی - پانی میں غرق ہوا تو زمین پر ہی رہے گا - درندہ کھا گیا تو وہ بھی مرکر زمین میں ہی رہے گا - آگ میں جل گیا تو بھی اجزائے بدن زمین پر رہیں گے جبھی تو اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ

الم نجعل الارض کفاتا احیاء و امواتا پ ۲۹ ع ۳۱

وقال منها خلقناکم وفیها نعیدکم ومنها نخرجکم تارۃ اخری پ ۱۶ ع ۱۱

کتاب و سنت اور فقہائے امت کے صریح فیصلوں کے ہوتے ہوئے اور کثرت سے موجود ہوتے ہوئے نہ جانے کچھ لوگوں کو کیسے جرأت ہوتی ہے کہ ایسے دعوے کر بیٹھتے ہیں جیسے :-

"صحیح حدیث کی رو سے قدرے بیان پیش احباب کرتا ہوں ... سوال جواب علیین یا سجین میں ہوتے ہیں اور وہ بھی صرف روح سے ،

نہ بدن سے ، اور علیین سجین ہی قبریں ہیں ۔" (شفاء الصدور صد ۳۶)
غور کرنے کا مقام ہے کہ کتاب و سنت کے صریح خلاف یہ نئی تحقیق کوئی کیوں کر تسلیم کرے ۔ اس انوکھی تحقیق میں بظاہر تین دعوے کئے گئے ہیں ۔ اوّل ۔ علیین سجین ہی قبریں ہیں ۔ دوم سوال و جواب علیین یا سجین میں ہوتے ہیں ۔ یہ دعویٰ دراصل پہلے دعویٰ کی فرع ہے ۔ جب جناب محقق نے قبر علیین یا سجین میں تسلیم کی تو ظاہر ہے کہ سوال و جواب بھی وہیں ہوں گے ۔ سوم ۔ سوال وجواب صرف روح سے ہوتے ہیں ۔
اور یہ دعوے بزعم خویش "صحیح حدیث کی رو سے" بیان فرمائے ۔
صحیح احادیث اور آیات قرآنی کے ذریعے یہ تو واضح کر دیا گیا ہے کہ قبر سے مراد وہی گڑھا ہے جو زمین میں کھودا جاتا ہے ۔ اور میت کو اس میں دفن کیا جاتا ہے ۔ تیسرے دعویٰ کے متعلق اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ پیش کر دینا ضروری ہے ۔ اب ہم ان محقق صاحب سے یہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں ۔ ذرا وہ صحیح حدیث پیش تو کریں ۔ جس کی بنیاد پر اتنا بڑا دعویٰ کرنے کی جسارت آپ نے فرما دی ۔ کہیں اس حدیث کا مصداق بننے کا شوق تو نہیں چرایا کہ من کذب علیّ متعمدا فلیتبوء مقعدہ من النّار ۔



ثواب و عذاب قبر

سوال وجواب اور عذاب وثواب قبر پر فقہا کی تصریح :۔

سوال وجواب قبر و عذاب قبر کے سلسلے میں فقہائے کرام نے یہاں تک صراحت فرما دی کہ :۔

والسوال فی القبریان مات ولم یدفن ایاما بان جعل فی التابوت لیحمل من مصر الی مصر اٰخر مالم یدفن، لایسئل - (خلاصۃ الفتاوی ۱: ۲۲۶)	جو شخص مرگیا اور اسے دفن نہیں کیا گیا بلکہ تابوت میں ایک شہر سے دوسرے شہر لے جایا گیا تو اس کا سوال قبر کا معاملہ مؤخر کیا جاتا ہے۔ جب تک دفن نہ کیا جائے سوال نہیں ہوتے ۔

میت سے سوال وجواب اس وقت ہوں گے جب دفن کیا جائے گا یعنی جب تک زمین میں جو اس کا ٹھکانا ہے قرار نہ پکڑے گا۔ سوال و جواب نہیں ہوں گے اور ظاہر ہے کہ سوال و جواب کے بعد ہی عذاب قبر شروع ہو گا۔ عذاب قبر کے عقیدہ کے متعلق فقہائے کرام نے جو وضاحت فرمائی اس کا مختصر بیان کر دینا ضروری ہے ۔

۱- وتکفیر من انکر الرؤیۃ والحوض والشفاعۃ وعذاب القبر (الفرق بین الفرق ص ۳۲۷)	احناف نے رویت باری تعالیٰ۔ حوض کوثر، شفاعت اور عذاب قبر کے منکر کی تکفیر ہے ۔

۲ - والمراد بالمبتدع من يعتقد شياء على خلاف ما يعتقده اهل السنة و الجماعة انما يجوز الاقتداء به مع الكراهة اذا لم يكن ما يعتقده يؤدى الى الكفر عند اهل السنة اما لوكان مؤديا الى الكفر فلا يجوز اصلاً كالغلات من الروافض الذين يدعون الالوهية لعلی رضؓ او ان النبوة كانت له فغلط جبرائیل ونحو ذلك مما هو كفر وكذا من يقذف الصديقة رضؓ او ينكر صحبة الصديق او خلافته اولیسب الشیخین و کالجهمية والقدرية والمشبهة القائلين بانه تعالى جسم كالاجسام ومن ينكر الشفاعة او الروية او عذاب القبر او الكرام الكاتبين ۰۰ وان كان

اور بدعتی سے مراد وہ شخص ہے جو اہل سنت کے خلاف عقیدہ رکھے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے اگر اس کا عقیدہ کفر تک نہ پہنچا ہو۔ اور جب اس کا عقیدہ کفر تک پہنچ جائے تو نماز ہرگز جائز نہ ہوگی۔ مثلاً غالی رافضی جو حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل ہو یا اس بات کا قائل ہو کہ نبوت تو حضرت علیؓ کا حق تھا۔ جبرائیل نے غلطی کی۔ اور اسی طرح جو حضرت عائشہ پر تہمت لگائے یا صدیق اکبرؓ کے صحابی ہونے کا منکر ہو۔ یا ان کی خلافت کا منکر ہو یا شیخین کو گالیاں دے۔ اور فرقہ جہمیہ اور قدریہ اور مشبہہ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجسم ہے جیسے دوسرے اجسام ہیں۔ اور وہ شخص جو شفاعت کا انکار کرے یا رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو یا عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا منکر ہو۔

اور یہ محقق ہو چکا ہے کہ انکار رویت باری تعالیٰ اور انکار عذاب قبر کفر ہے۔

ماذهب اليه عند التحقيق فى
حد ذاته كفر المنكر الروية
وعذاب القبر (كبيرى ص۲۴۶)

اب منکرین عذاب قبر اپنے متعلق سوچ لیں کہ وہ اپنے آپ کو کس منہ سے اہل سنت والجماعت میں شامل کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔

۳۔ ولا یجوز الصلوٰۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وینکر کرام الکاتبین وعذاب القبر وکذا من ینکر الروٗیۃ لانہ کافر۔ (خلاصہ الفتادی ۱ : ۱۴۹)

اور جو شخص شفاعت رسول کا انکار کرے کراماً کاتبین اور عذاب قبر کا انکار کرے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں اسی طرح جو رویت کا منکر ہو اس کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں کیونکہ وہ کافر ہے۔

۴۔ عذاب قبر کا عقیدہ رکھنا ضروریات دین سے ہے

بریقۃ محمودیہ (۱ : ۲۲۹)

ومن التصریح ان أحادیث عذاب القبر بالغۃ الی حد التواتر المعنوی وایضا قالوا بان عذاب القبر حق بالاجماع مستند ابالکتاب والسنۃ قبل ظهور المخالف فلا یضر وقوع الخلاف لتقرر الاجماع اذ الاختلاف الاحق لا یضر،

اور صاف بات یہ ہے کہ عذاب قبر کی احادیث تواتر معنوی تک پہنچ چکی ہیں اور کہا کہ عذاب قبر بالاجماع حق ہے۔ یہ مسئلہ مخالفت کے ظہور سے پہلے کتاب وسنت سے مستند ہو چکا ہے اس لیے بعد کا خلاف مضر نہ ہوگا۔ بوجہ تقرر اجماع کے کیونکہ اختلاف لاحق۔ اجماع سابق

الاجماع السابق بل نفس الخلاف ساقط لكونه خرقا للاجماع وخرق الاجماع باطل فاقول والذی تقتضیہ القاعدۃ هو کفر انکار عذاب القبر علی انه لا یبعد ان یکون من قبیل الضروریات الدین۔

کو نقصان نہیں دے سکتا بلکہ اختلاف ساقط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اختلاف خارق اجماع ہے اور خرق اجماع باطل ہے۔ پس قانون کا تقاضا یہ ہے کہ عذاب قبر کا انکار کفر ہے۔ بعید نہیں کہ عذاب قبر کا مسئلہ ضروریات دین سے ہو۔

۵۔ عذاب قبر کا عقیدہ رکھنا ضروریات دین سے ہے اور ضروریات دین میں تاویل کر کے اصل کو ہی مسخ کر دینا ناقابل التفات ہے۔

ولا تجوز الصلوۃ خلف من انکر بعض ما علم من ضرورۃ لکفرہ ولا یلتفت الی تاویله واجتهادہ۔

(طحطاوی ۱: ۱۷۶)

اس کے پیچھے نماز جائز نہیں جو بعض ضروریات دین کا انکار کرے اور یہ بوجہ اس کے کفر کے ہے۔ اور اس کی تاویل اور اجتہاد کی طرف مطلق توجہ نہ دی جائے۔

۶۔ علامہ شامی نے منکرین عذاب قبر کو معتزلہ میں شمار کیا ہے۔

وجهل المبتدع کالمعتزلۃ مانعی ثبوت الصفات الزائدۃ وعذاب القبر والشفاعۃ۔

(شامی ۱: ۴۱۵)

اور معتزلہ بتدعین کی جہالت ہے کہ ثبوت زائدہ صفات باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور عذاب قبر اور شفاعت کے منکر ہیں۔

۷۔ بریقہ محمودیہ ۱: ۲۷۴

ثم انه هل یکفر جاحد عذاب القبر ففی بعض الفتاوی کالتاتارخانیه یکفر وفی

پھر یہ کہ کیا عذاب قبر کا منکر کافر ہے؟ بعض فتاوی مثلاً تاتارخانیہ میں ہے کہ کافر ہے اور بعض میں

بجحدها لا یکفر وھو مشکل مع دعوی التواتر احادیثھا کما سبق الاشارۃ الیہ قال الدوانی الاحادیث الصحاح ھنا بالغۃ الی التواتر المعنوی۔	ہے کہ کافر نہ ہوگا مگر یہ عدم کفر کا فیصلہ مشکل ہے۔ جبکہ تواتر احادیث کا دعویٰ بھی کیا جائے جیساکہ اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اور دوانی نے کہا ہے کہ عذاب قبر کی احادیث صحیحہ تواتر معنوی تک پہنچ چکی ہیں۔

۸۔ ابوالشکور السالمی۔نے تمہید : ۱۲۵ پر فرمایا۔

فاما عذاب القبر للمومنین من الجائزات وللکافرین من الواجبات واللہ تعالیٰ یقول النار یعرضون علیھا غدوا و عشیا یعنی فرعون وقومہ دل انہ کان صحیحا فی ای موضع وعلی ای حال ومن انکر ھذا فھو یصیر کافرہ	جہاں تک عذاب قبر کا مسئلہ ہے۔ مومن کے لیے جائز اور کافر کے لیے واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ النار یعرضون علیھا الخ۔ یعنی عذاب نار فرعون اور قوم فرعون کو صبح وشام ہوتا ہے۔ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عذاب ہوتا ہے۔ جہاں ہوں جس حال میں ہوں۔ اور جو شخص اس کا انکار کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

۹۔ مولانا عبدالعلی بحرالعلوم فرماتے ہیں :۔

منکر الشفاعۃ لاھل الکبائر والرویۃ وعذاب القبر ومنکر کراما الکاتبین کافر (رسائل ص ۹۹)	اہل کبائر کے لیے شفاعت کا منکر رویت عذاب قبر، اور کراماً کاتبین کا منکر کافر ہے۔

۱۰۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں :۔

فاعلموا ایھا الاخوان	برادران من خوب سمجھ لو کہ عذاب قبر

ان عذاب القبر ونعيمه حق كما صحت به الاحاديث الصحيحة ولكن الله تعالیٰ یأخذ بابصار الخلائق واسماعهم من الجن والانس عن روية عذاب القبر لحكمة الهية ومن شك فی ذلك فهو ملحد (تذکرہ ۳۹)

اور اس کی نعمتیں حق ہیں۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ تصریح کرتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ حکمت الہیہ کے تحت مخلوق کی آنکھوں اور کانوں کو عذاب قبر دیکھنے اور سننے سے باز رکھتا ہے۔ جو شخص شک کرے وہ ملحد ہے۔

۱۱۔ صاحب بریقہ فرماتے ہیں کہ منکر عذاب قبر سے توبہ کرائی جائے ورنہ

والا فهو خارج عند نامن الدين فلا يصلى عليه ولا تتبع جنازته لماينه موانستهم ونحن مامورون بمقاطعتهم ومعاداتهم (بریقہ ۱: ۲۴۳)

ہمارے نزدیک وہ دین سے خارج ہے اس لیے اس کے جنازہ میں شریک نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں انس ثابت ہوتا ہے اور ہمیں ایسے لوگوں سے مقاطعہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۲۔ رئیس الفقہا و راس المحققین حافظ ابن الہمام فرماتے ہیں :۔

ولا تجوز الصلوٰة خلف منكر الشفاعة والروية وعذاب القبر والكرام الكاتبين لانه كافر لتوارث هذه الامور عن الشارع صلی اللہ علیہ وسلم۔

شفاعت، رویت، عذاب قبر اور کراماً کاتبین کے منکر کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ وہ کافر ہے ان امور کا انکار کرتا ہے۔ جو بطور تواتر اور توارث کے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہیں۔

۱۳۔ کوکب دری جلد اول صد ۳۲۵

قال اهل السنة والجماعة عذاب القبر حق وسوال منكر ونكير حق وضغطة القبر حق لكن ان كان كافرا فعذابه يدوم الى يوم القيامة ويرفع عنه يوم الجمعة وشهر رمضان فيعذب اللحم متصلا بالروح والروح متصلا بالجسم فيتالم الروح مع الجسد وان كان خارجا منه۔

اہل السنت والجماعت نے کہا کہ عذاب قبر حق ہے۔ سوال وجواب نکیرین حق ہے اور قبر کی تنگی حق ہے لیکن کافر کو عذاب دائمی ہوتا ہے اور جمعہ کے روز اور ماہ رمضان میں عذاب اٹھ جاتا ہے۔ پس عذاب گوشت کو ہوتا ہے۔ جبکہ روح اس سے متصل ہوتی ہے۔ پس عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ اگرچہ روح بدن سے باہر ہو۔

اہل السنت والجماعت کے فقہائے کرام کا حاصل تحقیق پیش کر دیا گیا۔ اس سے اہل سنت کا عقیدہ واضح ہو گیا۔ ہمارے جدید محققین جو بتکلف اپنے آپ کو اہل سنت میں شامل سمجھتے ہیں۔ مگر جمہور کی مخالفت کرنا مقصد زندگی بھی سمجھتے ہیں۔ مگر سادگی و پرکاری ملاحظہ ہو کہ فرماتے ہیں کہ وہ ہم عذاب وثواب قبر کے منکر نہیں۔ مگر عذاب وثواب سجین وعلیین میں ہوتا ہے اور قبر میں میت کو اگر عذاب وثواب بوجہ حیات بسیط کے ہو تو ممکن ہے۔"

یہ اگر اور ممکن آخر کیا معنی رکھتا ہے۔ جب صحیح اور متواترہ احادیث کی رو سے عذاب وثواب قبر کا عقیدہ ضروریات دین سے ہے تو یہ اگر اور ممکن کا تکلف کیوں؟ سجین اور علیین دفتر اعمال ہیں۔ قرآن نے سجین کو سجین اور علیین کو علیین فرمایا ہے۔ قبر کو نہ سجین فرمایا ہے نہ علیین۔

بلکہ قرآن مجید، احادیث نبوی اور فقہائے اہل السنت کی تصریح گزر چکی ہے کہ قبر سے مراد یہی گڑھا ہے جس کا محل زمین ہی ہے۔ تو عذاب و ثواب قبر بھی اسی گڑھے سے متعلق ہے۔

مانا! کہ آپ سجین و علیین میں عذاب و ثواب کے قائل ہیں۔ قبر کے عذاب و ثواب کے تو منکر ہی ہیں۔ اور اس انکار کو آپ "اگر" اور "ممکن" کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کیوں فرماتے ہیں۔ صاف فرمادیں کہ ہم عذاب و ثواب قبر کو نہیں مانتے ہیں۔ آخر معتزلہ، کرامیہ اور صالحیہ بھی تو اتنی جرأت دکھا گئے ہیں۔

عذاب و ثواب قبر کے متعلق اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ

عذاب و ثواب قبر کے متعلق اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ملاحظہ ہو:۔

۱۔ تفسیر مظہری ۸، ۷۷:۔

وانعقد الاجماع علی ان عذاب القبر علی الروح والجسد معاہ

امت برحق کا اجماعی عقیدہ ہے کہ عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

۲۔ کتاب الروح صد۶۲:۔

وقد سئل شیخ الاسلام عن ھذہ المسئلۃ ونحن نذکر لفظ جوابہ فقال بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعا۔

اس مسئلہ کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سوال کیا گیا اور ہم ان کے الفاظ بیان کرتے ہیں کہ فرمایا کہ عذاب اور نعمتیں روح اور بدن، دونوں کے لیے ہیں۔

۳۔ ایضاً صد۶۳ ان مذھب سلف

سلف صالحین اور ائمۂ دین کا مذہب یہ

الامة وامتحانات الميت اذا مات يكون في نعيم او عذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه

ہے کہ بعد موت میت یا راحت میں ہے۔ یا عذاب میں اور یہ دونوں، (عذاب وثواب) روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

۴۔ ایضاً ص۶۶ :- وهذا بيّن في اتيان العذاب على الروح والبدن مجتمعين۔

اور یہ ظاہر ہے کہ عذاب روح اور بدن دونوں پر اکٹھا ہوتا ہے۔

۵۔ شرح الصدور ص۹۴ :- وفي القبور ليشترك الروح والجسد اى في العذاب۔

اور قبروں میں روح اور جسم عذاب میں شریک ہیں۔

۶۔ شرح عقيدة الطحاوى ص۳۳۰ وكذلك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعا، باتفاق اهل السنة والجماعة۔

اسی طرح عذاب قبر روح اور جسم دونوں کے لیے اکٹھا ہے۔ اس پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے

۷۔ کتاب الروح ص۱۰۸ :- والظاهر والله اعلم ان كل نبي مع امته كذلك وانهم معذبون في قبورهم بعد السؤال لهم و اقامة الحجة عليهم كما يعذبون في الآخرة بعد السؤال واقامة الحجة ٥

ظاہر تو یہ ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہر نبی (سوال وجواب) میں اپنی امت کے ہمراہ ہوگا۔ اور سوال کے بعد وہ اپنی قبروں میں معذب ہوں گے۔ جب حجت قائم ہو جائے گی۔ جس طرح آخرت میں بعد سوال اور اقامت حجت معذب ہوں گے۔

۸۔ ایضاً ص۱۴۲ :- والسنة الصريحة

اور سنت صریح اور متواتر ان دونوں

المتواترة ترد قول هؤلاء وهؤلاء وتبين ان العذاب على الروح والجسد مجتمعين و منفردين ۔

کے قول کو رد کرتی ہے (جو صرف روح کے عذاب کے قائل ہیں اور جو صرف بدن کے عذاب کے قائل ہیں) اور ظاہر ہے کہ عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ خواہ اکٹھے ہوں خواہ منفرد ہوں۔

۹۔ شفاء السقام صہ ۱۹۴:۔

ان عذاب القبر ونعیمه للجسد والروح جمیعا ۔

عذاب قبر اور قبر کی راحتیں جسم اور روح دونوں کے لیے ہیں۔

اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ اجمالی طور پر پیش کیا گیا ہے۔

عذاب و ثواب قبر کے متعلق فرق باطلہ کے عقائد

اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ بیان ہو چکا ہے کہ قبر سے مراد زمینی گڑھا ہے۔ سوال و جواب اسی قبر میں ہوتے ہیں اور عذاب و ثواب قبر روح مع الجسم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اہل باطل نے مختلف عقائد کا اعلان اور پرچار کیا ہے۔ ان کی کچھ تفصیل دی جاتی ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو لوگ عقائد تو اہل باطل کے رکھتے ہیں مگر اپنے آپ کو اہل السنت ظاہر کرتے ہیں۔ وہ اپنے رویے پر نظر ثانی کر کے خود فریبی سے بچ جائیں اور اللہ کے بندوں کو گمراہ نہ کریں۔

۱۔ عذاب و ثواب قبر کا مطلق انکار

یہ عقیدہ ضرار بن عمرو بشر المریسی اور متاخرین معتزلہ کا ہے:۔

وانکرہ مطلقاضرار بن عمرو وبشر المریسی واکثر المتاُخرین من المعتزلۃ (شرح مواقف ص۱۵)

ضرار بن عمرو، بشر مریسی اور اکثر متاخرین معتزلہ نے عذاب قبر کا انکار کیا ہے۔

وانکر جماعۃ منہم عذاب القبر راسًا مثل ضرار ویحییٰ بن کامل وھو قول المریسی فھذہ اقوال اھل الحیرت والضلال (کتاب الروح ص۱۰۱)

اور ایک جماعت نے عذاب قبر کا بالکل انکار کر دیا۔ مثلاً ضرار یحییٰ بن کامل اور بشیر المریسی۔ پس یہ اقوال اہل حیرت اور اہل ضلال کے ہیں۔

۲۔ عذاب قبر صرف کفار کے لیے ہے

یہ عقیدہ جبائی، اس کے بیٹے اور بلخی کا ہے۔

واثبت الجبائی وابنہ والبلخی عذاب القبر ونفوہ عن المؤمنین واثبتوہ لاصحاب التخلید من الکفار والفساق علی اھوائھم۔

جبائی اور اس کے بیٹے اور بلخی نے عذاب قبر کا اقرار تو کیا ہے۔ مگر مومنوں کے لیے نفی کر دی ہے۔ اور عذاب قبر کو کفار یا فساق کے لیے ثابت کیا ہے جو ان کے عقیدہ کے مطابق ہمیشہ کے لیے جہنمی ہیں۔

۳۔ سوال وجواب اور عذاب و ثواب دو نفخوں کے درمیان ہوں گے:۔

یہ عقیدہ ابوالھذیل اور مریسی کا ہے:۔

واما اقوال اھل البدع والضلال فقال ابوالھذیل والمریسی عن،

رہا اہل بدعت اور اہل ضلال کے اقوال کا سوال تو ابوالہذیل اور مریسی نے کہا

خرج عن سمة الایمان فانه یعذب بین النفختین والمسئلة القبر انما تقع فی ذالک الوقت (کتاب الروح صے)

کہ جو شخص ایمان سے نکل چکا ہے۔ اس کو دو نفخوں کے درمیان عذاب ہوگا۔ اور سوال و جواب قبر بھی اس سے دو نفخوں کے درمیان ہی ہوں گے۔

(اور فتح الباری ۳ : ۱۵۳) :-
وذهب الهذيل ومن تبعه الى ان الميت لا يشعر بالتعذيب ولا بغيره الا بين النفختين قالوا حاله كحال النائم والمغشى عليه لا يحس بالضرب ولا بغيره الا بعد الافاقة۔ والاحاديث الثابتة فى السوال حالة تولى اصحاب الميت منه ترد عليهم

الہذیل اور اس کے اتباع کا عقیدہ یہ ہے کہ میت کو عذاب و ثواب کا شعور صرف دو نفخوں کے درمیان ہوگا وہ کہتے ہیں کہ اس کی حالت ایک محو خواب یا بیہوش آدمی کی سی ہے - اسے مار پیٹ کا احساس نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ حالت خواب یا بیہوشی سے نکل آئے - ابن حجر فرماتے ہیں کہ وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا کہ سوال اس وقت ہوتا ہے۔ جب میت کے ساتھی اسے دفن کر کے لوٹ رہے ہوتے ہیں یہ احادیث اہل ضلال کے اقوال کی تردید کرتی ہیں -

ہر بدن کو عذاب تو ہوتا ہے مگر حیات بسیط سے

جو بغیر اعادہ روح اور بغیر انفصال روح کے ہوتا ہے۔ یعنی بدن انسانی ایک پتھر کی طرح ہوتا ہے -

یہ عقیدہ کرامیہ، صالحیہ اور صالح قبہ کا ہے۔

وقال الصالحی وصالح قبہ عذاب القبر یجری علی المؤمن من غیر رد الارواح الی الاجساد والمیت یجوز ان یالم و یحس ویعلم بلا روح وھذا قول جماعۃ من الکرامیۃ	صالحی اور صالح قبہ نے کہا کہ عذاب قبر مومن کو ہوتا ہے مگر روح کو جسم میں لوٹائے بغیر ہوتا ہے۔ اور میت کے لیے جائز ہے کہ روح کے بغیر الم کو محسوس کرے اور یہی قول کرامیہ کی ایک جماعت کا بھی ہے۔

(کتاب الروح صہ ۷۱)

یہاں نئی تحقیق کا ماحصل بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا وہاں بات کرامیہ کی ہے اور اپنا عقیدہ بنا کر وہ حضرات پیش کر رہے ہیں جو اپنے آپ کو خالص اہلسنت والجماعت کہتے ہیں۔

(۱) ”باقی اس جسم عنصری کی صورت نوعیہ بعد از موت ختم ہو جاتی ہے حیات ترکیبی ختم ہونے کے بعد اگر باری تعالیٰ اس کو حیات بسیط کے ساتھ عذاب دیں تو کچھ بعید نہیں“ (اقوال مرضیہ صہ ۵۲)

(۲) ”ہاں کبھی کبھی مرنے کے بعد اس جسد عنصری پر بھی ثواب و عذاب کے آثار نمایاں ہوتے ہیں بندوں کی عبرت و رغبت کے لیے اور اس کو عالم مثال میں بغیر تعلق روح کے حیات بسیط کے ساتھ عذاب و ثواب ہوتا ہے“ (اقوال مرضیہ صہ ۵۵)

کیا ہی اچھا ہوتا کہ صاحب اقوال مرضیہ فرما دیتے کہ وہ کرامیہ اور صالحیہ کے عقائد رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہر شخص کو آزادی ہے۔ جو عقیدہ پسند کرے اپنا لے مگر سادہ لوح عوام کو دھوکا دینا تو موزوں نہیں۔

۵۔ سوال و جواب اور عذاب و ثواب قبر صرف بدن کو ہوتا ہے:۔

یہ عقیدہ ابن جریر اور کرامیہ کی ایک جماعت کا ہے۔

وقد اخذ ابن جریر وجماعۃ من الکرامیۃ من ھذہ القصۃ ——— ان السؤال فی القبر یقع علی البدن فقط ۔

ابن جریر اور کرامیہ کی ایک جماعت نے قلیب بدر کے قصہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ قبر میں سوال صرف بدن سے ہوتا ہے۔
(یہ ابن جریر کرامی ہے۔ امام ابن جریر مفسر نہیں)

علامہ ابن تیمیہ نے اس کی تردید فرمائی ہے۔

مع سائر الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن اذ المسئلۃ للبدن بلا روح قول قالہ طائفۃ من الناس وانکرہ الجمہور۔
(شرح حدیث النزول صد ۸۲)

باوجودیکہ احادیث صحیح متواترہ عود روح الی الجسد پر دلالت کرتی ہیں۔ مگر ایک جماعت پھر بھی کہتی ہے کہ سوال و جواب بدن بلا روح سے ہوتے ہیں۔ جمہور نے ان کے قول کا انکار کیا ہے۔

۶۔ عذاب و ثواب صرف روح کو ہوتا ہے۔

یہ عقیدہ ابن ہبیرہ، ابن میسرہ اور ابن حزم ظاہری کا ہے۔

قول من یقول ان النعیم والعذاب لا یکون الا علی الارواح

اور یہ قول کہ عذاب و راحت صرف روح کے لیے ہے بدن کو نہ عذاب

وان البدن لاینعم ولا یعذب۔ وھذا لقوله الفلاسفة — المنکرون لمعاد الابدان وھولاء کفار باجماع المسلمین (کتاب الروح صہ ۶۲)

ہے نہ راحت اور یہ قول ان فلاسفہ کا ہے جو حشر جسمانی کے منکر ہیں اور مسلمانوں نے بالاتفاق ان کو کافر قرار دیا ہے۔

ذھب ابن حزم وابن ھبیرة الی ان السؤال یقع علی الروح فقط من غیر عود الروح الی الجسد وخالفھم الجمھور۔ (فتح الباری ۳ : ۱۵۲)

ابن حزم اور ابن ہبیرہ کا عقیدہ ہے کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور روح جسد میں لوٹائی نہیں جاتی۔ مگر جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے۔

۷۔ عذاب وثواب نہ بدن کو ہوتا ہے نہ رُوح کو

یہ عقیدہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں کا ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جو نمبر۲ پر ضرار بن عمرو۔ بشیر المریسی اور متاخرین معتزلہ کا بیان ہو چکا ہے۔

جواہر القرآن ۲ : ۹۰۴ :-

فالقول الثابت ان اجزاء البدن من المیت لاسماع لھا ولاشعور ولا فرح ولا سرور فی البرزخ ہ

جواھر القرآن ۲ : ۹۰۵ :-

صحیح قول یہ ہے کہ میت کے اجزائے بدن نہ سنتے ہیں نہ ان میں شعور ہوتا ہے۔ اور نہ عالم برزخ میں فرحت اور سرور ہوتا ہے۔

حضرت مولانا شیخ القرآن کی تحقیق

"شیخ قدس سرہ کی تحقیق یہ ہے کہ برزخ میں لذت والم اور سرور

عذاب روح کو ہرگز نہیں ہوتا۔ روح ایک ایسی چیز ہے جو احساس الم سے ماوراء ہے اسے تکلیف تو کسی حال میں نہیں ہوتی البتہ اسے لذت وسرور کا احساس ضرور ہوتا ہے۔"

۱۔ اگر یہ شیخ کی تحقیق ہوتی تو ماخذ ضرور بیان کیا جاتا۔ اس لیے شیخ سے مراد شیخ القرآن خود ہی ہو سکتے ہیں۔

۲۔ بیان میں تضاد ظاہر ہے۔ پہلے جملے میں ہے لذت وسرور کا احساس ہرگز نہیں ہوتا۔ دوسرے جملے میں ہے لذت و سرور کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ عبارت سے تضاد رفع نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ان کے عام رویہ سے مطابق پہلا قول راجح ہوگا کہ روح کو عذاب وثواب کا احساس نہیں ہوتا۔

دونوں تحقیقوں کو ملا کر نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب وثواب برزخ نہ روح کو ہوتا ہے نہ جسم کو۔

علامہ ابن قیمؒ اور ابن حجرؒ کی تحقیق اور وضاحت

علامہ ابن قیم اور علامہ ابن حجر نے ان حقائق کی وضاحت فرمائی ہے :۔

۱۔ ابن ہبیرہ اور ابن حزم کا عقیدہ ہے کہ سوال صرف روح سے ہوتے ہیں جسم میں عود روح نہیں ہوتا اور جمہور نے اس کی مخالفت کی ہے۔

۲۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عذاب وثواب روح کو ہوتا ہے وہ معاد ابدان کے منکر ہیں۔ اور بالاجماع اسلام سے خارج ہیں۔

اب ذرا ان عبارتوں پر غور کیجیے :۔

۱۔ احادیث میں عذاب وثواب کے واقعات اکثر جو آتے ہیں۔ اس سے روح کے عذاب وثواب کو بتایا گیا ہے (شفاء الصدور صہ۳۶)

۲- جس سے نکیرین سوال بھی کرتے ہیں دراصل وہ روح کی قبر ہے۔
(شفاء الصدور صـ۳۶)

۳- نکیرین کے سوال و جواب روح سے علیین سجین میں ہوتے ہیں نہ اس قبر میں (اقوال مرضیہ صـ۲۲)

جو عقیدہ انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کردے اسے شفاء الصدور کا نسخہ کہا جائے اور جس قول کو جمہور بالاجماع مردود قرار دیں اسے اقوال مرضیہ میں شمار کیا جائے۔ ع

اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

علامہ ابن قیمؒ نے ان تمام متبعین ھوی کے متعلق فرمایا ہے کہ

فجمیع ھؤلاء الطوائف ضلال فی امر البرزخ۔	یہ تمام مذاہب برزخ کے معاملے میں بھٹکے ہوئے ہیں۔

(کتاب الروح صـ۶۳)

اس باب میں جن عقیدوں کا بیان ہوا ہے بالاجماع سب باطل ہیں:-

اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ

اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے:-

۱- قبر وہی ہے جو انسان اپنے ہاتھوں سے اس زمین میں کھودتے ہیں اور میت کا بدن جہاں قرار پکڑتا ہے۔

۲- نکیرین کے سوال اسی زمینی گڑھے میں ہوتے ہیں۔

۳- عذاب و ثواب قبر اسی گڑھے میں ہوتا ہے اور جسم اور روح دونوں کو، ہوتا ہے۔

۴- علیین و سجین کی حدود اسی گڑھے سے شروع ہوتی ہیں۔

سوال:- اگر یہ امور تسلیم کئے جائیں تو متعدد حدیثوں کا انکار کرنا پڑتا

ہے مثلاً جانور کھا جائے یا جل جائے یا پانی میں غرق ہو جائے تو ان صورتوں میں میت کے لیے قبر کھودی ہی نہیں گئی تو پھر اس قبر میں عذاب و ثواب کیسا؟

الجواب: ۔ اس اشکال کا اجمالی جواب تو گزشتہ باب میں دیا جا چکا ہے۔ مگر اب تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ جانور کے کھا جانے کا واقعہ :۔ قال اللہ تعالیٰ

ولولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہ الی یوم یبعثون (پ ۲۳ ع ۹)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جب تک جانور زندہ ہے اس کا بطن ہی قبر ہے۔ اور جانور مرنے کے بعد زمین پر ہی قرار پکڑے گا اور وہی قبر ہو گی جو لازماً زمین پر ہی ہو گی۔

۲۔ آگ میں جل جانے کا واقعہ :۔

بخاری اور مسلم میں ایک واقعہ موجود ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرا جسم جلا دینا۔ نصف راکھ خشکی پر بکھیر دینا اور نصف سمندر میں پھینک دینا۔

فلما حضرہ الموت اوصی بنیہ اذا مات فحرقوہ ثم اذروا نصفہ فی البر و نصفہ فی البحر الی ان قال فامر اللہ البحر فجمع ما فیہ وامر البر فجمع ما فیہ ثم قال لہ لم فعلت ھذا قال من خشیتک یارب (مشکوۃ ص ۲۰۶)

جب اس کی موت کا وقت آیا اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب وہ مر جائے تو اسے جلا دینا اس کی راکھ آدھی تو خشکی پر اڑا دینا آدھی سمندر میں، پھینک دینا۔ . . . پھر اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا اور اس کی راکھ جمع ہوئی پھر خشکی پر کی راکھ اکٹھی ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے اسے

فرمایا تو نے یہ سب کچھ کیوں کیا - اس نے کہا اے میرے پروردگار تیرے ڈر سے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ بحر وبر سے راکھ جمع ہوئی بحکم رب العالمین - پھر اس بدن سے جو جمع شدہ راکھ سے بنا تھا روح کا تعلق قائم کیا گیا پھر روح مع البدن سے سوال کیا گیا - اگر سوال علیین یا سجین میں ہوتا ہے اور صرف روح سے ہوتا ہے تو راکھ کے ذرات کو جمع کرنے کا تکلف کرنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔

۳ - ماکلم اللہ احدا قط الا من وراء حجاب - واحیاء اباک فکلمہ کفاحا فقال یا عبدی تمن علی اعطیتک قال یارب تحیینی فاقتل فیک ثانیۃ - یا جابر (ترمذی ۲: ۱۲۵)

(اے جابر) اللہ تعالیٰ نے کسی بندے سے بالمشافہ گفتگو نہیں کی - اگر کی تو پس پردہ - اور تیرے باپ کو اللہ نے زندہ کیا پھر بالمشافہ کلام کیا اور فرمایا اے میرے بندے مانگ جو مانگتا ہے۔ میں تمہیں دوں گا - عرض کیا اے میرے رب مجھے زندہ کر تاکہ پھر تیری راہ میں جان دوں -

احیا اباک سے ظاہر ہے کہ کسے زندہ کیا - روح تو زندہ تھی - جسم کا تعلق روح سے قائم کیا پھر بالمشافہ گفتگو ہوئی - یعنی اعادۂ روح ، برزخ میں کلام روح مع الجسم ثابت ہوا مگر کلام کرنے کے لیے سماع فہم وادراک اور حیات شرط ہے - تو تو یہ سب امور ثابت ہیں -

۴ - پانی میں غرق ہونے کا واقعہ :- قال اللہ تعالیٰ اغرقوا فادخلوا نارا (پ ۲۹ ۔ ع ۱)

فادخلوا میں "فا" تعقیب بلا مہلت کے لیے ہے - جوں ہی پانی میں غرق ہوئے آگ میں داخل کیے گئے - اور ظاہر ہے پانی میں روح غرق

نہیں کئے گئے تھے بلکہ جسم غرق کیے گئے تھے۔ تو جو غرق ہوئے وہی آگ میں بھی جھونکے گئے اور یہ سارا معاملہ وہیں ہوا جہاں غرق کیے گئے۔ سجین میں تو غرق نہیں کیے گئے تھے کہ وہاں ان سے یہ معاملہ ہو۔ اور جسم سجین میں غرق کیونکر ہوئے یعنی یہی زمین ان کی قبر بنی اسی میں عذاب روح مع الجسم کو دیا گیا۔

۵۔ وقال تعالیٰ وحاق بآل فرعون سوء العذاب (پ۲۴ ع۱۰) النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا۔ ویوم تقوم الساعۃ۔ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب ○

فرعونی بھی اسی بحر قلزم میں غرق ہوئے جو زمین پر موجود تھا اور اب بھی ہے۔ غرق ہونے کے بعد زمین ہی ان کے لیے قبر بنی۔ صبح و شام دوام واستمرار کے لیے ہے۔ مگر صبح شام کا تعلق زمین ہی سے ہے۔ سجین میں صبح و شام نہیں۔

حافظ ابن کثیر نے اس آیت پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا :۔

وھذہ الآیۃ اصل کبیر فی استدلال اھل السنۃ علی عذاب البرزخ فی القبر۔	یہ آیت قبر میں عذاب برزخ کے بارے میں اہلسنت کے استدلال کی بہت بڑی بنیاد اور اصل ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ۴)

قرآن و سنت سے ثابت ہو گیا کہ آدمی خواہ جل جائے۔ غرق ہو جائے جانور کھا جائے۔ اس کے بدن کے اجزاء منتشر ہو جائیں۔ ہر حال میں زمین ہی اس کی قبر ہو گی۔

اور سوال وجواب اسی قبر میں ہوتے ہیں جہاں میت کا جسم یا اس کے اجزاء قرار پکڑتے ہیں۔ اور سوال وجواب روح مع الجسم سے ہوتا

ہے۔ یعنی بعد اعادۂ روح الی الجسد۔ اور ثواب و عذاب اسی قبر میں ہوتا ہے۔ اور روح مع الجسم کو ہوتا ہے۔ اور سوال و جواب کے لیے حیات علم، فہم، ادراک شرط ہیں۔ اسی لیے سماع موتیٰ بھی ثابت ہے۔



اعادۂ روح

نکیرین کے سوال وجواب اور عذاب قبر جب زیر بحث آتے ہیں تو قدرتی طور پر یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ وہ سوال وجواب میت سے کیسے ہوتے ہیں قبر میں تو جسد بلا روح ہے۔ اور اس سے سوال کیونکر ہوتا ہے؟ اس لیے ضروری ہے کہ اعادہ روح کے متعلق شریعت حقہ کی تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا جائے۔

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے متعلق فرمایا۔

حتی ینتھی بہ الی السماء السابعۃ فیقول اللہ عز وجل اکتبوا کتاب عبدی فی علیین واعیدوہ الی الارض فانی منھا خلقتھم وفیھا اعیدھم ومنھا اخرجھم تارۃ اخری قال فتعاد روحہ فی جسدہ فیاتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک۔ الخ۔

یہاں تک کہ مومن کی روح کو ساتویں آسمان تک پہنچایا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کا نام اور اعمال علیین میں درج کردو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے اسے زمین سے پیدا کیا اور اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی میں سے دوبارہ اسے اٹھاؤں گا۔ پس اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ پھر اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے الخ۔

پھر کافر کے متعلق فرمایا:۔

فیقول اللہ عز وجل اکتبوا کتابہ فی سجین فی الارض

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نام اور اعمال سجین میں جو ارض اسفل

السفلی فتطرح روحه طرحا ثم قرأ ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء الی ان قال فتعاد روحه فی جسده فیأتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک ۔ الخ۔

(مشکوٰۃ صہ ۱۴۲، ۲۵، ابن کثیر ۲ : ۵۳۱ ، مسند امام احمد ۴ : ۲۸۷ اور کتاب الروح صہ ۱۲۵)

میں ہے لکھ دو پھر اس کی روح وہاں سے پٹک دی جاتی ہے ۔ پھر حضورؐ نے پڑھا کہ ومن یشرک باللہ الخ ۔ ۔ ۔ ۔ فرمایا تو اس کی روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے ۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں ۔ پھر اسے بٹھاتے ہیں ۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے ۔ الخ

اس طویل حدیث سے ذیل کے امور ثابت ہوئے ۔

۱۔ علیین اور سجین دفتر اعمال ہیں ۔

۲ ۔ روح کو جسد میں لوٹایا جاتا ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ جسد زمین پر ہے قبر میں ہے ۔

۳ ۔ اس اعادہ کے بعد جسد مع الروح کو بٹھایا جاتا ہے ۔ اور فرشتے سوال کرتے ہیں ۔

حدیث کی حیثیت

امام بخاری اور مسلم سمیت تمام محدثین اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں ۔ اور اس کی سند کے تمام راویوں سے احتجاج کرتے ہیں ۔ کسی راوی کو مجروح نہیں کہا ۔ اور تمام محدثین نے ثواب وعذاب قبر اور دیگر اہم مسائل قبر کے بارے میں اس حدیث کو اہلسنت والجماعت کی حجت اور دلیل تسلیم کیا ہے :-

اس حدیث کے متعلق علامہ ابن قیم کی رائے

علامہ ابن قیم نے اس حدیث کے متعلق فرمایا :-

ورواہ ابوعوانۃ الاسفرائنی فی صحیحہ وذھب الی القول بموجب ھذا الحدیث جمیع اھل السنۃ والحدیث من سائر الطوائف ۔
(کتاب الروح صہ ۵۳)

ابوعوانہ الاسفرئنیؒ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اہل سنت والجماعت کے تمام فرقے اور اہل حدیث عذاب قبر کسان لحکام کے قائل ہیں جو اس حدیث سے ثابت ہیں ۔

اس حدیث کے متعلق علماء محدثین اور متکلمین کا یہ اقرار موجود ہے کہ براء بن عازبؓ کی یہ حدیث عود روح پر صریح دال ہے ۔ اس صراحت کے بعد تاویل کی گنجائش نہیں رہتی ۔ اگر اب بھی کوئی جسارت کرے تو وہ تاویل نہیں بلکہ تلعب بالحدیث ہوگا ۔

عود روح کے متعلق متقدمین کے اقوال

(۱) امام سبکی شفاء السقام صہ ۱۹۸ :-

فضیہ التصریح بعود الروح الی الجسد ۔

اس میں اعادہ روح الی الجسد کی تصریح ہے ۔

(۲) وقد دل علیہ النص الصریح الصحیح وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فتعاد روحہ فی جسدہ ۔

اور عود روح پر نص صریح اور صحیح دال ہے ۔ اور وہ ارشاد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ پھر اس کی روح اس کے جسد کی طرف لوٹائی جاتی ہے ۔
(کتاب الروح صہ ۵۲)

۳- مولانا عبدالعزیز - نبراس صہ ۳۲۲ :-

وهوان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح یعاد فی الجسد عند السؤال ٥	صحیح احادیث صاف اعلان کر رہی ہیں کہ سوال کے وقت روح جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔

۴- علامہ سیوطی شرح الصدور صہ ۶۰

ان الاحادیث مصرحة باعادة الروح الی البدن عند السؤال -	احادیث صاف صراحت کرتی ہیں کہ سوال کے وقت روح کو بدن میں لوٹایا جاتا ہے۔

۵- علامہ سلفی - بشری الکیئب صہ ۹۷ :-

عود الروح الی الجسد فی القبر ثابت علی الصحیح لجمیع الموتی وانما الخلاف فی استمرارها فی البدن ٥	قبر میں روح کا جسم میں لوٹایا جانا صحیح حدیث سے ثابت ہے جو تمام مردوں کے لیے ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ عود کے بعد روح ہمیشہ بدن میں رہتی ہے یا نہیں۔

فائدہ :- عود روح کے متعلق احادیث متواترہ صاف اور صریح موجود ہیں اور اس پر اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے۔ عود روح کا منکر حدیث کا بھی منکر ہے۔ اور اجماع کا بھی منکر ہے۔ اہلسنت والجماعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ تو پھر وہ کیا ہے ؟

علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق

اس کے متعلق علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق ملاحظہ ہو۔ (شرح حدیث النزول صہ ۸۲) :-

ان سائر الاحادیث الصیحة	تمام احادیث صیحہ متواترہ روح کے

المتواترة تدل على عود الروح الى البدن اذا لمسألة للبدن بلاروح قول طائفة من الناس وانكره الجمهور وعن ذلك السؤال للروح بلا بدن قاله ابن ميسرة وابن حزم ولوكان كذلك لم يكن للقبر بالروح اختصاص ٥

بدن میں اعادہ پر دلالت کرتی ہیں کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ سوال بدن بلا روح سے ہوتا ہے اور جمہور نے اس کا انکار کیا ہے۔ اسی طرح ابن میسرہ اور ابن حزم نے کہا ہے کہ سوال روح بلا بدن سے ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو قبر کا اختصاص روح سے نہ ہوتا۔

عود روح کے انکار کا عقیدہ ابن میسرہ کا ہے اور ابن حزم نے اسی سے لیا ہے۔ اور ان کا اہلسنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

علامہ ابن تیمیہ کے دعوی تواتر کی تصدیق اور تائید علامہ ابن قیم اور علامہ سیوطی نے کی ہے۔ (کتاب الروح ص ۶۲)

قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل على عود الروح الى البدن وقت السؤال۔ وسوال البدن بلا روح قول قال طائفة من الناس وانكره الجمهور وقابلهم الاخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن وهذا قاله ابن مرة وابن حزم كلاهما غلط والاحاديث الصحيحة تردكه ٥

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ احادیث صحیح متواترہ سوال کے وقت عود روح الی البدن پر دلالت کرتی ہیں کچھ لوگوں نے کہا کہ سوال بدن بلا روح سے ہوتا ہے۔ جمہور نے اس کو رد کیا ہے۔ ان کے مقابلے میں کچھ لوگوں نے کہا کہ سوال روح بلا بدن سے ہوتا ہے۔ یہ بات ابن مرہ اور ابن حزم نے کہی۔ مگر دونوں قول غلط ہیں۔ صحیح احادیث اس کی تردید کرتی ہیں۔

اور شرح الصدور صفحہ ۸۶:۔ قال ابن تیمیة الاحادیث متواترة علی عود الروح الی البدن وقت السؤال ہ

ابن تیمیہ نے فرمایا کہ سوال کے وقت عود و روح الی البدن پر احادیث متواترہ ہیں۔

امام ابن تیمیہ نے شرح حدیث النزول صفحہ ۸ پر تصریح فرمائی ہے۔ کہ زاذان جو حدیث بذریعہ براء بن عازب بیان فرماتے ہیں: اس پر تمام امت کا سلف سے خلف تک اتفاق رہا ہے۔ گویا قبر میں عود و روح الی البدن کے مسئلہ پر ۴۰۰ سال تک اتفاق رہا۔ اور غالباً اس کی مخالفت کا عام اظہار سب سے پہلے ابن حزم ظاہری نے کیا۔ اور حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کے قلم سے بھلا کون شریف آدمی بچ سکا ہے۔ اس بناء پر جمہور نے ابن حزم کے قول کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی۔ حتی کہ مولوی غلام اللہ خاں صاحب بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ

"قرون ثلاثہ میں یہ حدیث اسی طرح منقول ہو کر نیچے تک چلی آئی ہے لیکن تعلق کا قصہ کسی نے نہیں چھیڑا۔ البتہ چوتھی صدی کے بعد سے شارحین حدیث نے بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلے میں تعلق روح بجسد عنصری کا مختلف عنوانات سے ذکر کیا ہے۔ کسی نے اتصال معنوی سے کسی نے، اشراق سے کسی نے مثل تعلق صاحب خانہ بخانہ د عاشق بر معشوق وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ (جواہر القرآن ۱: ۱۹۴)

ذرا آگے چل کر مولوی صاحب فرماتے ہیں:۔

"متقدمین میں ایک کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کی قائل ہے۔"

اس اقرار سے صاف ظاہر ہے کہ ۴۰۰ سال تک عود و روح الی البدن کا عقیدہ متفق علیہ چلا آیا۔ چوتھی صدی کے بعد یہ بحث چھڑی کہ روح کا تعلق بدن سے کس نوعیت کا ہوتا ہے۔ یعنی یہ بحث پھر بھی نہ چھیڑی گئی کہ تعلق

نہیں ہوتا بلکہ " تعلق کیسے ہوتا ہے " پر اظہار خیال کیا جانے لگا۔ گویا سلف صالحین اور خلف صالحین نفس عود روح الی البدن کے مسئلہ کے قائل ہی چلے آئے کسی کو اختلاف نہیں تھا۔ کوئی مفسر قرآن یا محدث، متکلم یا فقیہہ عود روح الی الجسد کا مخالف نہیں پایا گیا۔ اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ کیونکہ احادیث صحیحہ متواترہ کے موجود ہوتے ہوئے بھلا کوئی صاحب ایمان مخالف ہو سکتا تھا یہ جرات تو موجودہ دور کا ہی خاصہ ہے۔ ع

چنیں دور آسماں کم دیدہ باشد

جناب قاضی شمس الدین صاحب نے تسکین القلوب کے لیے "تسکین القلوب" کے ص۶۸ سے ص۷۰ تک بڑی خامہ فرسائی فرمائی ہے کہ جمہور کے اس اجماعی عقیدہ کی مخالفت میں کوئی سند فراہم کر سکیں۔ مگر بات نہ بن سکی۔ آخرہ مجبور ہو کر فرماتے ہیں ۔"

"عبارات علماء میں عود روح کے متعلق اضطراب بلکہ ہجوم اضطراب سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عذاب قبر حق ہے ۔"

حضرت قاضی صاحب اگر اپنے اندر جھانک لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ اضطراب علماء کی عبارات میں نہیں بلکہ ہجوم اضطراب آپ کے اندر ہے۔ کہ اس طائفہ نے اسلاف و اخلاف کی راہ سے ہٹ کر ایک نئی پگڈنڈی پر سرپٹ دوڑنا شروع کر دیا ہے مگر سامنے تو جھاڑ جھنکار کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ بس یہ ہے وجہ اضطراب۔ مگر اندر کا اضطراب باہر کی کوششوں سے سکون میں تبدیل کیسے ہو۔ کیونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی اس سے آگے کا حال اللہ ہی جانے۔

یہاں ایک مخلصانہ مشورہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ حضرات کسی بات پر متفق ہو کر کوئی آواز اٹھاتے تو چلو آواز میں کوئی زور تو ہوتا۔

مگر یہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے سے فائدہ ؟ جناب عنایت اللہ شاہ صاحب اور جناب محمد امیر بندیالوی صاحب تو عودِ روح اور تعلق روح کے سرے سے منکر ہیں۔ اور صالحیہ کرامیہ معتزلہ کی سُر میں سُر ملا کر بیکار گلے پھاڑ رہے ہیں۔ اور جناب مولوی غلام اللہ خاں صاحب کے قلم سے نہ جانے کیسے نکل گیا کہ ۴۰ سال تک اس عقیدہ کو اسی طرح قبول کیا گیا۔ اور بعد میں بھی تعلق روح کی نفی پر بحث کسی نے نہیں چھیڑی ہاں تعلق کی کیفیت یا نوعیت زیر بحث آتی رہی۔ اور حضرت قاضی صاحب یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ عذاب قبر حق ہے۔ مگر اپنے باطنی اضطراب کی وجہ سے قبر کو اٹھا کے علیین اور سجین میں رکھ دیا۔ ذرا اتنا تو غور فرما لیتے کہ اللہ کی کتاب نے قبر کا مفہوم کیا پیش کیا ہے اس سلسلے میں جو آٹھ آیتیں ہم نے پیش کی ہیں ذرا ان پر غور فرمالیں۔ ممکن ہے سارا قرآن پڑھنے کی فرصت نہ ملے۔

لیجیئے اعادہ روح کے متعلق چند احادیث اور پیش کی جاتی ہیں۔ ع

شائد کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات

۱۔ فتح الباری ۳ : ۱۵۲ :۔

وعن البراء مطولا بينا اخرجه اصحاب السنن و صححه ابوعوانة وغيره وفيه من الزيادة فراد له استعيذوا بالله من عذاب القبر وفيه فترد روحه في جسده۔ وفيه فياتيه ملكان فيجلسانه فيقولان له من ربك ديته

حضرت براءؓ سے طویل حدیث بیان ہوئی جس کو اصحاب سنن نے بیان کیا اور ابو عوانہ وغیرہ نے اس کو صحیح کہا اور اس میں ابتدا میں یہ الفاظ زائد ہیں استعیذوا باللہ من عذاب القبر : اور اس حدیث میں ہے کہ روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ اور اس میں ہے کہ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں پھر اسے بٹھاتے ہیں اور

انالکافر تعاد روحہ فی جسدہ فیاتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک ۔

اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے اور اس میں ہے کہ کافر کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے پھر دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور سوال کرتے ہیں تیرا رب کون ہے

روح جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے جسد قبر میں ہے۔ اور قبر وہی گڑھا ہے۔ جس میں جسد کو رکھا گیا۔ جسد کو علیین یا سجین میں لے جا کر وہاں عود روح ہونے کا مفہوم یہاں سے تو نکل نہیں سکتا۔

۲۔ الفتاوی الحدیثیہ ۱ : ۲۸ :-

وقد اخرج ابن ابی الدنیا و ابن ابی حاتم و ابونعیم عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ان قال فاذا حضرہ الموت ارتفع ذانک الملکان وجاء ملک الموت لیقبض روحہ فاذا دخل قبرہ رد الروح الیہ فی جسدہ وجاءہ ملکا القبر... الخ

ابن ابی الدنیا نے اور ابن ابی حاتم نے اور ابونعیم نے حضرت جابر رضؓ سے اس حدیث کو اخراج کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرمؐ سے سنا... جب انسان کے پاس موت آتی ہے تو یہ دو فرشتے چلے جاتے ہیں اور موت کا فرشتہ آجاتا ہے کہ اس کی رُوح قبض کرے۔ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے۔ تو روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے اور قبر کے دو فرشتے آجاتے ہیں۔ الخ

میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے علیین یا سجین میت کے جسد کو رکھنے کے لیے جاتے ہوئے نہ کسی کو دیکھا گیا نہ سنا گیا نہ اس کا امکان ہے۔ میت کے جسد کو اسی قبر میں رکھتے ہیں جو

زمین پر ہوتی ہے اور ہاتھوں سے کھودی جاتی ہے۔ آپ حضرات قبر کو زمین سے اٹھا کر علیین یا سجین میں کیونکر لے گئے؟

۳۔ مشکوٰۃ میں براء بن عاذب سے طویل حدیث میں مذکور ہے

ثم یقیض لہ اعمی واصم معہ مرزبۃ من حدید لو ضرب بہا جبل لصار ترابا فیضربہ بہا ضربۃ یسمعہا ما بین المشرق و المغرب الا الثقلین فیصیر ترابا ثم یعاد فیہ الروح ہ

پھر اس میت کے لیے ایک اندھا اور بہرا فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کے پاس آہنی ہتھوڑا ہوتا ہے۔ اس سے میت کو مارتا ہے اگر اس سے پہاڑ پر ضرب لگائی جائے۔ تو مٹی ہو جائے اس کی آواز مشرق و مغرب کی مخلوق سنتی ہے۔ سوائے۔ جن و انس کے پھر وہ مٹی ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے۔

ہاں تو یہ روح کو ہتھوڑے لگتے ہیں اور روح مٹی ہو جاتی ہے یا جسد؟ اور یہ حالت تو جسد سے ہی متعلق ہے تو جسد اس قبر میں پڑا ہے۔ جس کے متعلق کسی میں "اضطراب" پایا جاتا ہے۔

مٹی وہی چیز ہوتی ہے جو مٹی سے پیدا ہوئی۔ بدن مٹی سے پیدا ہوا وہی مٹی ہوا نہ جسم مثالی، جسم مثالی فرضی چیز جو نہ مٹی سے پیدا ہوا نہ مٹی ہوتا ہے اسی طرح روح بھی مٹی نہیں ہوتا ہے۔

۴۔ شرح حدیث النزول ص۸۱

عن ابی ھریرۃ رضؓ قال ان المیت تحضرہ الملائکۃ الی ان قال فترسل بین السماء والارض فتصیر الی

حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت ہے کہ میت کے پاس فرشتے آتے ہیں .... اس کی روح آسمان اور زمین کے درمیان روانہ کی جاتی ہے۔ پھر وہ قبر میں پہنچ جاتی ہے تو مرد صالح قبر

قبرہ فیجلس الرجل الصالح
فی قبرہ ہ

میں بیٹھ جاتا ہے۔

صد۲۸ والمقصود انہ فی حدیث
ابی ھریرۃ قولہ - فیصیر
الی قبرہ کمانی حدیث
البراء بن عاذب وحدیث
ابی ھریرۃ روی من طرق
تصدق حدیث البراء بن
عاذب اذا وضعت الجنازۃ
فاحتملھا الرجال علی اعناقھم
فان کانت صالحۃ قالت
قدمونی وان کانت غیر
ذلک قالت لاھلھا یاویلھا
این یذھبون بہا سمع،
صوتھا کل شیٔ الا الانسان ہ

حدیث ابوہریرہ رضؓ میں فیصیر الی
قبرہ سے مقصود وہی ہے جو حدیث
براء بن عاذب سے ہے اور حدیث
ابوہریرہ رضؓ کئی طریقوں سے بیان ہوئی
ہے۔ جو حدیث براء بن عاذب کی،
تصدیق کرتی ہے۔ جب میت کے
جناوہ کو آدمی اٹھا کے لے چلتے ہیں۔ تو
اگر وہ نیک ہو تو کہتا ہے۔ مجھے آگے
لے چلو اور اگر برا ہو تو کہتا ہے ہائے
مجھے کہاں لے چلے ہو۔ انسان کے
بغیر سب اس کی آواز کو سنتے ہیں۔

٥ بخاری مع فتح الباری ۳ : ۱۲۰
اور فتح الباری ۳ : ۱۲۰ پر
فی آخر الحدیث یسمع صوتھا
کل شیٔ دال علی ان ذلک
بلسان القال لا بلسان الحال ہ

ہر شے اس کی آواز سنتی ہے اس بات پر
دلالت کرتا ہے کہ لسان قال سے کہنا
ہے زبان حال سے نہیں۔

٦ فتح الباری صـ۱۹۰
وتاکید الکلام بما لا
یحتمل المجاز وھو قول
یسمع صوتھا کل شیٔ

اور تاکید کلام ایسے الفاظ سے کی گئی
ہے کہ مجاز کا احتمال نہیں اور وہ الفاظ
یسمع صوتھا کل شیٔ الا الانسان

الا الانسان ولولا هذا لامکن ان یحمل علی القول بلسان الحال لکن بعد هذا لا یسوغ ہذا الحمل۔	اگر یہ الفاظ نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ اسے قول حالی پر محمول کیا جاتا لیکن ان الفاظ کے بعد جائز نہیں کہ مجاز پر محمول کریں

اس میت محمولہ کی آواز جن سن لیتا ہے لیکن انسان نہیں سن سکتا۔ عذاب قبر جن اور انسان دونوں نہیں سن سکتے۔ مادی آنکھوں اور کانوں سے جن اور انسان کے بغیر تمام حیوان دیکھ اور سن لیتے ہیں۔ مگر جدید اجتہاد اور جدید ترین تحقیق ملاحظہ ہو۔

"اس کی چیخ و پکار کو برزخ کے تمام حیوان سن لیتے ہیں۔ مگر ثقلین نہیں سنتے" اقوال مرضیہ صہ ۲۳

معلوم ہوتا ہے کاتب سے سہو ہو گئی غالباً اصل عبارت یوں تھی کہ "برزخ کے تمام حیوان سن لیتے ہیں مگر برزخ کے ثقلین نہیں سنتے" کیونکہ بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے کہ مجتہد صاحب نے حیوانوں کے لیے برزخ تجویز کیا ہو اور ثقلین کے لیے یہ مادی دینا۔ دونوں کا محل ایک ہی ہونا مناسب ہے۔

اور جناب قاضی شمس الدین صاحب نے تسکین القلوب کے صہ ۳، ۲/۷ پر برزخ کے حیوان مراد لیے ہیں۔ لیجیے متفق گردید رائے بو علی با رائے من۔ ان "صاحبین" سے گزارش ہے کہ یہ مراد لینے کے لیے کوئی ثبوت بھی پیش فرمایا ہوتا۔ عقل کا تو خیر وہاں گذر ہی نہیں۔ مگر کوئی نقلی ثبوت پیش کرنا چاہیے تھا۔ کس محدث نے کس شارح حدیث نے کس فقیہہ نے کس متکلم لے بلکہ کس پڑھے لکھے آدمی نے آپ سے پہلے برزخ کے حیوان مراد لیے ہیں کوئی ایک قول سہی۔ قول رسول۔ قول صحابی قول تابعی۔ قول مجتہد کوئی تو دلیل نقلی پیش کیجیے۔ ورنہ یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ یہ ذہن رسا جو دو سو سال میں کسی اللہ کے بندے کو ودیعت نہیں کیا گیا۔ زہر کو تریاق کو نام دے

کر پیش کرنا کوئی معقول رویہ نہیں بلکہ دیانت کے خلاف ہے۔

اعادہ رُوح کے مُتعلّق فقہائے کرام اور صوفیائے عظام کا عقیدہ :-

جو شخص اپنے آپ کو اہلسنت والجماعت میں شمار کرتا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس مسلک کے ان محقق علمائے مقتدمین کی تحقیق کے خلاف نہ جائے۔ جنہوں نے قرآن وسنت کے مطالعہ میں اور استنباط مسائل میں عمریں صرف کر دیں اور ورع تقویٰ اور اعتصام بالکتاب والسنتہ میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ورنہ وہی کیفیت ہو جاتی ہے کہ ؎

"ننگ بر مار بگذار دیں شدہ
ہر لیئے راز دار دیں شدہ

اس سلسلے میں چند چوٹی کے علماء کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں :-

۱۔ فقہ اکبر مع شرح ملا علی القاری ص۱۲۰

واعادة الروح الی العبد فی قبرہ حق اس کی شرح میں فرمایا۔ واعادة الروح ای ردھا و تعلقہ الی الجسد ای جسدہ بجمیع اجزاءہ او بعضہ مجتمعة او متفرقة فی قبرہ حق

اور قبر میں بندہ کی طرف روح کو لوٹایا جانا حق ہے۔ اور اعادہ روح کے معنی اس کا لوٹانا اور اس کا تعلق قبر میں بندہ کے ساتھ یعنی اس کے تمام اجزاء کے ساتھ یا بعض اجزاء کے ساتھ کرنا خواہ وہ متفرق ہوں یہ حق ہے۔

اور اسی کتاب کا صـ ۱۲۱

واعلم ان اھل الحق اتفقوا علی ان اللہ تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیاۃ فی القبر قدر ما یتألم و یتلذذ ولکن اختلفوا فی انہ ھل یعاد الروح الیہ والمنقول عن ابی حنیفۃ التوقف الا ان کلامہ مما یدل علی اعادۃ الروح اذ جواب الملکین فعل اختیاری فلا یتصور بدون الروح۔	خوب سمجھ لو کہ اہل حق اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر کے اندر میت میں ایک قسم کی حیات پیدا کرتا ہے۔ جس سے اس کو الم اور لذت کا احساس ہو سکے لیکن اس میں اختلاف کیا ہے۔ کہ کیا روح کا اعادہ اس کی طرف قبر میں ہوتا ہے۔ اور امام صاحب سے توقف منقول ہے۔ مگر امام صاحب کا کلام اعادہ روح پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ قبر میں سوال و جواب فعل اختیاری ہے اور بغیر روح کے اس کا تصور کرنا محال ہے۔

اس توقف کے بارے ملا علی القاری نے تصریح فرما دی ہے۔

ولعل توقف الامام فی ان الاعادۃ متعلق بجزؤ البدن او کلہ۔	اور شائد امام صاحب کا توقف اس امر میں ہو کہ اعادہ روح سارے بدن کی طرف ہوتا ہے یا جزو بدن کی طرف۔

(مرقاۃ ۱ : ۱۹۸)

۲۔ کتاب الصلوۃ امام احمد بن حنبل صـ ۲۱۵

والایمان بالحوض والشفاعۃ والایمان بمنکر و نکیر و عذاب القبر والایمان بملک الموت بقبض الارواح	حوض کوثر، شفاعت، منکر نکیر، عذاب قبر ملک الموت کے روح قبض کرنے۔ پھر قبر میں روح الی الجسد لوٹائے جانے اور ایمان اور توحید

ثم الروح في الاجساد في القبور فيسئلون عن الايمان والتوحيد ہ	کے متعلق سوال ہونے پر ایمان لانا۔

اعادہ روح کا مسئلہ اجتہادی نہیں بلکہ صریح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے اس لیے امام صاحب اسے ایمان سے تعبیر فرماتے ہیں۔ جب اعادہ روح کا عقیدہ ایمان سے ہے تو عدم اعادہ روح کا عقیدہ کیا ہونا چاہیئے؟

۳- امام محی الدین النووی شرح مسلم ۲: ۳۸۶

ثم المعذب عند اهل السنة الجسد بعينه او بعضه بعد اعادة الروح اليه او الى جزء منه وخالف فيه محمد بن جرير وعبد الله كرام وطائفة فقالوا لا يشترط اعادة الروح قال اصحابنا هذا فاسد لان الالم والاحساس انما يكون في الحي ہ	اہل السنۃ کے نزدیک عذاب بعینہ جسد عنصری یا اس کے جزء کو ہوتا ہے جو بعد اعادہ روح کے ہوتا ہے۔ مگر محمد ابن جریر اور عبد اللہ بن کرام اور ایک جماعت نے اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عذاب کے لیے اعادہ روح شرط نہیں۔ ہمارے علماء کہتے ہیں کہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ درد اور احساس صرف زندہ کو ہو سکتا ہے۔

نوٹ:۔ محمد بن جریر سے مراد امام ابن جریر مفسر اور محدث نہیں بلکہ کرامیہ فرقہ کا پیشوا محمد بن جریر مراد ہے۔ اس کے متعلق مولانا عبد الحکیم نے حاشیہ خیالی میں تصریح فرما دی ہے۔

ذهب الصالحي من المعتزلة وابن جرير الطبري من الكرامية الى جواز تعذيب غير الحي وهو سفسطة ظاهرة	معتزلہ میں سے صالحی اور کرامیہ سے ابن جریر حیات کے بغیر عذاب کے قائل ہیں۔ لیکن یہ جہالت محض ہے کیونکہ پتھر میں احساس نہیں تو اس کو

لان الجماد لاحس له فكيف تيصور تعذيبه (ص۱۱۸)	عذاب دینے کا تصور کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

اہلسنت والجماعت کے ان شارحین حدیث اور مجتہدین کرام کے مقابلہ میں جدید تحقیق ملاحظہ ہو۔

"درجس عذاب ثواب کا ذکر نصوص یا احادیث و آثار میں آتا ہے۔ دراصل اس کا محل روح ہی ہے . . . . . اس جسم عنصری کی صورت نوعیہ بعد از موت ختم ہو جاتی ہے۔ حیات ترکیبی کے ختم ہونے کے بعد اگر باری تعالیٰ اس کو حیات بسیط کے ساتھ عذاب دیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔" (اقوال مرضیہ ص۵۲)

امام نووی فرمائیں کہ اہلسنت کے نزدیک معذب جسد اعادہ روح کے بعد ہوتا ہے۔ ملا علی قاری فرمائیں کہ جسد کے جمیع اجزاء یا بعض اجزاء میں اعادہ روح ہوتا ہے۔ امام احمد بن حنبل اعادہ روح اور عذاب قبر کو ایمانیات میں شمار فرمائیں۔ مگر ہمارے بندیالوی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ اعادہ وغیرہ تکلف محض ہے بس روح ہی محل ہے۔ اور لطف یہ کہ احادیث و آثار کا فہم اور نصوص کے مفہوم کی سمجھ آئی تو بندیالوی صاحب کو اور یہ "اگر" کی پخ لگا کے جو حیات بسیط کا ذکر فرمایا تو ذرا اس کے لیے کوئی دلیل تو پیش فرمائیں۔ آپ تو خیر کسی دلیل کے محتاج نہیں کیونکہ آپ کا مسلک ہے ع

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

مگر "برعکس نام زنگی نہند کافور" اقوال مرضیہ کا مطالعہ کرنے والوں کا حق ہے کہ آپ سے دلیل نقلی کا مطالبہ کریں۔

پھر حضرت بندیالوی فرماتے ہیں۔ اقوال مرضیہ ص۶۶

ان المیت جماد لاحیات له ولا ادراك له فتعذيبه محال :۔	میت تو پتھر ہے اس میں نہ زندگی ہے نہ ادراک اس لیے اس کو عذاب ہونا محال ہے۔

اہلسنت والجماعت کے مستند محققین فرمائیں کہ قال اصحابنا ھذا فاسد لان الالم والاحساس انما یکون فی الحی۔ اور آپ کے نزدیک جسم جماد محض ہے۔ لہٰذا تعذیب محال ہے۔ ذرا اپنے مسلک کا سلسلہ نسب متقدمین اہلسنت و الجماعت میں سے کسی کے ساتھ جوڑنے کی کوشش بھی فرمائیں۔

۴۔ علامہ شعرانی۔ الیواقیت والجواہر ۲ : ۱۳۹ :-

فترد روح المعذب الی جسدہ کلہ او ما بقی منہ فانہ لا یمتنع احیاء بعض الجسد	پھر معذب کی روح اس کے سارے جسم یا جو حصہ باقی ہو اس میں لوٹائی جاتی ہے کیونکہ جزو بدن میں حیات ہونا ممتنع نہیں۔

پھر اسی کے صلا۱ پر معتزلہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

وھذا لیس بشیء لما صح فی ابوداؤد وغیرہ مرفوعا ان الروح تعود الی الجسد	اور معتزلہ کا یہ قول کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ ابو داؤد وغیرہ کی صحیح مرفوع، حدیث کی رو سے اعادہ روح الی الجسد ثابت ہے۔

پھر فرماتے ہیں :-

فیسائلان العبد بعد رد روحہ الیہ کلہ او ما بقی منہ	پھر دونوں فرشتے بندے سے سوال کرتے ہیں۔ جب روح اس کے سارے جسم میں یا جزو بدن میں لوٹا دی جاتی ہے۔

۵۔ امام قرطبی۔ تذکرہ صہ۳۶ :-

حتی اذا جاءہ ملک الموت لیقبض روحہ کان معہ حتی یدخل حفرتہ د	جب مرنے والے کے پاس موت کا فرشتہ روح قبض کرنے آجاتا ہے تو اس کے ساتھ رہتا ہے حتی کہ قبر

ترد الروح الی جسدہ :-	ہیں داخل کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹایا جاتا ہے۔

اسی کتاب کے صہ۲۱ پر فرماتے ہیں :-

فاذا وصل المصلی وصلی علیہ ودفن ردت فیہ الروح وتعد ذا روح وجسد دخل علیہ الملکان لفتانان فلیسئلانہ ۰	جب میت کی نماز جنازہ پڑھ لی جاتی ہے۔ اور اسے دفن کر دیا جاتا ہے۔ تو اس میں روح لوٹائی جاتی ہے۔ اور روح اور بدن سمیت بیٹھتا ہے پھر دو فرشتے آتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں۔

اسی طرح امام سیوطی نے لبشری الکیئب اور شرح الصدور میں کوئی دس مقامات پر تعاد الروح الی جسدہ لکھا ہے۔

۶۔ علامہ عبدالعزیز فرہاروی ۔ نبراس صہ۳۲۲

وعندی فی ھذا الجواب بحث وھوان الاحادیث الصحیحۃ ناطقۃ بان الروح یعاد فی الجسد عند السؤال فالجواب بانکار الاعادۃ غیر موجہ ۔	میرے نزدیک اس جواب پر اعتراض ہے وہ یہ کہ صحیح احادیث اعلان کر رہی ہیں کہ سوال کے وقت روح کو جسم میں لوٹایا جاتا ہے۔ اس لیے اعادہ روح کے انکار کا حامل جواب دینا درست نہیں۔
وحاصل الجواب ان الحیاۃ للمیت لیست کحیوۃ غیرہ باعادۃ الروح فی الجسد اعادۃ کاملۃ ۰	حاصل جواب یہ ہے کہ میت میں حیات وہ نہیں ہوتی جو دوسروں میں ہوتی ہے . . . . . .

یہ اس جواب کا ذکر ہے جو علامہ تفتازانی نے معتزلہ کے جواب میں اختیار کیا ہے۔ جس میں ایک قسم کی حیات قبر میں تسلیم کی ہے۔ مگر یہ قول صحیح حدیث کے مخالف تھا اس لیے اس کی تردید فرمائی ہے۔



تعلق رُوح

گذشتہ باب میں وضاحت کی جاچکی ہے کہ روح کا تعلق جسد عنصری، مدفونہ فی القبر کے ساتھ ہوتا ہے۔ خواہ وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اسی تعلق سے بدن کو تلذذ و سرور اور درد و الم کا احساس ہوتا ہے۔ اسی تعلق سے بدن میں نوع حیات پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ حیات کے بغیر نہ تالم نہ تلذذ۔ جماد محض کو عذاب و ثواب کا کیا مطلب۔

تعلق کلی مشکک ہے۔ یہ باعتبار زمان، اشخاص اور اوقات متفاوت ہوتا ہے۔ جیسا روح المعانی ۲۲ : ۸۴، ۹۴ :۔

وعندی ان التعلق ایضا لما یتفاوت قوة وضعفا بحسب الاشخاص بل وبحسب الازمان	اور میرے نزدیک تعلق روح متفاوت ہے بلحاظ قوت وضعف باعتبار اشخاص اور باعتبار زمانہ۔

یعنی یہ تعلق انبیاء، صدیقین، صالحین، عوام مومنین اور کفار میں متفاوت ہوگا۔

۱۔ اور کتاب الروح ص ۱۲۵ بل لها اشراف واتصال بالقبر وفنائه وذلك القدر منها يعرض عليه مقعده فان للروح شانا آخر تكون في الرفيق الاعلى في اعلى	بلکہ روح کے لیے قبر اور صحن قبر کے ساتھ اشراف واتصال ہے اور اسی اتصال کی بناء پر اسے عذاب وثواب ہوتا ہے۔ روح کے لیے ایک شان اور ہے وہ علیین میں ہو تو بھی بدن

علیین و لها اتصال بالبدن بحیث اذا اسلم المسلم علی المیت رد الله علیہ روحہ فیرد علیہ السلام وھی فی ملاء الاعلیٰ

کے ساتھ اتصال ہوتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی میت کو سلام کہے تو اللہ تعالیٰ روح کو میت کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔ اور وہ سلام کا جواب دیتا ہے۔ اور روح اس وقت ملاء اعلےٰ میں بھی ہوتا ہے۔

یعنی روح جہاں بھی ہو اس کا تعلق بدن مدفونہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس کی بناء پر بدن کو ثواب عذاب کا احساس ہوتا ہے۔

اور فتح الباری ۳ : ۱۵۲

۲۔ ولا یمنع من ذلک کون المیت قد تتفرق اجزائہ لان اللہ قادر ان یعید الحیاۃ الی جزء من الجسد ویقع علیہ السؤال کما ھو قادر علی ان یجمع اجزاءہ

اور اس میں کوئی چیز مانع نہیں کہ میت کے اجزائے بدن بکھر جائیں (تو حیات پیدا ہو جائے) کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ جزو بدن میں حیات لوٹا دے اور اس سے سوال ہو جیسا کہ تمام اجزاء کے جمع کرنے پر قادر ہے۔

اور روح المعانی ۱۵ : ۱۹۳

۲۔ ثم اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا یختص بجزء دون جزء بل ھی متصلۃ مشرقۃ علی سائر اجزاءہ وان تفرقت وکان جزء بالمشرق وجزء بالمغرب

پھر خوب سمجھ لو کہ بدن کے ساتھ روح کا اتصال ایک جزو کو چھوڑ کے دوسرے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ یہ اتصال، متصل ہے اور تمام اجزائے بدن میں روح پہنچ جاتی ہے۔ خواہ ایک جزو مشرق میں ہو اور ایک مغرب میں۔

یعنی اجزائے بدن خواہ کتنے باریک ہوں بکھرے ہوئے ہوں روح

کا تعلق و اتصال ان اجزا سے ہوتا ہے۔

۴۔ اور امام نووی شرح مسلم ۲ : ۳۸۵

قال اصحابنا ولا یمنع من ذلک کون المیت قد تفرقت اجزاءہ کما نشاھدہ فی العادۃ او اکلہ السباع او حیتان البحر او نحو ذلک فکما ان اللہ تعالیٰ یعیدہ للحشر وسبحانہ وتعالیٰ قادر علی ذلک فلذا یعید الحیاۃ الی جزء منہ وان اکلہ السباع والحیتان

یعنی ہر جزء میں حیات ہوتی ہے

ہمارے اہلسنت والجماعت کے بزرگوں نے فرمایا کہ اس امر میں کوئی مانع نہیں کہ اگر میت کے اجزائے بدن بکھر جائیں جیسا کہ ہمارے مشاہدہ میں آتا ہے یا اسے درندے کھا جائیں یا مچھلیاں نگل جائیں یا ایسی ہی کوئی اور صورت پیش آئے تو جس طرح اللہ تعالیٰ حشر میں روح کو لوٹائے گا اور اس پر قادر ہے اسی طرح وہ اس بات پر قادر ہے کہ بدن کے کسی حصہ میں حیات پیدا کر دے اگرچہ اسے درندے کھا گئے ہوں یا مچھلیاں نگل گئی ہوں۔

۵۔ شفاء السقام ص ۱۹۷

واما الادراک فیدل لہ مع ذلک الاحادیث الواردۃ فی عذاب القبر وھی احادیث صحیحۃ متفق علیھا رواھا البخاری ومسلم وغیرھما واجمع علیھا وعلی مدلولھا اھل السنۃ والاحادیث فی ذلک متواترۃ ہ

اور جہاں تک ادراک کا تعلق ہے تو یہ اس پر (حیات) دلالت کرتا ہے اس کے ساتھ وہ احادیث جو عذاب قبر کے متعلق آئی ہیں اور جو صحیح اور متفق علیہ ہیں اور ان کو بخاری اور مسلم اور اس کے علاوہ دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے ان پر اور ان کے مدلول پر اہلسنت کا اجماع ہے اور

اس امر میں یہ حدیثیں متواتر ہیں۔

٦. ایضا ص۲۰۵ وقد عرف بهذا ان حیاة جمیع الموتی بارواحهم واجسامهم فی قبورهم لاشك فیها

اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ حیات قبر تمام مردوں کے لیے ہے۔ جو روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

٧. ایضا ص۲۰۲ مع دلالة بقیة الاحادیث المتفق علیها علی السماع والکلام والقعود وغیرها مما یستلزم الحیاة وعود الروح .... وقد اجمع اهل السنة علی اثبات الحیاة فی القبور ۰

باقی احادیث جو متفق علیہ ہیں سماع، کلام۔ قعود وغیرہ پر دلالت کرتی ہیں جو حیات اور عود روح کو مستلزم ہے۔ اور حیات فی القبر پر اہلسنت کا اجماع ہے۔

٨. قال امام الحرمین فی الشامل اتفق سلف الامة علی اثبات عذاب القبر واحیا الموتی فی قبورهم ورد الارواح فی اجسادهم ۰

امام الحرمین نے شامل میں کہا ہے کہ سلف صالحین کا اجماع ہے۔ عذاب قبر و حیات قبر اور جسم میں روح کے اعادہ پر۔

٩. وقال الفقیه ابوبکر بن العربی فی الامد الاقصی فی تفسیر اسماء الحسنی" ان احیا المکلفین فی القبر وسوالهم جمیعا لاخلاف فیه بین اهل السنة ۰

فقیہہ ابو بکر بن العربی نے اپنی کتاب تفسیر اسماء الحسنی میں کہا ہے کہ تمام مکلفین کے قبروں میں زندہ کرنے اور ان سے سوال کے بارے میں اہلسنت میں، کوئی اختلاف نہیں۔

۱۰- وقال سیف الدین الآمدی فی کتاب "الابکار الافکار" اتفق سلف الامۃ قبل ظہور المخالف واکثرھم بعد ظہورہ علی اثبات احیاء الموتی فی قبورھم ومسالۃ الملکین لھم واثبات عذاب القبر للمجرمین والکافرین وقولہ تعالیٰ امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین ای حیاۃ المسالۃ فی القبر وحیاۃ الحشر لانھما احیاتان عرفوا اللہ بھما الحیاۃ الاول فی الدنیا لم یعرفوا اللہ بھا ہ

سیف الدین آمدی نے اپنی کتاب الابکار الافکار میں کہا ظہور اختلاف سے پہلے تمام علماء امت نے اور اس کے بعد اکثر نے ان امور پر اتفاق کیا، حیات قبر، مکلفین سے سوال، عذاب قبر کا اثبات مجرموں اور کافروں کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب، سوال کے لیے حیات قبر اور حیات حشر ہے۔ کیونکہ دونوں زندگیاں ہیں۔ جن سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔ پہلی زندگی تو دنیوی زندگی ہے جس میں انہیں خدا کی معرفت حاصل نہ ہوئی۔

۱۱- وقال القرطبی ان الایمان بہ مذھب اھل السنۃ والذی علیہ الجماعۃ من اھل الملۃ ولم یفھم الصحابۃ الذین نزل القرآن بلسانھم ولغتھم من نبیھم علیہ السلام غیر ذلک وکذلک التابعون بعدھم ہ

قرطبی نے کہا کہ اس پر ایمان لانا اہلسنت کا مذہب ہے اور اسی پر اہل حق کی، جماعت قائم رہی۔ اور صحابہ کرام رض جن کی زبان اور محاورے پر قرآن نازل ہوا رسول کریم ص سے اس کے بغیر دوسرا مطلب نہ سمجھا۔ اسی طرح تابعین نے بھی صحابہ سے یہی سمجھا۔

۱۲۔ ایضاً ص ۲۰۳
وامامن تفرقت اجزاءہ
خیر واللہ الروح الی کل جزء
ویسأل الملکان ٥

جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے ۔
جس کے اجزائے بدن بکھر گئے ہوں
تو اللہ تعالیٰ ہر جزو بدن میں روح کو
لوٹاتا ہے اور ملائکہ ان سے سوال
کرتے ہیں ۔

۱۳۔ شرح مواقف ص ۵۱۷، احیاء
الموتی فی قبورھم ومسئلۃ
منکر و نکیر و عذاب القبر
للکافر والفاسق کلھا حق
عندنا واتفق علیہ سلف
الامۃ قبل ظہور الخلاف
واتفق علیہ الاکثرون بعدہ

قبروں میں مردوں کو زندہ کرنا ۔ سوال
نکیرین عذاب قبر کافر اور فاسق کے
لیے ہمارے نزدیک سب حق ہے
اور ظہور اختلاف سے پہلے ساری امت
کا اتفاق رہا اور ظہور اختلاف کے بعد
اکثر کا اتفاق رہا ۔

سلف صالحین کا عقیدہ، جو متذکرہ بالا اقوال میں پیش کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔

۱۔ عود روح الی البدن حق ہے ۔ سوال نکیرین اور عذاب قبر حق ہے ۔
۲۔ روح کا تعلق بدن مدفونہ کے ساتھ ہوتا ہے اور تمام اجزاء کے ساتھ ہوتا ہے ۔ جب اجزاء بکھر جائیں ۔
۳۔ صحابہ کرام، تابعین اور سلف امت کا اس پر اتفاق ہے ۔
۴۔ اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قبر میں مدفونہ جسد میں عود روح ہوتا ہے اور عذاب و ثواب قبر حق ہے ۔

دورِ جدید کے اہلسنت کا عقیدہ

اب دورِ جدید کے مدعیان اہلسنت کا عقیدہ ملاحظہ ہو۔
شفاء الصدور صفحہ ۱

بل الارواح کلهم فی مستقراتهم و مقاماتهم اما معذبون واما منعمون لهم اجساد مثالیه فی عالم البرزخ لا تعلق لهم بهذا الاجساد الترابیة الارضیة العنصریة المدفونة فی حفر الارضیته ٥

بلکہ تمام ارواح اپنے اپنے مقام پر یا عذاب میں ہیں یا راحت میں عالم برزخ میں ان کے لیے جسم مثالی ہیں ان مٹی کے جسموں سے ان کا کوئی تعلق نہیں جو ارضی ہیں۔ عنصری ہیں اور اور زمین کے گڑھوں میں دفن، ہیں :۔

یعنی روح کا تعلق اس جسد سے مطلق نہیں ہوتا جو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تمام اسلاف واخلاف اہلسنت کے اجماعی عقیدہ اور متواترہ احادیث صحیحہ کے مفہوم کے بالکل الٹ ایک عقیدہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ
(۱) متواترہ احادیث کا انکار (۲) اہل سنت کے اجماعی عقیدہ کی مخالفت
کیا خوب کہا ایک عارف نے ؎

جفائیں بھی ہیں فریب بھی ہیں نمود بھی ہے سنگھار بھی ہے
اور اس پہ دعوئ حق پرستی اور اس پہ یاں اعتبار بھی ہے

۲۔ جواہر القرآن (مولوی غلام اللہ خان صاحب) ۱ : ۱۹۴
"بلکہ یہ تعلق بے کیف ہے اور اس کی حقیقت اور کنہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اس لئے عالم برزخ میں تعلق بابدان

عنصریہ کے بارے میں سکوت سب سے احوط مسلک ہے کیونکہ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں تعلق کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ لیکن اگر کوئی شخص غیر معلوم الکیفیت تعلق اثبات کرتا ہے۔ تو وہ بھی قابل ملامت نہیں ہے کیونکہ متقدمین کی ایک کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کی قائل ہے"۔ اندازِ بیان بڑا محتاط ہے۔ مگر چند امور قابلِ غور ہیں۔

۱۔ قرونِ ثلاثہ میں اعادہ روح کی احادیث سب کے سامنے تھیں اور عود روح الی الجسد پر سب متفق تھے تو بحث کیوں چھڑتی۔

۲۔ متقدمین کی ایک کثیر تعداد جب اس تعلق کی قائل رہی تو قلیل تعداد میں، شامل ہونا آخر کیوں ضروری ٹھہرا۔

۳۔ "عالم برزخ میں تعلق روح با بدان عنصریہ کے بارے میں سکوت احوط مسلک ہے"۔ کیا اسی احتیاط کا اظہار شفاء الصدور صنا پر کیا گیا ہے کیا "لا تعلق لهم بهذه الاجساد الترابية الارضية العنصرية المدفونة فی حضی الارض" مسلک سکوت کی ترجمانی ہے۔

۴۔ کیا قرونِ ثلاثہ متقدمین سے خارج ہیں؟ اگر متقدمین کا لفظ قرون ثلاثہ کے لیے بولا جاتا ہے تو ان کی کثیر تعداد اس کی قائل رہی۔ تو پھر کیسے درست ہوا کہ قرون ثلاثہ میں اس کا ذکر نہیں تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جس کا کوئی ذکر نہیں تھا کثیر تعداد اس کی قائل تھی۔ ع

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

۳۔ مسالک العلماء (قاضی شمس الدین صاحب) صفحہ ۹۵-۹۶

"یہ سارے حضرات اس اتصال اور اشراق خصوصی کا ذکر کہیں نہیں کرتے جو انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ مختص ہے اور جو

اجسام پر حیات کا اثر ڈالے۔ وہی عمومی اتصال ذکر کرتے ہیں جو ہر ایک روح کا خواہ وہ علیین میں ہو یا سجین میں جسم سے ہے۔ جو حیات کا اثر ڈالنے کے لیے نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو صرف تالم اور تلذذ تک اور وہ بھی انبیاء علیہم اسلام کے ساتھ مختص نہیں بلکہ عام جس کو علماء علم الکلام نے بیان کیا۔"

جناب قاضی صاحب نے عذاب و ثواب برزخ کا صاف انکار کرنے کی جرائت نہیں فرمائی۔ وضعداری کا تقاضا یہی ہے کچھ تو رکھ رکھاؤ ہونا چاہیئے۔ مگر اس اقرار نما انکار کے کئی پہلو قابل غور ہیں :-

۱۔ جناب کے نزدیک نبی کے تعلق روح اور کافر کے تعلق روح میں کوئی فرق نہیں۔ کیا آپ کو خیال نہ آیا کہ یہ تو انبیاء علیہم السلام کی صریح توہین ہے؟ روح المعانی کا حوالہ گزر چکا کہ وعندی ان التعلق ایضا مما یتفاوت قوۃ وضعفا بحسب الاشخاص بل و بحسب الازمان

ایضا (روح المعانی ۲۳ : ۴۹-۴۸)

مگر آپ نے سب تفاوت مٹا کے رکھ دیئے۔

۲۔ جناب نے تعلق روح بالبدن کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تعلق تالم و تلذذ کے لیے ایک حیات کے لیے مگر اس کے لیے کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی۔

۳۔ جب یہ تعلق حیات کے لیے نہیں تو فرمائیے حیات کے بغیر تالم و تلذذ کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے۔ کیا پتھر کے لیے بھی تالم و تلذذ کہیں تسلیم کیا گیا ہے۔

کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ بھی اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح صاف انکار کر دیتے تو اس تلمیع کی ضرورت نہ ہوتی۔

تالم و تلذذ کے لیے احساس ادراک اور فہم ضروری ہے۔ اور یہ

حیات کے بغیر محال ہے۔ علم فہم اور احساس کے لیے شرط ہے۔ یہی اہلسنت و الجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

شوکانی۔ ارشاد الفحول صہ ۱۵۳

فالعقلی کالحیاۃ للعلم فان العقل ھو الذی یحکم بان العلم لا یوجد الا بحیاۃ فقد توقف وجودہ علی وجودھا عقلاً ۔

پس دلیل عقلی یہ ہے کہ حیات علم کے لیے شرط ہے۔ عقل ہی کا یہ فیصلہ ہے کہ حیات کے بغیر علم نہیں پایا جاتا۔ اس لیے علم کا وجود حیات کے وجود پر موقوف ہے۔

اور علامہ عبدالقاہر بغدادی۔ الفرق بین الفرق صہ ۳۳۷

واجمعوا علی ان الحیاۃ شرط فی العلم والقدرۃ والارادۃ والرویۃ والسمع وان من لیس بحی لا یصح ان یکون عالما قادرا مریدا مبصرا وھذا خلاف الصالحی واتباعہ من القدریۃ فی دعواھم جواز وجود العلم والقدرۃ والرویۃ والارادۃ فی المیت

تمام اہلسنت کا اجماع ہے کہ علم، قدرت، ارادہ، رویت اور سمع کے لیے حیات شرط ہے۔ اور جو زندہ نہیں اس کا عالم قادر، مرید اور مبصر ہونا صحیح نہیں۔ یہ قول، صالحیہ اور قدریہ کے مخالف ہے۔ ان کا دعویٰ ہے۔ کہ علم قدرت، رویت اور ارادہ حیات کے بغیر بھی میت میں ہونا جائز ہے۔

جناب قاضی صاحب نے تالم وتلذذ کے لیے حیات کو شرط قرار نہیں دیا تو یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ فرقہ صالحیہ اور ان کے متبعین قدریہ

یہی بات مُدّت ہوئی کہہ چکے ہیں۔ مگر یہ بات اہلسنت والجماعت کے
اجماعی عقیدہ کے خلاف ہے۔ اور قاضی صاحب اپنے آپ کو اہلسنت
میں شمار بھی کرتے ہیں اب کون اس تضاد کو رفع کرے۔



صحت حیات کے لیے انسانی ڈھانچہ محفوظ ہونا شرط نہیں۔

اہلسنت کی تحقیق کے مطابق علم، سماع، کلام، تلذذ و تالم وغیرہ کے لیے وجود کا پورا ڈھانچہ ہونا شرط نہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ بدن کے ذرات سے روح کا تعلق قائم کر کے سنا سکتا ہے۔ لیکن معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ان تمام امور کے لیے وجود کا صحیح ہونا شرط ہے۔

اہلسنّت کے دلائل

۱۔ قال تعالیٰ رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تؤمن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی قال فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزاء ہ الخ

اے پروردگار! مجھ کو دکھا کہ تو مردے کس طرح زندہ کرے گا۔ فرمایا کیا تم یقین نہیں لاتے کہا کیوں نہیں۔ لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دل کو تسکین ہو جائے فرمایا تو چار پرندے پکڑ لے پھر انہیں اپنے ساتھ ہلالے پھر ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے۔ الخ

علامہ رازی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

وقد احتج اصحابنا بھذا الایۃ علی ان البنیۃ لیست شرط فی صحۃ الحیاۃ و

ہمارے اہلسنت نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ صحت حیات کے لیے انسانی ڈھانچہ کا محفوظ ہونا

ذلك لانه تعالیٰ جعل كل واحد من تلك الاجزاء والابعاض احیاء فاهما للنداء قادرا علی السعی والعدو فدل ذالك علی ان البنية ليست شرط فی صحة الحياة۔ ۔ ۔ ۔ ولما دلت الاية علی حصول فهم النداء والقدرة علی السعی لتلك الاجزاء حال تفرقها كان دليلا قاطعا علی ان البنية ليست شرطا للحياة (تفسیر کبیر ص۲: ۳۲۹)

شرط نہیں۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اجزاء اور حصوں کو زندہ کیا۔ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کی آواز سنی۔ دوڑنے پر قدرت حاصل ہوئی یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حیات کے لیے پورے جسم کا محفوظ ہونا شرط نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور جب یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ان اجزاء میں ندا کا فہم اور دوڑنے کی قدرت حاصل ہوئی جب کہ وہ بکھرے ہوئے تھے تو یہ قطعی دلیل ہے اس امر کی کہ حیات کے لیے انسانی ڈھانچہ کا محفوظ ہونا شرط نہیں :۔

۲۔ شرح مواقف ص۱۷۱ :۔ اس امر کی بحث کرتے ہوئے کہ عذاب و ثواب کے لیے انسان کی صورت نوعیہ کی بقا شرط نہیں۔

واما الصورة الاخری۔ ۔ ۔ ۔ فان ذلك ای التمسك بها مبنی علی اشتراط البنية فی الحياة وهو ممنوع عندنا

رہی دوسری صورت ۔ ۔ ۔ یہ تمسک اس بات پر مبنی ہے کہ حیات کے لیے ڈھانچہ کا محفوظ ہونا شرط ہے اور اہلسنت کے ہاں یہ شرط ممنوع ہے۔

۳۔ فتح القدیر ۴ : ۹۹

ولهذا كان الحق ان الميت للمعذب فی قبره توضع الحياة لبقدر ما يحس به

حق یہ ہے کہ میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے اس میں اس قدر حیات رکھی جاتی ہے کہ اسے الم کا احساس ہو جائے

الالم والبنية ليست بشرط
عند اهل السنة والجماعة
حتی لوکان تفرق الاجزاء
بحيث لاتتميز الاجزاء بل
هی مختلطة بالتراب فعذب
جعلت الحياة فی تلك الاجزاء
التی لايأخذها البصر وان الله
تعالیٰ علی ذلك لقدير ہ

۴۔ مسامرہ ۲ : ۱۱۸

فان ذلك الامر الذی نتكلم
فيه من سوال الملكين و
عذاب القبر وتعبيه ممكن
اذ لاشرط فی الحياة البنية
عماقدمناه

۵۔ تفسير مظہری ۹ : ۷۷

قال تبارك وتعالیٰ واستمع
يوم ينادی المناد من مكان
قريب يوم يسمعون الصيحة
بالحق قال يقف اسرافيل
علی صخرة بيت المقدس و
يقول يا ايتها العظام النخرة
والجلود المتفرقة والاشعار
المنقطعة ان الله يامركم

اور اہل السنت والجماعت کے نزدیک
جسم کا محفوظ ہونا شرط نہیں حتیٰ کہ
جسم کے اجزاء بکھر جائیں مٹی میں
مل جائیں اور ان کو عذاب دیا جائے
تو ان اجزاء میں اور ذرات میں بھی
حیات رکھی جاتی ہے۔ جنہیں انسانی
آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور اللہ تعالیٰ
اس پر پوری طرح قادر ہے۔

تو جس امر میں ہم گفتگو کر رہے ہیں
مثلاً فرشتوں کا سوال، عذاب قبر
اور اس کی راحتیں یہ ممکن ہے۔ کیونکہ
حیات کے لیے جسم کا محفوظ ہونا شرط
نہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اور توجہ سے سنیے جس دن پکارنے
والا پاس سے پکارے گا۔ جس
دن وہ ایک چیخ کو بخوبی سنیں گے
فرمایا کہ اسرافیل بیت المقدس
کے صخرہ پر کھڑے ہو کر کہیں گے
اسے بوسیدہ ہڈیو! اور چورہ چورہ
کھالو! اور بکھرے ہوئے کٹے
ہوئے بالو!

ان تجمعن لفصل الخطاب ۔	اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ حساب کے لیے اکٹھے ہو جاؤ۔

اس پر دو سوال ہوئے (۱) کہ منادی ارواح کے لیے ہو۔
(۲) منادی کا تعلق امر تکوینی سے ہو تو فرمایا :۔

قلت ماذکر من کلام اسرافیل خطاب للعظام والجلود لا للارواح فلا فائدۃ فی سماع الارواح یوم یسمعون صریح فی اثبات السماع ۔	میں کہتا ہوں کہ کلام اسرافیل کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ ہڈیوں اور چمڑوں کو خطاب ہے۔ ارواح کو نہیں۔ روحوں کے سننے کا یہاں کوئی فائدہ نہیں۔ یوم یسمعون سماع موتیٰ پر صریح دلیل ہے۔

۶۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ ۱ : ۲۰۳ :

ولیقدر علی تعلیق الروح بالجزء الاصلی منہا حالۃ الانفراد وتعلیقۃ بہ حال الاجتماع فان البنیۃ عندنا لیست شرطا للحیاۃ ۔	اور اللہ تعالیٰ قادر ہے اس پر کہ روح کا تعلق بدن کے اصلی اجزاء سے قائم کر دے جبکہ وہ بکھرے ہوئے ہوں اور اس حالت میں بھی جب وہ مجتمع ہوں کیونکہ ہمارے نزدیک جسم کا محفوظ ہونا حیات کے لیے شرط نہیں ہے۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ اہلسنت کے نزدیک سماع وغیرہ کے لیے میت کے بدن کا سالم ہونا شرط نہیں۔

اعادہ رُوح کے بعد جسم اور رُوح کا تعلق قائم رہتا ہے

اعادہ رُوح کے متعلق نصوص اور اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ بیان ہو چکا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ سوال وجواب کے لیے قبر میں جو اعادہ روح ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ تعلق قائم رہتا ہے۔ یا منقطع ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اتصال صرف سوال وجواب کے لیے ہے تو منقطع ہو جانا بعید نہیں اور اگر سوال وجواب کے بعد برزخ کے عذاب وثواب کے لیے بھی ہو تو اس تعلق کا قائم رہنا عقلاً بھی ضروری ہے۔ کیونکہ تألم وتلذذ کے احساس کے لیے حیات شرط ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ جذب القلوب ص ۱۸۶ :۔

بدانکہ تمام اہل سنت وجماعت اعتقاد دارند بہ ثبوت ادراکات مثل علم وسمع مر سائر اموات را از احاد بشر خصوصاً انبیاء علیہم السلام وقطع می کنم بعود حیات مر ہر میت را در قبر چنانکہ در احادیث ورود یافتہ است و وارد نہ شدہ کہ بعد از عود حیات در بدن بار دیگر موت عود میکند۔ بلکہ نعیم قبر وعذاب قبر آنرا تا قیام قیامت ادراک می کند و شک نیست کہ ادراک مشروط بحیات است۔

تمام اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ ادراکات مثلاً علم اور سمع تمام اموات کے لیے اور بالخصوص انبیاء علیہم السلام کے لیے ہے۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ قبر میں ہر میت کے لیے حیات ثابت ہے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ اور کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ قبر میں عود حیات کے بعد موت آتی ہے۔ بلکہ قبر کی نعمتیں اور عذاب قبر کا ادراک قیامت تک رہے گا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ادراک کے لیے حیات شرط ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے تشریح فرمادی کہ اعادہ روح کے بعد قبر میں موت کا حدیثوں سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح علامہ سبکی نے بھی وضاحت فرمائی ہے کہ احادیث میں میت کے لیے قبر میں حیات ثابت ہے۔ مگر دوبارہ موت قبر میں حدیثوں سے ثابت نہیں جن علماء نے اجتہاداً قبر میں موت ثانی کا اقرار کیا ہے۔ وہ بھی اس امر کے قائل ہیں کہ اتنی حیات بہ تعلق روح ضرور ہوتی ہے کہ بدن بھی تالم و تلذذ کا احساس کر سکے۔ بہر حال محدثین کے عود روح کا مسلک احادیث صحیحہ غیر مؤول پر مبنی ہے اور اتصال روح یا تعلق روح یا تاثیر روح کا مسلک اجتہادی ہے۔ اسی طرح عودِ روح منصوص اور متواتر ہے۔ اور دوبارہ انقطاع غیر منصوص اور غیر ثابت ہے۔

شفاء السقام ص ۲۰۳

وقد وردت بها الاخبار الصحيحة فيجب التصديق بها و يقطع بان الحياة تعود الى الميت اما انه هل يموت بعد ذلك موتة ثانية لم يرد في الاحاديث تصريح بذلك ٥

اس امر میں صحیح احادیث وارد ہو چکی ہیں۔ جن کی تصدیق کرنا واجب ہے اور یہ قطعی اور یقینی بات ہے کہ میت کے لیے قبر میں حیات ثابت ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کے بعد میت پر آیا دوبارہ موت آتی ہے؟ تو احادیث میں اس دوسری موت کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی۔



سَماعِ مَوتیٰ

انسان روح اور بدن سے مرکب ہے۔ انسان کے قیام و قرار کے لیے اللہ تعالیٰ نے تین زمانے مقرر فرمائے ہیں۔ دنیا، برزخ اور دار القرار۔ ان تینوں زمانوں کے احکام جدا ہیں۔ ایک محل اور زمانے کے احکام کا اطلاق دوسرے محل اور زمانہ پر نہیں ہوتا۔

کتاب الروح ص۸۰:۔

وجعل لکل دار احکاما تختص بہا ورکب ھذا الانسان من بدن ونفس وجعل احکام دار الدنیا علی الابدان والارواح تبعا لہا فکما تبعت الارواح الابدان فی احکام الدنیا فاذا کان یوم حشر الاجساد وقیام الناس من قبورھم صار الحکم والنعیم والعذاب علی الارواح والاجساد ظاہرا بادیا اصلاً

اور اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے کے احکام جدا بنائے ہیں۔ جو اسی دور سے مختص ہیں۔ اور انسان کو روح اور جسم سے مرکب بنایا۔ اور احکام دنیا کا اجراء بدن پر کیا اور ارواح اس کے تابع ہیں۔
اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری کئے جسم ان کے تابع ہیں۔ جیسا کہ احکام دنیا میں ارواح تابع اجسام ہیں۔ اور جب حشر اجساد ہوگا اور لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے تو حکم اور نعمتیں اور عذاب ارواح اور اجسام دونوں کے لیے ظاہر و باہر ہوں گے۔

تابع و متبوع کی مثال یوں سمجھیے کہ زید ایک محفوظ مقام پر سو رہا ہے

خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ جنگل میں ہوں۔ سامنے سے شیر آرہا ہے۔ زید ڈر کے مارے بھاگتا ہے۔ بیدار ہونے پر محسوس کرتا ہے کہ اس کا جسم خوف کے مارے کانپ رہا ہے اور پسینے میں شرابور ہے۔ اس تکلیف کا اثر بالذات تو روح پر ہوا مگر بالتبع جسم کو احساس ہوا جو لرزہ اور پسینے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہی صورت تلذذ کی ہے۔ محتلم کو خواب میں جو تلذذ ہوتا ہے وہ بالذات تو روح کو ہوتا ہے۔ مگر بالتبع جسم بھی متاثر ہوتا ہے اور اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں احکام شرعی کا مکلف بالذات بدن ہے اور بالتبع روح اور برزخ میں بالذات روح پر عذاب و ثواب کا اثر ہوتا ہے اور بالتبع بدن پر۔ خواہ بدن کے ذرات منتشر ہو جائیں۔ حیات بالذات روح کی صفت ہے بالتبع بدن کی اور عذاب و ثواب کے لیے حیات شرط ہے۔ اس لیے روح اور بدن دونوں متاثر ہوتے ہیں۔ روح بالذات اور بدن بالتبع :۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے روح اور بدن کے لیے جزا و سزا کے دو محل مقرر فرماتے ہیں۔ گویا دو معاد ہیں اور دو بعثتیں ہیں :۔

کتاب الروح صہ۹۱

فان اللہ تعالیٰ جعل لابن آدم معادین و بعثتین یجزی فیھا الذین اساؤا بما عملوا و یجزی الذین احسنوا بالحسنیٰ فالبعث الاول مفارقۃ الروح البدن و مصیرھا الی دار الجزاء الاول والثانی یوم یبعثھم اللہ من القبور	تو اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے لیے، دو معاد اور دو بعثتیں مقرر فرمائی ہیں تاکہ ان میں بروں کو اپنے کرتوتوں کی سزا اور نیکوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔ پہلی بعثت روح کا جسم سے الگ ہونا اور پہلی دار الجزا میں جانا ہے۔ اور دوسری بعثت وہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ان کو

الی الجنة او النار فان البعث الاول لا ینکرہ احد وان انکر کثیر من الناس الجزاء فیہ۔	قبروں سے اٹھا کر جنت یا دوزخ میں بھیج دے گا۔ پس بعثت اوّل کا انکار کسی نے نہیں کیا۔ البتہ اکثر لوگوں نے اس میں جزا کا انکار کیا ہے۔

مادی دنیا میں انسان کے لیے احکام ظاہر ہیں جو مادی آنکھوں سے نظر آتے ہیں مگر عالم برزخ کے احکام مادی حواس سے محسوس، نہیں ہوتے۔ جو حکم روح کے لیے تسلیم کیا جائے وہ عالم برزخ میں بالذات روح کے لیے ہوگا۔ اور بالتبع بدن کے لیے جیسا کہ مندرجہ بالا تصریحات سے ثابت ہے۔

رُوح اور بدن کے احکام کی حقیقت کی وضاحت کے بعد اب سماع موتیٰ کے دلائل ایک خاص ترتیب سے پیش کیے جاتے ہیں۔

قرآن مجید سے سماع موتیٰ کے دلائل

واذ قال ابراھیم ربّ ارنی کیف تحیی الموتیٰ . . . ثم اجعل علی کل جبل منھن جزاء ثم ادعھن یاتینک سعیاہ	اور یاد کر جب ابراہیم نے کہا اے میرے پروردگار مجھ کو دکھا کہ تو مردے کس طرح زندہ کرے گا . . . . پھر ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے پھر ان کو بلا۔ تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔

اِس آیت کے تحت امام رازی فرماتے ہیں :۔

لانہ تعالیٰ جعل کل واحد من تلک الاجزء والابعاض احیاءً اقاھما للنداء قادرا علی السعی والعدو	کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر جزو میں حیات پیدا کی آواز کی سمجھ پیدا کی اور دوڑ کر آنے کی قدرت پیدا کی ۔

(کبیر ۲ : ۳۲۹)

اِن پرندوں کے اجزا نے جو متفرق تھے ندا کو سنا، سمجھا اور دوڑ کر حاضر ہوئے۔ اگر سننے اور سمجھنے کی نفی کریں گے تو دوڑ کر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر اجزاء کا حاضر ہو جانا تسلیم کریں گے تو سننا تسلیم کرنا پڑے گا۔

قاضی صاحب کا ایک سوال

اس پر ایک سوال جناب قاضی شمس الدین صاحب نے وارد کیا ہے۔ کہ حضرت عزیز کو دو جب اپنے حالات کا علم نہیں جو، حضوری ہے۔ تو غیروں کے اقوال کا علم کیسے ہو۔ جو حصولی ہے ۔" (تسکین القلوب ص۵۶) قاضی صاحب کا سوال عوام کو گمراہ کرنے کے لیے بظاہر بڑا وزنی معلوم ہوتا ہے مگر اس کی علمی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ اب پوری آیت اور اس کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ قال کم لبثت ۔ قال لبثت	یا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا، جو ایک شہر پر گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر گرا ہوا تھا کہا اے اللہ مرنے کے بعد کیوں کر زندہ کرے گا۔ پھر اللہ نے اسے سو برس تک مار ڈالا پھر اسے اٹھایا کہا کہ تو یہاں

یومًا او بعض یوم قال بل لبثت مائۃ عام فانظر الی طعامک وشرابک لم یتسنہ ہ

کتنی دیر رہا۔ کہا ایک دن یا اس سے کم فرمایا بلکہ تو سو برس رہا ہے اب تو اپنا کھانا اور پینا دیکھ وہ تو سڑا نہیں۔

اس کی تفسیر میں امام رازی فرماتے ہیں:۔

ثم بعثہ یدل انہ عاد کما کان اولاحیا عاقلا فاھما مستعد اللنظر والاستدلال فی المعارف الالٰھیۃ ولو قال ثم احیاہ لم تحصل ھذہ الفوائد (کبیر ۲ : ۳۲۹) لبثت یوما او بعض یوم یدل علی عدم تغیر حالہ فی بدنہ وشعرہ ولباسہ ہ

ثم بعثہ کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ حضرت عزیرؑ جب اٹھے تو پہلے کی طرح عقل فہم استدلال اور معرفت الٰہیہ کی استعداد موجود تھی۔ اگر اس کی جگہ لفظ ثم احیاہ ہوتا تو یہ فوائد حاصل نہ ہوتے۔

لبثت یوما او بعض یوم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے بدن، بال اور لباس میں کوئی تغیر نہ آیا۔

حضرت عزیرؑ کا جواب ہے کہ لبثت یومًا او بعض یوم یعنی آپ کو نفس لبث کا علم تھا۔ وقت کی تعیین درست نہ ہو سکی۔ ان صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے قاضی صاحب نے عدم علم کہاں سے اخذ کر لیا؟ یہ کوئی پوچھے کہ حضرت عزیرؑ کے یہ الفاظ نفس واقعہ کا علم ہونا ظاہر کرتے ہیں یا عدم علم؟ انہی الفاظ سے ثابت ہوتا ہے (جیسا کہ امام رازی نے فرمایا کہ حضرت کے حال میں کوئی تغیر نہ آیا۔ نہ بدن میں نہ لباس میں نہ بالوں میں) کہ انبیاء کے جسم موت کے بعد بھی محفوظ ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں آتا۔

بل لبثت مائۃ عام اس امر پر دال ہے کہ یہ موت لغیر اجلہ ہے۔ لاجلہ نہیں۔ کیونکہ موت لاجلہ مائۃ عام کی قید سے مقید نہیں ہو سکتی اور موت بغیر اجلہ میں میت پر امور برزخیہ پیش نہیں کیے جاتے۔ جیسے سوال نکیرین، جنت دوزخ وغیرہ۔ کیونکہ امور برزخیہ پیش کیے جانے کے بعد انسان مکلف نہیں رہتا مگر حضرت عزیزؑ اس کے بعد توراۃ کی تبلیغ کرتے رہے۔ پڑھتے پڑھاتے رہے اور ظاہر ہے کہ یہ موت لغیر اجلہ ہے۔ اس کے متعلق امام رازیؒ فرماتے ہیں:۔

ان یقال انھم عاینوا لاھوال والاحوال التی معھا صارت معارفھم ضروریۃ واما ما شاھدوا شیأ من تلک الاھوال بل اللہ اماتھم بغتۃ کالنوم الحادث من غیر مشاھدۃ الاھوال البتۃ۔ الی ان قال واما ان یقال انھم بقوا بعد الاحیاء غیر مکلفین ولیس فی الایۃ ما یمنع منہ اویقال ان اللہ تعالیٰ حین اماتھم ما اراھم شیأ من الایات العظیمۃ لتصیر معارفھم عندھا ضروریۃ د ماذلک الموت کموت سائر المکلفین الذین یعاینوا

یہ کہا جائے کہ انہوں نے سختیوں اور حالات کا مشاہدہ کیا تھا۔ جن سے علم بدیہی ضروری ہو جاتا ہے۔ یا انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اچانک انہیں مار دیا تھا۔ جیسے نیند آجاتی ہے۔ بغیر مشاہدِ احوال کے۔ یا کہا جائے کہ بعد موت زندہ ہو کر غیر مکلف رہے۔ اور آیت میں اس سے کوئی مانع نہیں یا کہا جائے کہ موت کے وقت اللہ تعالیٰ نے امورِ عظیمہ سے کوئی چیز نہیں دکھائی جس کی وجہ سے علم ضروری ہو جاتا اور یہ موت دوسرے مکلفین کی موت کی طرح نہ ہوگی جو قرب موت کے وقت امور برزخیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

الاحوال عند قرب الموت ہ | (تفسیر کبیر ۲ : ۴۸۴)

یعنی حضرت عزیرؑ کی موت لاجلہ تو تھی نہیں اس لیے اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ بصورت غشی تھی یا بصورت امتحان تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آیات عظیمہ کا مشاہدہ نہیں کروایا۔ بہر حال یہ موت ایسی نہ تھی۔ جیسی مکلفین کی موت ہوتی ہے کہ قرب موت کے وقت احوال کا مشاہدہ کرتے رہیں۔

لبثت یوما سے یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عزیرؑ کو برزخ میں ٹھہرنے کا علم تو تھا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دوران وہ کس حالت میں تھے۔ درد۱ و غم میں یا لذت۲ و سرور میں۔ سو شق اوّل کے متعلق تو کوئی مومن تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے لازماً دوسری شق ہی تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو خوشی اور لذت کا علم تھا یا نہیں؟ اگر یہ کہیں کہ علم نہ تھا تو پھر نہ سرور سرور رہے نہ لذت لذت رہی۔ اور اگر کہیں کہ انہیں اپنے احوال کا علم تھا اور اس کے بغیر اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ تو کسی "بزرگ" کا یہ فرمانا کہ ان کو اپنے احوال کا علم ہی نہ تھا۔ معقولیت سے بعید ہے۔ اب رہا تعین وقت کا مسئلہ کہ یوما او بعض یوم جو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمادی تو اس کی حقیقت کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ دن رات کا تصور زمین اور سورج کے باہمی تعلق کے ذریعے ہے۔ برزخ میں اس کا وجود نہیں اس لیے حضرت عزیرؑ کو وقت کی طوالت کا اندازہ نہ ہو سکا۔ اور عند اللہ وہ سو سال کے برابر ہو۔ جیسے قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا مگر مومن کو اتنا معلوم ہوگا۔ جیسے نماز کے وقت کے برابر ہے۔ اسی طرح حضرت عزیرؑ کے لیے تو واقعی یوم یا بعض یوم ہی ہو جیسا کہ طعام و شراب اور ان کے لباس اور بدنی حالات سے معلوم ہوتا تھا۔ مگر عند اللہ وہ سو سال کے برابر ہو۔

صاحب تسکین القلوب نے بھی اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ خوشی اور سرور کی حالت میں طویل زمانہ بھی بالکل چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ البتہ آپ نے اس آیت سے دلالت النص کے طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عزیزؑ کو جب اپنے حالات کا علم نہیں ۔ جو حضوری ہے تو غیروں کے حالات اور اقوال کا علم کیسے ہو۔ جو حصولی ہے" نیز فرمایا کہ "اس طرز استدلال کو سب سلف جانتے اور مانتے ہیں"

اس کے متعلق دو امور غور قابل ہیں :۔

اوّل :۔ اس آیت سے دلالت النص کے طور پر سلف میں سے کسی صاحب نے عدم حیات انبیاء علیہم السلام اور عدم سماع کا عقیدہ سمجھا ہے ؟ اگر ایسا ہے تو ان علمائے سلف کے نام بیان فرمائیں۔ اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یہ تو سلف پر بہتان تراشی ہے یا عوام کو گمراہ کیا گیا ہے۔

دوم :۔ دلالت النص کے طریق استدلال کو ہر وہ شخص جانتا ہے جس نے علم اصول پڑھا ہو۔ مگر دلالت النص کے نام سے غلط استدلال کرنا کم ہی جانتے ہیں۔

نص یہ ہے کہ کم لبثت یعنی سوال تعین وقت کا ہے۔ جواب سے ظاہر ہے کہ وقت کا علم تھا البتہ تعین وقت کا علم نہیں تھا۔ اس لیے دلالت النص کے طور پر استدلال صحیح یہ ہے کہ جب حضرت عزیزؑ کو اپنے قیام برزخ کے زمانہ کا علم نہیں تو غیروں کے قیام برزخ کے زمانہ کی تعین کیسے کر سکتے ہیں۔ جب نص میں اقوال و احوال کا ذکر تک نہیں تو دلالت النص سے احوال و اقوال کا استدلال کیونکر درست ہوگا۔ تعین وقت کے علم کی نفی سے سماع کی نفی نکالنا بھلا دلالت النص کی کون سی قسم ہے۔ انسان سینکڑوں چیزوں کا علم نہیں رکھتا تو کیا اس عدم علم سے عدم سماع بھی ثابت ہوگا۔

عدم سماع اس صورت میں ثابت ہو سکتا تھا۔ جب کوئی شخص حضرت عزیرؑ کو آواز دیتا۔ بعد احیا آن سے کہتا کہ میں نے آواز دی تھی اور آپ سماع کا انکار کرتے۔ لیکن اس قسم کی کوئی صورت قرآن سے نہیں ملتی۔ پھر اس آیت سے عدم سماع کا استدلال کرنا تاویل کی بدترین قسم ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں پرندوں کے متفرق اجزاء کو آواز دی گئی انہوں نے آواز سنی اور تعمیل حکم کی۔ اگر حضرت عزیرؑ کو اس سو سال کے دوران کسی نے آواز دی اور انہوں نے نہیں سنی۔ تو اس کی دلیل لائیے۔ جب کوئی آواز دینے والا ہی نہیں اور کسی نے آواز دی ہی نہیں تو عدم سماع کہاں سے اخذ کر لیا گیا۔

اگر یہاں یہ سوال کیا جائے کہ بعد موت ان کو سو سال تک دنیا سے اوجھل کر دیا گیا۔ اگر یہ صورت مان لی جائے تو یوں کہا جائے گا کہ وہ دنیا سے غائب کر دیئے گئے اور دنیا ان سے اوجھل کر دی گئی۔ کیونکہ سو سال میں بارشیں بھی ہوئیں۔ آندھیاں بھی چلیں۔ موسم بدلے اور طوفان آئے ہوں گے۔ مگر ان تمام چیزوں نے نہ تو حضرت عزیرؑ کے وجود پر کوئی اثر کیا نہ لباس پر نہ کھانے پینے کی چیزوں پر نہ عقل و فہم پر نہ بدن پر۔ اسی لیے یہ کہنا درست ہوگا یہ غائب کرنے کا معاملہ جانبین سے ہوا۔ اس صورت میں یہ اعتراض ہی بے جا ہوگا۔ کہ ان کو علم نہ ہوا۔ جب سب اشیا غائب کر دی گئیں تو علم کیسے ہو سکتا تھا۔ مگر عدم علم سے پھر بھی عدم سماع ثابت نہیں ہوگا۔

۲۔ فتولی عنہم وقال یقوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی ونصحت لکم ولکن لا تحبون النٰصحین ہ	پھر صالحؑ ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمایا اے میری قوم میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہو

کو پسند نہیں کرتے تھے۔

ابن کثیر:۔ قال لھم صالح ذلک بعد ھلاکھم تقریعا وتوبیخا وھم یسمعون ذلک ہ

حضرت صالحؑ نے قوم کی ہلاکت کے بعد ان سے یہ خطاب بطور توبیخ کیا اور وہ یہ بات سن رہے تھے۔

اگر قوم حضرت صالحؑ کی یہ توبیخ نہیں سن رہی تھی تو آخر اس کہنے سے غرض کیا تھی۔ اگر وہ مر کر پتھر ہو گئے تھے تو پتھر کو یہ خطاب کرنے کا فائدہ کیا تھا؟

۳۔ حضرت شعیبؑ کا خطاب اسی قسم کا ہے۔

قال یقوم لقد ابلغتکم رسلت ربی ونصحت لکم فکیف اسی علی قوم کفرین۔

فرمایا اے میری قوم تحقیق میں نے تمہیں اپنے رب کے احکام پہنچا دیئے اور میں نے تمہارے لیے خیر خواہی کی پھر کافروں کی قوم پر میں کیونکر غم کھاؤں۔

تفسیر مظہری:۔ فان قیل کیف خاطبھم بقولہ ابلغتکم بعد ما اھلکوا بالرجفۃ قیل کما خاطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قتلی بدر بعد ما القوا فی القلیب رواہ الشیخان فی الصحیحین ہ

تو اگر یہ کہا جائے کہ ہلاکت کے بعد یہ خطاب کیسے کیا۔ کہا جائے گا کہ جیسے حضور اکرمؐ نے مقتولین بدر سے خطاب کیا تھا۔ جب وہ قلیب میں پھینکے جا چکے تھے۔ اس کو شیخین نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر اور صاحب تفسیر مظہری جس نکتے کو نہ سمجھ سکے وہ زمانہ حال کے ایک محقق نے پا لیا چنانچہ یہ صاحب اقوال مرضیہ صـ ۹۴/۱۰۰ پر فرماتے ہیں۔

"غرض خطاب لفظ کُن سے یا لفظ یا سے سماع پر استدلال کرنا سفسط ہے کیونکہ خطاب تو ہوا چاند سورج، پتھروں کو خیال اور در و دیوار سے بھی کیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہاں سنوانا مقصود نہیں ہوتا ہے"

الجواب:۔ تحقیق تو آپ نے خوب فرمائی مگر خطاب پر بحث کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ مخاطب ذوی العقول ہیں یا غیر ذوی العقول۔ جب خطاب ذوی العقول کو کیا جائے تو اس کو منادی حقیقی کہتے ہیں اور اس سے مقصود سنانا اور متوجہ کرنا ہی ہوتا ہے۔ اور جب مخاطب غیر ذوی العقول ہوں تو اس سے سنانا یا متوجّہ کرنا مقصود نہیں ہوتا اس کو منادی حکمی کہتے ہیں۔ یہ ملحق بالمنادیٰ ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا بتوں کو خطاب کرنا منادی حکمی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل کو خطاب کرنا و انجینا کم منادی حقیقی ہے۔ کیونکہ حاضرین ذوی العقول تھے اور اپنے آباؤ اجداد کے افعال پر راضی تھے اس لیے ان افعال کی نسبت حاضرین کی طرف کی گئی۔ اور یاھامان ابن لی صرحا یہ حکایت ہے حال ماضیہ کی۔ ہامان کو سنوانا مقصود نہیں۔ خطاب کے اس فرق کو اگر آپ خود نہیں سمجھے تو آپ کی حالت قابل افسوس ہے۔ اور اگر سمجھتے ہوئے اپنی بات کی لاج رکھنے اور عوام کو گمراہ کرنے کے لیے یہ حرکت فرمائی تو آپ کی حالت قابل رحم ہے۔

۴۔ قالو یویلنا من بعثنا من مرقدنا ہ
شفاء السقام صـ ۲۰۴ فھو یشعر بالحیاۃ لان الرقاد للحیۃ

کہیں گے کہ ہائے افسوس کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اٹھایا۔ یہ قول میت کی حیات ظاہر کرتا ہے کیونکہ نیند تو زندہ کے لیے ہے۔

جب حیات ہے تو مدرکات حیات فہم سماع کلام ثابت ہوئے۔

۵۔ قیل ادخل الجنۃ قال

کہا گیا جنت میں داخل ہو جا۔ اُس

یلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین ۝

نے کہا اے کاش! میری قوم بھی جان لیتی کہ میرے رب نے مجھے، بخشدیا اور مجھے عزت والوں میں کر دیا۔

اس آیت سے (۱) حیات برزخ ثابت ہوئی (۲) کلام کرنا ثابت ہوا۔ (۳) دنیوی زندگی کے حالات کا محفوظ ہونا ثابت ہوا۔ جب حیات ثابت ہوئی تو مدرکات حیات جن میں سماع بھی ہے لازماً ثابت ہوئے

۶۔ اذیتوفی الذین کفروا الملائکة یضربون وجوههم و ادبارهم و ذوقوا عذاب الحریق ۝

جس وقت فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں۔ ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مارتے ہیں۔ اور کہتے ہیں جلنے کا عذاب چکھو۔

۷۔ فکیف اذا توفتهم الملائکة یضربون وجوههم وادبارهم

پھر کیا حال ہوگا جب ان کی (روحیں) فرشتے قبض کریں گے۔ ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مار رہے ہوں گے۔

۸۔ ولو تری اذا الظالمون فی غمرات الموت والملائکة باسطوا ایدیهم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الهون۔۔۔ الخ

اگر تو دیکھے جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھانیوالے ہوں گے کہ اپنی جانوں کو نکالو آج تمہیں ذلت کا عذاب ملے گا۔

ان تینوں آیتوں میں فرشتوں کا خطاب کرنا محض خطاب برائے خطاب نہیں بلکہ سنانے کے لیے ہے۔ چہروں اور پیٹھوں پر مارنا عذاب کی ایک شکل ہے اور یہ صفات بدن کی ہیں۔ اور عذاب کے احساس کے لیے حیات لازم ہے جب حیات ثابت ہوئی تو مدرکات حیات ثابت ہوئے۔

۹۔ حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا و من ورائھم برزخ الی یوم یبعثون ۝	یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے گی تو کہے گا اے میرے رب مجھے پھر بھیج دے تاکہ جسے میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کر لوں۔ ہرگز نہیں ایک بات ہی بات ہے جسے یہ کہہ رہا ہے اور ان کے آگے قیامت تک ایک پردہ پڑا ہُوا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد برزخ میں :۔

(۱) اپنی دینوی زندگی کی بداعمالیوں کا علم ان کے حافظے میں محفوظ ہے۔
(۲) ملائکہ سے کلام کر رہے ہیں۔ ان کا کلام سن کر جواب دے رہے ہیں۔
(۳) علم، سماع، کلام ثابت ہوئے اور ان کے لیے حیات شرط ہے۔
اس لیے حیات بھی ثابت ہوئی۔

اگر کہا جائے کہ ملائکہ لطیف مخلوق کا کلام تو سن لیتے ہیں مگر غیر لطیف مخلوق انسان کا کلام نہیں سن سکتے تو اس کے لیے کوئی دلیل پیش کیجئے۔

۱۰۔ ان الذین توفٰھم الملائکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض . . . . الخ	بے شک جو لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ تم کس حال میں تھے۔ انہوں نے جواب دیا ہم اس ملک میں بے بس تھے
۱۱۔ حتی اذا جاءتھم رسلنا یتوفونھم قالوا این ما کنتم تدعون من دون اللہ قالوا	یہاں تک کہ جب ان کے ہاں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لیے آئیں گے۔

ضلوا عنا . . . .
الخ

تو کہیں گے کہ وہ کہاں گئے اللہ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے۔ کہیں گے ہم سے سب غائب ہو گئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد ملائکہ کا کلام سنتے ہیں۔ جواب دیتے ہیں گزشتہ زندگی کے اعمال یاد ہوتے ہیں۔ فہم، حافظہ، کلام اور سماع ثابت ہوئے۔

۱۲۔ ولقد اٰتینا موسیٰ الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ وفی الکشاف قیل من لقائک موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لیلۃ الاسرٰی کان قتادۃ یفسرھا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد لقی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ووافقہ علیہ جماعۃ منھم المجاھد والکلبی والسدی ومعناہ لا تکن فی شک من لقائک موسیٰ

اور ابن کثیر ۳ : ۴۶۳۔

فلا تکن فی مریۃ من لقائہ انہ قد رای موسیٰ

اور البتہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تھی پھر آپ اس سے ملنے میں شک نہ کریں اور کشاف میں ہے کہ کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا دیکھنا شب معراج میں مراد ہے۔ حضرت قتادہؓ اس آیت کی تفسیر یوں کیا کرتے تھے کہ حضرت موسیٰؑ کی ملاقات حضورؐ سے ہوئی۔ یہی بات ایک جماعت نے کہی جن میں مجاہد، کلبی اور سدی ہیں اور اس کے معنیٰ ہیں کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں شک نہ کریں۔ (فتح الملھم ۱ : ۳۲۹

فلا تکن ... الخ سے مراد یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ولقی موسیٰ لیلۃ اسری بہ ٥

حضرت موسیٰؑ کو دیکھا اور شب معراج میں ملاقات کی۔

اورابن کثیر ۳ : ۱۵

کان قتادۃ یفسرھا ان نبی اللّٰہ قد لقی موسیٰ علیہ السلام ٥

حضرت قتادہ اس کی تفسیر یوں کرتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے موسیٰ کی ملاقات کی۔

۱۔ واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمٰن الھۃ یعبدون ٥

اور آپ ان پیغمبروں سے جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجیے کیا ہم نے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود ٹھہرائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔

اتقان ۱ : ۲۰ :۔ قال ابن حبیب نزلت بیت المقدس لیلۃ الاسراء ٥

ابن حبیب نے کہا کہ یہ آیت بیت المقدس میں شب معراج میں نازل ہوئی۔

خازن صـ۱۳۷ اور معالم التنزیل صـ۱۶۳ :۔

نزلت ھذہ الایۃ بیت المقدس لیلۃ اسری بالنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ٥

یہ آیت بیت المقدس میں اتری، جس رات حضورؐ معراج پر گئے۔

آیت ۱۲ کے متعلق مسالک العلماء صـ۱۰۳ پر ایک تفسیر پیش کی گئی ہے کہ من لقائہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے۔ اس تفسیر کے متعلق دو امور قابل غور ہیں اول یہ کہ ضمیر کا مرجع قرآن۔ کیا نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے بتایا کیا کسی مفسر نے لکھا، کسی محدث نے بیان کیا؟ متقدمین اور متاخرین علماء میں سے کسی نے یہ دعویٰ کیا؟ اگر ایسا ہے تو نشاندہی کی جائے اور اگر ایسا

نہیں تو کیا یہ تکلف اس لیے کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ثابت ہو گئی تو بار بار ملنا بھی ثابت ہو جائے گا۔ پھر پانچ نمازوں کی فرضیت کا واقعہ بھی ثابت ہو جائے گا اور سماع موتیٰ بھی ثابت ہو جائے گا اس لیے یہ جھگڑا اسی طرح مٹتا ہے کہ قرآن کی تفسیر ہی نئے انداز سے کی جائے۔ یہ کوشش اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے تو ممکن ہے مفید ہو مگر آدمی قرآن کی تحریف کا مجرم تو بن ہی جائے گا۔ ممکن ہے کسی ایسے ہی واقعہ سے متاثر ہو کر کہا گیا ہو۔ ؎

زمن بر صوفی و ملاّ سلامے	کہ پیغام خدا گفتند ما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت	خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

اور آیت صہ ۱۳ کے متعلق شفاء السقام صہ ۱۸۶:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سألھم لیلۃ الاسراء	کہ نبی کریمؐ نے ان رسل سے شب معراج میں سوال کیا۔

اب رہا یہ سوال کہ حضورؐ نے یہ سوال ارواح انبیاء سے کیا یا ارواح مع اجساد سے؟ یہ دونوں احتمال ولائل السلوک میں بیان کئے گئے تھے مگر مرتب کی غلطی یا کاتب کی سہو سے دوسرا احتمال ساقط ہو گیا ہے۔ اب اس کی تفصیل بیان کرنا ضروری ہے۔

فتح الباری ۶ : ۳۱۲:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیلۃ اسری بی مررت علی موسیٰ وھو یصلی فی قبرہ ٥	فرمایا حضورؐ نے جس رات مجھے معراج کرایا گیا میرا گذر موسیٰؑ کے پاس ہوا وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

القول البدیع علامہ سخاوی صہ ۱۶۸

ثم اجتمعوا (انبیاءؑ) فی	پھر انبیاء اکٹھے ہوئے نماز کا وقت

بیت المقدس فحضرت الصلوٰۃ فامھم نبینا صلی اللہ علیہ وسلم

ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امامت کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضورؐ کا گزر اس حالت میں کہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ہوا ظاہر کرتا ہے کہ یہ ملاقات روح مع الجسد ہوئی۔ اور امامت انبیاء کے سلسلے میں دونوں احتمال ہیں۔

انبیاء کو اپنے اپنے مقام پر دیکھنا

پھر آسمانوں پر انبیاء کو اپنے اپنے مقام پر دیکھنے کی تفصیل یہ ہے:۔

حاشیہ نسائی ا : ۲۴۲ زیر حدیث موسیٰ قائم یصلی فی قبرہ :۔

ھذا صریح فی اثبات الحیاۃ لموسیٰ فی قبرہ فانہ وصفہ بالصلوٰۃ انہ قائم یصلی فی قبرہ ومثل ذلک لا یوصف بہ الروح انما یوصف بہ الجسد وفی تخصیصہ بالقبر دلیل علی ھذا فانہ لو کان من اوصاف الروح لم یحتج لتخصیصہ وقال الشیخ تقی الدین السبکی فی ھذا الحدیث ان الصلوٰۃ تستدعی جسدا حیا"

یہ حدیث قبر میں حیات موسیٰ کے ثبوت میں صریح ہے۔ کیونکہ ان کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ اور یہ وصف روح کے متعلق بیان نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ تو جسم کا وصف ہے۔ اور قبر کی تخصیص اس کی دلیل ہے۔ اگر یہ وصف روح کا ہوتا تو قبر کی تخصیص کی ضرورت نہ تھی۔

شیخ تقی الدین سبکی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔

اور شفاء السقام صہ۱۹۱:-

وقد ذکرنالا عن جماعة من العلماء وشهد له صلوٰة موسی فی قبرہٖ فان الصلوٰة تستدعی جسدا حیاد هذالك الصفات المذکورة فی الانبیاء لیلة عنها صفات الاجسام

اور ہم نے علماء کی ایک جماعت سے ذکر کر دیا ہے۔ اور حضرت موسیٰؑ کا قبر میں نماز پڑھنا اس امر کا شاہد ہے کیونکہ نماز پڑھنا زندہ جسم کو چاہتا ہے اور اسی طرح صفات مذکورہ انبیاءؑ کے متعلق تمام کی تمام اجسام کی صفات ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا قبر میں نماز پڑھنا اور انبیاء کا نماز با جماعت پڑھنا زندہ جسم کو چاہتا ہے۔ رہا احتمال یہ کہ ارواح نے متشکل ہو کر پڑھی تھی تو ملاحظہ ہو۔

فتح الباری ۷ : ۱۴۶ :-

فیحتمل الارواح خاصة ویحتمل الاجساد بارواحها وقد استشکل رویة الانبیاء فی السمٰوٰت مع ان اجسادهم مستقرة فی قبورهم بالارض واجیب بان ارواحهم تشکلت بصور اجسادهم او احضرت اجسادهم لملاقات النبی صلی الله علیه وسلم تلك اللیلة تشریفا له و تکریما ویؤیده حدیث

اس بات کا احتمال ہے کہ صرف ارواح ہوں اور اس کا احتمال بھی ہے کہ ارواح معہ اجساد ہوں اور . . . . . اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ آسمانوں پر حضورؐ کا انبیاء کو دیکھنا کیسے ہو جبکہ ان کے اجسام زمین میں اپنی اپنی قبروں میں تھے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یا ان کے ارواح کو اجسام کی شکل دی گئی یا اجسام کو ہی حضورؐ کے استقبال کے لیے حاضر کیا گیا اس دوسری شق کی تائید

عبدالرحمٰن بن هاشم عن انس ففيه وبعث له آدم ومن دونه من الانبياء ۔

عبدالرحمٰن بن ہاشم کی حدیث سے ہوتی ہے جس کو حضرت انس روایت کرتے ہیں اس حدیث میں ہے کہ حضور کے لیے حضرت آدمؑ اور دوسرے انبیاء کو حاضر کیا گیا تھا۔

ان تمام عبارات سے یہی ثابت ہوا کہ جس جسم سے نمازیں پڑھیں وہ جسم عنصری تھا۔ جو دفن ہوا نہ جسم مثالی جیسا صاف الفاظ حدیث کے موجود ہیں۔ بعث له آدم ومن دونه من الانبياء چونکہ مبعوث جسم عنصری سے ہوئے تھے نہ کہ جسم مثالی سے۔ جس جسم کو نبوت ملی تھی اس جسم سے حاضر ہوئے جسم عنصری نبوت کا موصوف تھا نہ کہ جسم مثالی۔

پھر فتح الباری ۷ : ۱۴۹

اختلف في حال الانبياء عند لقي النبي صلى الله وسلم اياهم ليلة الاسرىٰ هل اسرى باجادهم لملاقات النبي صلى الله عليه وسلم تلك الليلة او ان ارواحهم مستقرة في الاماكن التي لقيهم النبي صلى الله عليه وسلم ارواحهم متشكلة بشكل اجادهم كما جزم به ابوالوفاء بن عقيل واختار الاول بعض شيوخنا

انبیاء سے شب معراج میں حضورؐ کی ملاقات کے متعلق اختلاف کیا گیا۔ کیا یہ ملاقات ان کے اجسام کے ساتھ ہوئی اور ان کے ارواح اپنے اپنے مقامات پر قیام کیے ہوئے تھے یا ان کے ارواح اجسام کی شکل میں متشکل کئے گئے۔ جیسا کہ ابوالوفاء نے کہا ہے۔

ہمارے بعض شیوخ نے پہلی شق کو اختیار کیا ہے۔

(۱) راجح قول یہ ہوا کہ انبیاء روح مع الجسد حاضر ہوئے۔

(۲) ملاقات کے لیے انبیاء حاضر ہوئے اور النبی کا لفظ روح مع الجسم

کے لیے بولا جاتا ہے۔ صرف روح کے لیے نہیں "

(۳) "بعض شیوخنا" کے نزدیک بھی قول راجح یہی ہے۔

(۴) جب حدیث صریح میں آچکا ہے کہ آدمؑ سے لے کر تمام انبیاءؑ کو حضورؐ کے استقبال کے لیے بھیجا گیا اور احتمال اول کسی دلیل سے ناسخ نہیں ہے۔

۵۔ محدثین کا اقرار ہے کہ نماز جسم کو چاہتی ہے۔

ثابت ہوا کہ قبر میں اور بیت المقدس میں انبیاءؑ مع جسم حاضر ہوئے۔

آسمانوں میں ملاقات

آسمانوں میں ملاقات کے متعلق قول البدیع صہ ۱۶۸ ملاحظہ ہو:

فقد رای موسٰی قائما یصلی فی قبرہ ثم رای بموسٰی وغیرہ الی بیت المقدس کما اسری بنبینا فراھم فیہ ثم عرج بھم الی السمٰوٰت کما عرج نبینا فراھم فیھا کما اخبر قال حلولھم فی اوقات مختلفۃ جائز فی العقل کما ورد بہ خبر الصادق وفی کل ذلک دلالۃ علی حیاتھمؑ

حضورؐ نے موسٰیؑ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا پھر حضورؐ کو معہ دوسرے انبیاءؑ کے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی۔ اور حضورؐ نے ان کو بیت المقدس میں دیکھا۔ پھر سب کو آسمان تا معراج کرایا گیا۔ پس حضورؐ نے ان کو آسمانوں میں دیکھا جیسے، حضورؐ نے خبر دی۔ صاحب قول البدیع نے فرمایا کہ مختلف اوقات ان کا حلول کرنا عقلاً جائز ہے۔ جیسا کہ حضورؐ نے خبر دی اور ان سب واقعات میں حیات انبیاءؑ پر دلالت پائی جاتی ہے۔

اور فتح الباری ۶ : ۳۱۲ :-

وفی حدیث ابی ذر ومالک بن صعصعۃ فی قصۃ الاسریٰ انہ لقیہم بالسموٰت وطرق ذلک صحیحۃ فیحمل علی انہ رای موسیٰ قائما یصلی فی قبرہ ثم عرج بہ ہو ومن ذکر من الانبیاء الی السموٰت فلقیہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم پھر فرمایا- وصلوتہم فی اوقات مختلفۃ وفی اماکن مختلفۃ لا یردہ العقل وقد ثبت بہ النقل فدل ذلک علی حیاتہم ۔

اور حدیث ابی ذر اور مالک بن صعصعہ میں قصہ اسریٰ میں ہے کہ حضورؐ نے انبیاء کی ملاقات آسمانوں میں کی اور اس حدیث کے تمام طرق صحیح ہیں پھر یہ حدیث اس بات کا احتمال رکھتی ہے کہ حضورؐ نے موسیٰؑ کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا پھر ان کو اور تمام انبیاءؑ کو آسمان کی طرف معراج کرایا گیا اور نبی کریمؐ نے ان کی ملاقات کی۔ اور ان کا نماز پڑھنا مختلف مقامات اور مختلف اوقات میں عقل کے خلاف نہیں اور نقل سے ثابت ہو چکا ہے اور یہ ان کی حیات پر دلالت کرتی ہے

اور فتاویٰ الحدیثیہ ۲ : ۲۵۶

وسائر الانبیاء ردت الیہم ارواحہم بعد ما قبضوا واذن لہم فی الخروج من قبورہم والتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی ۔

اور

اور تمام انبیاءؑ کی ارواح بعد وفات ان کی طرف لوٹائی گئیں ۔ اور انہیں اپنی قبروں سے نکلنے اور عالم علوی اور سفلی میں تصرف کی اجازت دی گئی ۔

علامہ ابن حجر عسقلانی ، ابن حجر مکیؒ ۔ محدث سخاوی اور علامہ سیوطی کی عبارات سے واضح ہو گیا کہ انبیاءؑ کو اسی طرح معراج کرایا گیا جس طرح رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا۔ اور وہ روح مع الجسم تھا۔ ہاں ابن حجر مکی سے صاحب روح المعانی نے اس قدر اختلاف کیا کہ میں اس کا قائل نہیں ہوں کہ انبیاء اپنی قبور سے نکل کر عالم علوی میں تصرف کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ ابن حجر کا نظریہ غلط ہے یا یہ کہ میں حیات انبیاء روح معہ جسم کا قائل نہیں ہوں۔ بلکہ اس کی تصریح کر دی کہ

تحصل من مجموع ھذا الکلام والاحادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی بجسدہ

(روح المعانی ۲۱-۴۴)

اس ساری کلام سے یہ حاصل ہوا اور احادیث سے بھی یہی ثابت ہوا کہ حضورؐ مع جسم اور روح کے زندہ ہیں

محدثین اور مفسرین کی ان تصریحات کے برعکس حضرت قاضی شمس الدین صاحب نے تسکین القلوب میں محض ذاتی اجتہاد کی بناء پر فتویٰ صادر فرما دیا کہ قیامت سے قبل جسموں میں حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ محدثین تو فرمائیں کہ نماز پڑھنا جسم کا وصف ہے۔ اور روح مع الجسم نے بھی حرکت کی اور قاضی صاحب فرمائیں جسم میں حرکت ہوتی ہی نہیں۔ سوچنا پڑتا ہے کہ کس کی بات مانی جائے عقل تو یہی کہتی ہے کہ ان مقدس حضرات کے مقابلے میں قاضی صاحب کا فرمان ایک مجذوب کی بڑ سے زیادہ کوئی وزن نہیں رکھتا۔

برزخ اور قیامت میں دنیا کا علم محفوظ رہنے کا ثبوت

گزشتہ ابواب میں بحث ہو چکی ہے کہ برزخ میں علم، سماع اور کلام کے لیے انسانی وجود کا بتمامہا محفوظ ہونا شرط نہیں۔ اب اس امر کی تفصیل پیش کرنا مقصود ہے کہ میت کا علم جو اس نے دنیا میں حاصل کیا وہ معلومات جو اسے دنیوی زندگی میں حاصل ہوئیں اور وہ احوال جو اس پر گزرے یا اس کے مشاہدہ میں آئے بعد موت اس کے پاس محفوظ ہوتے ہیں۔

قرآن مجید کی شہادت

۱۔ وبرزوا للّٰہ جمیعا فقال الضعفاء للذین استکبروا انا کنا لکم تبعا فھل انتم مغنون عنا من عذاب اللّٰہ من شیٔ قالوا لو ھدانا اللّٰہ لھدیناکم۔۔۔

اور سب اللّٰہ کے سامنے کھڑے ہوں گے تب کمزور متکبروں سے کہیں گے ہم تو تمہارے تابع تھے سو ہمیں اللّٰہ کے عذاب سے کچھ بچاؤ گے وہ کہیں گے اگر ہمیں اللّٰہ ہدایت کرتا تو ہم تمہیں ہدایت کرتے۔۔۔

اس آیت سے دو باتیں ظاہر ہیں اوّل ضعفاء کو یاد ہے کہ دنیا میں ہماری گمراہی کا سبب امراء تھے۔ دوم امراء کو یاد ہے کہ وہ دنیا میں گمراہی کی زندگی گزارتے رہے۔

۲۔ یقول الذین استضعفوا للذین استکبروا لولا انتم لکنا مومنین۔ وہ جواب دیں گے:۔ انحن صددناکم عن الھدیٰ بعد اذ جاءکم بل کنتم مجرمین ہ پھر ضعفاء کہیں گے اذ تامروننا ان نکفر باللّٰہ ونجعل لہ انداداہ

جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے وہ ان سے کہیں گے جو بڑے بنتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار ہوتے۔ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا بعد اس کے کہ وہ تمہارے پاس آ چکی تھی۔ بلکہ تم خود ہی مجرم تھے۔ جب تم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اللّٰہ کا انکار کر دیں اور اس کے لیے شریک ٹھہرائیں۔

اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ مستضعفین اور متکبرین اپنے دنیوی حالات کے محفوظ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو جواب دیں گے۔

۳۔ قال قائل منھم انی کان لی قرین یقول ءانک لمن

ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا وہ کہا کرتا تھا کہ

المصدقین اذا متنا وکنا ترابا وعظاما ءانا لمدینون؟	کیا تو تصدیق کرنیوالوں میں ہے۔ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا ہمیں بدلہ دیا جائے گا۔

یہ بات یاد ہوگی کہ دنیا میں میرا ایک دوست تھا۔ وہ دوست جو تبلیغ کرتا تھا وہ بھی محفوظ ہوگی۔

۴۔ قالوا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا فھل الی خروج من سبیل ۰	وہ کہیں گے اے ہمارے رب، تو نے ہمیں دوبار موت دی اور تو نے ہمیں دوبار زندہ کیا پس ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا پس کیا نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے۔

دنیوی اعمال یاد ہونے کی وجہ سے اعتراف گناہ کریں گے۔

ونادیٰ اصحاب الجنۃ اصحاب النار ان قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا قالوا نعم،	اور بہشت والے دوزخیوں کو پکاریں گے۔ کہ ہم نے وعدہ سچا پایا جو ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا آیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا۔ کہیں گے ہاں۔

انبیاء علیہم السلام نے جو وعدے فرمائے تھے دونوں فریقوں کو یاد ہوں گے۔

۶۔ کلما القی فیھا فوج سالھم خزنتھا الم یاتکم نذیر قالوا بلی قد جاءنا نذیر فکذبنا وقلنا ما نزل اللہ من شیء ان انتم الا فی ضلال کبیر وقالوا	جب اس میں ایک گروہ ڈالا جائے گا تو ان سے دوزخ کے داروغہ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانیوالا نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے ہاں بیشک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا پر

لوکنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر ہ

ہم نے جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا تم خود بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور کہیں گے کہ اگر ہم نے سنا یا سمجھا ہوتا تو ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے۔

انبیاء کا آنا ان کا تبلیغ کرنا یاد ہوگا۔ پھر ان کی تعلیمات کی تکذیب کرنا یاد ہوگا۔ اور تکذیب کرتے ہوئے جو کچھ کہتے رہے وہ بھی یاد ہوگا۔

اربعین رازی صـ۳۸۸

لان من خاض فی علم التفسیر علم ان ورود ھذہ المسئلۃ فی القرآن لیس بحیث یقبل التاویل ہ

جس نے علم تفسیر کا مطالعہ کیا وہ جان لے گا کہ قرآن میں یہ مسئلہ (علم الموتیٰ) اس حیثیت سے وارد ہوا ہے۔ جو قابل تاویل نہیں۔

حدیث نبوی کی شہادت

مشکوۃ صـ۲۶ قبر میں میت سے سوال و جواب ہو چکنے کے بعد ایک مومن کہے گا۔ دعونی اصلی :۔ پھر اس سے کہا جائے گا نم (سو جا) پھر وہ کہے گا۔ ارجع الی اھلی فاخبرھم ہ میں اپنے گھر والوں کی طرف جا کر انہیں اطلاع دیتا ہوں۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ دنیا میں نماز کا پابند تھا چنانچہ قبر میں بھی نماز پڑھنے کا ارادہ ظاہر کرے گا۔ پھر اسے اپنے اہل و عیال یاد ہوں گے۔ ان کی خیر خواہی کا جذبہ موجود ہوگا چنانچہ اہل و عیال میں لوٹ جانے کی آرزو کرے گا کہ انہیں آگاہ کرے کہ اللہ کی اطاعت کا یہ ثمرہ ملتا ہے۔

اشعۃ اللمعات ۳ : ۴۰۱ :-

نیز تنگ نیست در حصول علم

اموات کے لیے برزخ اور آخرت میں

مر موتیٰ را در آخرت و برزخ و بخفیف دین اسلام چنانچہ عائشہ گفتہ و متفق علیہ است در مراد بحدیث پس ممکن است علم باحوال دنیا و اہل دنیا و چیست دلیل بر زوال ایں علم؟ و نسیان آں باوجود بقاءِ روح۔ و آمدہ است کہ کافراں تمنی خواہند کرد عود بدنیا و آمدہ است کہ چوں میت از سوال منکر و نکیر جواب بخیر دہد در راحت یابد آرزو می کند و می گوید اے کاش کسے کہ خبر کند باہل من کہ من در راحتم و بالجملہ کتاب و سنت مملو و مشحون اند کہ دلالت می کند بر وجود علم موتیٰ را بدنیا و اہل آں پس منکر آں نشود آنرا مگر جاہل باخبار منکر دین۔

علم کے حاصل ہونے میں شک نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رض نے فرمایا اور مراد حدیث متفق علیہ ہے پس دنیا اور اہل دنیا کے احوال کا علم ممکن ہے اور اس علم کے زوال پر دلیل کون سی ہے؟ باوجودیکہ روح کے لیے بقا ہے۔ اور قرآن میں آچکا ہے کہ کافر دنیا میں لوٹ کر آنے کی تمنا کریں گے اور یہ بھی آچکا ہے کہ میت جب نکیرین کے سوال کے جواب ٹھیک دیتا ہے راحت پاتا ہے اور آرزو کرتا ہے کہ کاش میرے پسماندگان کو کوئی بتائے کہ میں راحت میں ہوں حاصل کلام یہ کتاب و سنت ان دلائل سے بھرے پڑے ہیں۔ جو دلالت کرتے ہیں کہ میت کو دنیا اور اہل دنیا کا علم ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا منکر صرف جاہل یا بے دین ہی ہو سکتا ہے۔

لیجیے حضرت شاہ صاحب نے وہ بات کہہ دی جو انہی کے پایہ کا کوئی بزرگ ہی کہہ سکتا ہے۔ کہ اس حقیقت کا انکار کرنے والا یا تو جاہل ہے یا منکر دین۔ کاش اقوال مرضیہ اور تسکین القلوب کا سامان دینے والے حضرات غور فرماتے۔

احادیث نبوی اور سماعِ موتیٰ

۱۔ مرقاۃ ۴ : ۱۱۶ :-

عن ابی ھریرۃ قال قال ابو رزین یا رسول اللہ ان طریقی علی الموتیٰ فھل من کلام اتکلم بہ اذا مررت علیھم قال قل السلام علیکم یا اھل القبور من المسلمین والمؤمنین انتم لنا سلف ونحن لکم تبع وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون قال ابو رزین یسمعون ؟ قال یسمعون ولکن لا یستطیعون ان یجیبوا ای جوابا یسمعہ الحی والا فھم یردون حیث لا نسمع ۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم سے ابو رزین نے پوچھا کہ میرا گزر مردوں کے پاس سے ہوتا ہے کیا کوئی کلام ہے کہ وہاں سے گزرتے وقت پڑھ لوں فرمایا ۔ السلام علیکم . . . . الخ کہا کرو ۔ ابو رزین نے پوچھا کیا وہ سنتے ہیں فرمایا وہ سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے یعنی ایسا جواب جسے زندہ آدمی سن سکے ورنہ وہ جواب دیتے ہیں ۔ مگر ہم سن نہیں سکتے ۔

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سماعِ موتیٰ کی جو تصریح فرمادی اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں مگر فنکار حضرات کوئی نہ کوئی راہ نکال لیتے ہیں ۔ چنانچہ شفاء الصدور صـ۸۵ پر اس حدیث پر اعتراض کیا گیا ہے :-

"قلنا فیہ محمد بن الاشعث لا یعرف وقال العقیلی تقدیم

ہم کہتے ہیں کہ اس میں محمد بن الاشعث ہے جو غیر معروف ہے اور عقیلی نے

غیر محفوظ ہ کہا کہ اس کی حدیث غیر محفوظ ہے۔

الجواب: ۱:- یہ جرح مبہم ہے جب تک جرح مفصل نہ ہو لا یعرف کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ محدثین کی عادت ہے کہ جس شخص کے حق میں اس کے معاصر یا تلمیذ معاصر نے کلمات تعدیل نہیں کہے اس کے حق میں یہ لا یعرف حالہ کہہ دیتے ہیں جو مقصود کو مضر نہیں ہوتے۔

۲۔ عقیلی کی جرح قابل اعتبار ہی نہیں دیکھئے السعی المشکور ص۳۸۳ اور ص۳۷۲-۳۷۳

۳۔ لفظ غیر محفوظ خود مبہم ہے۔ عقیلی نے غیر محفوظ کا سبب کیا بیان کیا ہے؟

۴۔ خود عقیلی نے اس حدیث کا استخراج کیا ہے۔ اگر یہ غیر محفوظ تھی تو عقیلی نے ایسا کیوں کیا؟ چنانچہ شرح الصدور ص۸۴ پر علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ

واخرج العقیلی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال ابو رزین یا رسول اللہ ان طریقی علی الموتی فھل من کلام اتکلم بہ اذا مررت علیھم قال قل السلام علیکم ہ

اس لیے یہ غلط ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے۔

اور تسکین القلوب ص۱۴۱ و کتاب القول الجلی ص۶۰ پر یہ ارشاد ہوا ہے "اور ظن غالب یہ ہے کہ یہ حکم پہنچنا تو بلحاظ اثر اور ثمرے اور نتیجے کے ہے جیسے اذا قال السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اصاب کل عبد صالح فی الارض او فی السماء"

اور شفاء الصدور ص۱۷۸ پر

ثم اعلم ان المراد ببلوغ الصلوۃ والسلام انما ھو بلوغ ثوابہ وھو یعم لکل متوفی عندنا اھل السنۃ ہ

اور اقوال مرضیہ صد ۱۰۳ پر سلام زائرین کو سلام دعا و نداء میں داخل کیا اور بلا حوالہ شاہ ولی اللہ رح کے ذمہ لگا دیا۔

تیجیے شفاء الصدور، اقوال مرضیہ اور تسکین القلوب کی مثلث میں حدیث رسول گھر گئی اور "عندنا اہل السنۃ" کا نعرہ بلند کر کے ناقابل تاویل حدیث میں بھی فنکارانہ مہارت کا اظہار فرما دیا۔

الجواب :۔ قرآن کریم نے سلام دو قسم بیان کیا ہے سلام تحیۃ اور سلام دعا۔ پہلی قسم کے متعلق فرمایا واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا او ردوہا اس سلام کا جواب دینا ضروری ہے کہ موجب رد ہے۔ اس کی تصریح حدیث نے کر دی کہ وہ سنتے ہیں جواب دیتے ہیں۔ دوسری قسم سلام دعا موجب رد نہیں اس کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے جیسے ارشاد ہے؟

سلام علی المرسلین، سلام علی ابراھیم، سلام علی نوح فی العلمین سلام علی موسیٰ وھارون ہ

حافظ ابن کثیر نے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے۔

وقد شرح السلام علی الموتی والسلام علی من لم یشعر ولا یعلم بالمسلم محال و قد علم النبی صلی اللہ علیہ وسلم امتہ اذا راؤا القبور ان یقولوا دار قوم مومنین الخ فھذا السلام والخطاب والنداء لموجود یسمع و یخاطب و یعقل ولولا ھذا الخطاب لکانوا بمنزلۃ

اور موتیٰ کو سلام کہنا مشروع کیا گیا ہے اور ایسے شخص کو سلام کہنا جو نہ شعور رکھتا ہو نہ سلام کہنے والے کو جانتا ہو محال ہے۔ اور حضورؐ نے امت کو تعلیم دی ہے کہ جب قبریں دیکھو تو سلام کہو۔ یہ سلام خطاب اور ندا ہے۔ موجود کے لیے جو سنے سمجھے اور اسے خطاب کیا جائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ خطاب معدوم اور پتھر کو ہو گا اور سلف کا اس پر اجماع ہے۔ متواتر

الخطاب المعدوم والجماد والسلف مجموعون علی ہذا وقد تواترت الاثار عنھم بان المیت یعرف بزیارۃ الحی لہ ولیبتبشرہ

روایات میں آچکا ہے کہ میت زندہ زائر کو پہچانتا ہے۔ اور خوش ہوتا ہے۔

(ابن کثیر ۳ : ۴۳۸)

لیجیے ابن کثیر تو کہتے ہیں کہ سلف کا اجماع اس پر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قبور کو جو سلام کہنے کی تعلیم دی وہ موجود کے لیے ہے جو سنتا اور سمجھتا ہے۔ اور یہ بزرگ جو عندنا اھل السنۃ کہہ رہے ہیں۔ وہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ اب کون فیصلہ کرے کہ یہ اہل سنت کا نیا ایڈیشن درست ہے یا سلف صالحین کا اجماع قابل قبول ہے۔

اور عندنا اھل السنۃ فرمانے والے حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سلام کا ثواب ہی پہنچنے کا فیصلہ دے دیا۔ حالانکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کے پاس جو درود و سلام پڑھا جائے حضور خود سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

چلئے اگر آپ بضد ہیں کہ ثواب ہی پہنچتا ہے تو دلیل پیش کیجیے۔ سلام کے الفاظ سننے اور اس کا جواب دینے کے متعلق تو صریح احادیث موجود ہیں آپ کوئی دلیل پیش کریں کہ بس ثواب ہی پہنچتا ہے۔

آپ کے عقیدہ کی تاریخ یہ ہے کہ اس عقیدہ کا اعلان بیکندی متوفی ۴۵۵ھ نے کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم روضہ اطہر میں بے حس، بے شعور پتھر کی طرح پڑے ہیں (معاذ اللہ) اس کی کماحقہ تردید علامہ قشیری اور علامہ بیہقی نے فرمائی۔ پھر یہی عقیدہ مولوی محمد بشیر سہوانی (غیر مقلد) نے اختیار کیا تو مولانا عبدالحی نے السعی المشکور میں اس کی خوب خبر لی۔ اب یہ عقیدہ اقوال مرضیہ، شفاء الصدور، تسکین القلوب وغیرہ

میں یادرفتگان کے طور پر تازہ کیا گیا۔

خلاصہ بحث :- ۱۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میت کا سننا صاف الفاظ میں ثابت ہے۔ عدم سماع پر حدیث رسول پیش کی جائے حدیث کے مقابل میں غیر کا قول حجت نہیں۔

۲۔ اصول حدیث کے مطابق مثبت نافی پر مقدم ہوتی ہے۔

۳۔ اہل قبور کو جو سلام دیا جاتا ہے وہ سلام تحیۃ ہے جو موجب رد ہے۔

۴۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دی اگر اس کا انکار کیا جائے تو سلام دینا ایسا ہوگا جو معدوم یا پتھر کو ہے جو محال ہے۔

حدیث نمبر ۲ = مرقاۃ ۴ : ۱۱۶ اور اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۵۷:۔

واخرج ابن عبدالبر فی الاستذکار والتمہید عن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن احد یمر لقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الاعرفہ ورد علیہ السلام۔ صححہ عبدالحق اور اقتضاء کی عبارت وقد روی حدیث صححہ ابن عبدالبرہ

علامہ ابن عبدالبر نے استذکار اور تمہید میں اخراج کیا ہے۔ ابن عباس رض راوی ہیں کہ حضور ؐ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جو اسے دنیا میں پہچانتا ہو اور وہ اسے سلام کہے تو میت اسے پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔ اس حدیث کو عبدالحق نے بھی صحیح کہا اور ابن عبدالبر نے بھی صحیح کہا۔

۳۔ السعی المشکور فی رد المذہب الماثور ص ۲۷۴

قال الحافظ ابو محمد عبدالحق الاشبیلی فی کتاب العاقبہ

حافظ ابو محمد عبدالحق اشبیلی نے اپنی کتاب العاقبہ میں ذکر کیا کہ حافظ

ذکر ابو عمر و بن عبد اللہ من حدیث ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من احد یمر بقبر اخیہ المؤمن یعرفہ فی الدنیا الا عرفہ و رد علیہ السلام وھو صحیح الاسنادہ

ابن عبد البر نے ابن عباسؓ سے ذکر کیا کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جو اسے دنیا میں پہچانتا تھا تو میت اسے پہچان لیتا ہے۔ اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

۴۔ مرقاۃ ۴ : ۱۱۶ :۔

اخرج ابن ابی الدنیا و البیھقی فی الشعب عن ابی ھریرۃ قال اذا مر الرجل بقبر یعرفہ فسلم رد علیہ السلام و عرفہ و اذا القبر لا یعرفہ فسلم رد علیہ السلام ولم یعرفہ

ابن ابی الدنیا نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابی ہریرہؓ سے بیان کیا کہ جب کوئی شخص ایسی قبر سے گزرے کہ صاحب قبر اسے دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ سلام کہے تو میت اس کو پہچانتا بھی ہے اور وہ سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور اگر ایسی قبر سے گزرے کہ وہ اسے نہ پہچانتا ہو اور سلام کہے تو میت سلام کا جواب دیتا ہے۔ اور پہچانتا نہیں۔

۵۔ السعی المشکور ص ۸۴

اخرج ابن ابی الدنیا فی القبور والصابونی فی المائتین عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ

ابن ابی الدنیا اور الصابونی نے ابو ہریرہؓ نے بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص اپنے واقف کی قبر سے گزرے

صلی اللہ علیہ وسلم مامن عبد مر علی قبر رجل یعرفہ فی الدنیا فسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام۔

اور سلام کہے تو میت اسے پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔

۶۔ ابن کثیر ۳ : ۸۳۴

عن عائشۃ رضی قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن رجل یزور قبر اخیہ ویجلس عندہ الا استانس بہ ورد علیہ حتی یقوم۔

حضرت عائشہ رض روایت کرتی ہیں کہ فرمایا حضور ؐ نے جو شخص اپنے بھائی کی قبر پر جائے اس کے پاس بیٹھے تو صاحب قبر اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اٹھ کھڑا ہو۔

۷۔ شرح الصدور ص ۸۴ :۔

اخرج الحاکم وصححہ و البیہقی عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ وقف علی مصعب بن عمیر حین رجع من احد فوقف علیہ وعلی اصحابہ فقال اشہد انکم احیاء عند اللہ فزوروہم وسلموا علیہم فوالذی نفسی بیدہ لا یسلم علیہم احد الا ردوا علیہ الی یوم القیامۃ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب حضور ؐ احد سے لوٹے تو مصعب بن عمیر اور دوسرے ساتھیوں کی قبر کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ تم زندہ ہو اللہ کے ہاں۔ پس تم ان کی زیارت کیا کرو اور انہیں سلام کہا کرو اور قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ جو شخص انہیں سلام کہے گا یہ جواب دیں گے اور یہ قیامت تک جاری رہے گا۔

٨۔ وفی الاربعین الطائیہ وشرح الصدور ص ٨٥

مروی عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم انہ قال آنس
مایکون المیت فی قبرہ
اذا زارہ من کان یحبہ
فی دار الدنیاہ

فرمایا حضورؐ نے کہ قبر میں میت اس
شخص سے انس پکڑتا ہے۔ جس سے
وہ دنیا میں محبت کرتا تھا جب وہ میت
کی قبر کی زیارت کرے۔

٩۔ مشکوۃ ص ١٥٤: عن عائشۃ
قالت کنت ادخل البیت
فاضع ثوبی واقول انما ھو ابی
وزوجی فلما دفن عمر معھما
مادخلتہ الا وانا مشدودۃ
علی ثیابی حیاء من عمر رض
حاشیہ مشکوۃ حیاء من عمر
اوضح دلیل علی حیات المیت
مرقاۃ ٤ : ١١٧ قال الطیبی
فیہ ان احترام المیت
کاحترامہ حیاً
اور لمعات ١ : ٧٦٧
ودریں حدیث دلیلے واضح است
برحیات میت وعلم وے وآنکہ
واجب است احترام میت نزد
زیارت وے خصوصاً صالحان۔

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ میں حجرہ
میں پردہ کے بغیر داخل ہوا کرتی تھی اور
کہتی کہ ایک میرے شوہر ہیں دوسرے والد
جب حضرت عمر رض دفن ہوئے تو
میں عمر رض سے حیاء کی وجہ سے بغیر پردہ
کبھی داخل نہیں ہوئی۔
حیاء من عمر۔ میت کی زندگی پر
واضح ترین دلیل ہے۔
طیبی نے کہا اس میں دلیل ہے اس
امر کی کہ میت کا احترام اسی طرح کیا جائے
جیسا زندگی میں کیا جاتا تھا۔

اس حدیث میں واضح دلیل ہے۔ میت
کی حیات اور میت کے علم پر اور اس
امر کی دلیل ہے کہ زیارت میت کے
وقت اس کا احترام کیا جائے بالخصوص
صلحاء کا۔

اس حدیث پر اقوال مرضیہ کے مصنّف نے جاہلانہ سوال کیے ہیں :۔

(۱) حیاء عمر رضؓ سے ایسا تھا جیسا بول و براز کے وقت بیت اللہ کی طرف منہ نہیں کیا جاتا واسطے حیاء بیت اللہ کے ۔ کیا بیت اللہ دیکھ رہا ہے اسی طرح حضرت عمر رضؓ نہیں دیکھ رہے ۔

فتح الملہم ۱ : ۴۸۱ : ستر عورت کا حکم خدا نے دیا ہے ۔ اس حکم کے پابند کو خدا تعالیٰ حالت حیاء میں دیکھتا ہے ۔ غیر ستر عورت کی حالت بے حیائی کی ہے ۔ اس کو بے حیائی کی حالت میں دیکھتا ہے ۔ خلاصہ یہ کہ خدا تعالیٰ دونوں حالتوں میں دیکھتا ہے ۔ مگر ایک کو حیاداری میں دوسرے کو بے حیائی میں ۔ اور بیت اللہ کے لیے یہ حکم نہیں ہے ۔ وان کان اللہ یری المستور کما یری المکشوف لکنہ یری المکشوف تارکا للادب والمستور وھذا الادب واجب ارعایتہ عند لقدرۃ علیہ

الجواب :۔ بیت اللہ سے تشبیہ ملاحظہ ہو ۔ کوئی پوچھے کون سا وصف مشترک ہے جسے وجہ شبہ قرار دیا ۔ بیت اللہ ایک عمارت ہے جو پتھروں سے تیار کی گئی ہے ۔ اور حضرت عمر رضؓ عظیم الشان انسان ہیں ۔ جو شہید ہوئے اور شہید از روئے نص قرآنی زندہ ہیں ۔ کیا بیت اللہ کوئی جاندار چیز ہے جسے زندہ کہا جا سکے ؟ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے ۔ کیا حضرت عمر رضؓ کو نماز میں قبلہ بنایا جاتا ہے ؟ بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے جو عبادت ہے ۔ کیا حضرت عمر رضؓ کا طواف کیا جاتا ہے ؟ اس بیچارے کو کون سمجھائے کہ قضائے حاجت کے وقت بیت اللہ کی طرف منہ نہ کرنا شعائر اللہ کی تعظیم کی وجہ سے ہے جو عبادت ہے ۔ اس کو حیا قرار دینا صرف اقوال مرضیہ کے مصنف ہی کا کام ہے ۔

۲۔ دوسرا سوال کیا کہ جب مٹی سے نظر پار چلی جاتی ہے تو کپڑا کس طرح پردہ بن سکتا ہے ؟

الجواب :۔ اس سوال میں تو مصنف کا باطن اور اس میں چھپا ہوا چور صاف نمایاں ہیں ۔

اوّل : مصنّف کے نزدیک یہ حدیث غلط ہے ۔

دوم: حضرت عائشہ کو اتنی سمجھ بھی نہ تھی کہ جب مٹی پردہ نہیں بن سکتی تو کپڑا کیسے پردہ بن سکتا ہے۔ یہ لال بجھکڑ اپنے آپ کو حضرت عائشہ رض سے زیادہ سمجھدار سمجھتے ہیں۔

سوم: مصنف کو مرقاۃ یا لمعات دیکھنے کی فرصت نہیں ملی۔ میت کا احترام اسی طرح کرنا چاہیئے جیسے زندگی میں اس کا احترام کیا جاتا ہے۔ زندگی میں کپڑے کو پردہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح میت سے پردہ کرنے کے لیے بھی کپڑے سے ہی کام لیا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ کا عمل

۱۔ حضرت عائشہ رض کے اس عمل سے کئی امور ثابت ہوئے۔ حضرت عائشہ رض کا عقیدہ تھا کہ حضرت عمر رض زندہ ہیں۔

۲۔ حضرت عائشہ رض کا عقیدہ تھا کہ اہل برزخ کے لیے مٹی بمنزلہ شیشہ کے ہے۔ جس طرح شیشے سے نظر پار چلی جاتی ہے۔ اسی طرح مٹی سے پار چلی جاتی ہے۔

۳۔ حضرت عائشہ رض نے پردہ کرنے کے لیے کپڑے کا استعمال امتثال امر کے طور پر کیا۔

قال تعالیٰ ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او آبائھن ہ

۴۔ قلیب بدر کے متعلق حضرت عائشہ رض کے قول کو غلط معنی پہنا کر انہیں عدم سماع کا قائل قرار دیا جاتا ہے اگر اس قول کے وہی معنی لیے جائیں جو منکرین سماع موتیٰ لیتے ہیں تو اس حدیث سے حضرت عائشہ رض کا رجوع ثابت ہوا کیونکہ یہ واقعہ قلیب بدر کے بعد کا واقعہ ہے۔

اس لیے حضرت عائشہ رض کا عدم سماع کا عقیدہ جو شخص ثابت کرنا چاہے وہ اس کے بعد کا قول پیش کرے۔

فمن ادعا فعلیہ البیان بالبرھان - ھاتو برھانکم ان کنتم ،
صادقین :- حدیث نمبر ۱ = ابن کثیر ۲ : ۲۷۹ :-

ان شابا کان یتعبد
فی المسجد فھویتہ امراۃ فدعتہ
الی نفسھا فما زالت بہ حتی
کاد یدخل معھا المنزل
فذکر ھذہ الایۃ ان الذین
اتقوا اذا مسھم طائف من
الشیطان تذکروا فاذا ھم
مبصرون فخر مغشیا علیہ
ثم افاق فاعادھا فمات
فجاء عمر رض فعزی فیہ اباہ و
کان قد دفن لیلا فذھب
علی قبرہ بمن معہ ثم
ناداہ عمر رض فقال یا فتی و
لمن خاف مقام ربہ جنتان
فاجابہ الفتی من داخل القبر
یا عمر! قد اعطانیھا
ربی عز وجل فی الجنۃ مرتین

ایک جوان مسجد میں عبادت کیا کرتا
تھا ایک عورت اس پر مائل ہو گئی اور
اس نوجوان کو برائی کی دعوت دی یہ
سلسلہ جاری رہا حتی کہ قریب تھا کہ
اس کے گھر میں داخل ہوتا پس اس
جوان کو یہ آیت یاد آئی ان الذین
اتقو... الخ تو غش کھا کے گر
پڑا۔ پھر کچھ افاقہ ہوا پھر بے ہوش
ہو کر گر پڑا اور مر گیا۔ پس حضرت عمر رض
اس کے باپ کے پاس تعزیت کے
لیے آئے اور انہیں رات کو دفن
کیا گیا تھا۔ حضرت عمر رض اس کی قبر پر
گئے اور اپنے ساتھیوں سمیت دعا کی
پھر حضرت عمر رض نے اسے آواز دی
اے جوان جو شخص اپنے رب کے روبرو
کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے۔ اس کے
لیے دو جنت ہیں۔ تو قبر سے اس نے
جواب دیا کہ اے عمر رض یہ دونوں چیزیں
میرے رب نے جنت میں دو دفعہ
دی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۱ مرقاۃ ۴ : ۲۴ اور الحاوی للفتاوی ۲ : ۳۰۵

عن ابی سعید الخدری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان المیت یعرف من یغسلہ ومن یحملہ و من یکفنہ ومن یدلیہ فی حفرتہ ٥

. . . . . . فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میت پہچانتا ہے۔ غسل دینے والے کو اور جو اسے اٹھاتا ہے۔ جو کفن دیتا ہے اور جو اسے قبر میں، اتارتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۲ الترغیب والترھیب ۱ : ۱۹۶

عن ابی ھریرۃ ان امراۃ سوداء کانت تقم المسجد ففقدھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسأل عنھا بعد ایام فقیل لہ انھا ماتت ٥

. . . . . . ایک سیاہ فام عورت مسجد میں جھاڑ دیتی تھی۔ ایک روز حضورؐ نے اسے نہ پایا۔ چند روز کے بعد اس کے متعلق پوچھا۔ عرض کیا گیا کہ مر گئی ہے۔

دوسری روائت ابن مرذوق سے الترغیب ۱ : ۱۹۷

فمر علی قبرھا فقال ما ھذا القبر فقالوا ام محجن۔ قال التی تقم المسجد قالوا نعم ٥ وصف الناس فصلی علیھا ثم قال ای العمل وجدت افضل ؟ قالوا یا رسول اللہ اتسمع ؟ فقال ما انتم باسمع منھا فذکر انھا اجابتہ تقم المسجد ٥

حضورؐ کا اس کی قبر پر گزر ہوا۔ پوچھا یہ کس کی قبر ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ام محجن کی فرمایا وہی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ عرض کیا جی ہاں ۔ پھر صف باندھی نماز جنازہ پڑھی ۔ پھر حضورؐ نے ام محجن سے سوال کیا تم نے کون سا عمل افضل پایا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ آپؐ کی آواز سن رہی ہے فرمایا تم اس سے زیادہ نہیں سنتے پھر حضورؐ نے فرمایا

کہ وہ جواب دے رہی ہے کہ مسجد میں جھاڑو دینے کو افضل عمل پایا۔

حدیث نمبر ۱۳ مشکوۃ ۱ : ۱۴۹ حضرت عمرو بن العاص نے بیٹے کو وصیت فرمائی :-

ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر الجزور ویقسم لحمها حتی استأنس بکم واعلم ماذا اراجع رسل ربی

اور مسلم ۱ : ۷۶

پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر رکنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انس پکڑوں اور جان لوں کہ میرے رب کے بھیجے ہوئے کیسے لوٹتے ہیں :-

حدیث نمبر ۱۴ الطحطاوی شرح مراقی الفلاح صہ ۳۵۹

عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ مات احدکم فسویتم علیہ التراب فلیقم احدکم علی رأس القبر ثم لیقل یا فلان بن ــــ فلانۃ فانہ یسمع ولا یجیب ثم لیقل یا فلان بن فلانۃ فانہ یقول ارشدنا یرحمک اللہ تعالیٰ و... لکنکم لا تسمعون رواہ الطبرانی فی الکبیر مرفوعاہ

. . . . . . فرمایا حضورؐ نے کہ جب تم میں سے کوئی مر جائے۔ جب اس پر مٹی ڈال چکو تو کوئی شخص قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے کہ اے فلاں بن فلاں وہ کلام سن لے گا۔ مگر جواب نہ دے گا۔

پھر کہے اے فلاں بن فلاں۔ اب وہ کہے گا اللہ تجھ پر رحم کرے ہماری رہنمائی کر۔ لیکن تم نہیں سنتے۔

اور تذکرہ قرطبی صہ ۴۲ پر ہے کہ :-

اس پر علامہ طحطاوی نے لکھا ہے :-

اذا فرغوا من دفنہ یستحب الجلوس عند قبرہ بقدر ما ینحر الجزور و یقسم لحمہ یتلون القرآن و یدعو للمیت فقد ورد انہ یستأنس بھم و ینتفع بہ ہ	دفن سے فارغ ہونے کے بعد قبر کے پاس آنا بیٹھنا مستحب ہے۔ جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ اتنی دیر قرآن کی تلاوت کریں۔ میت کے لیے دعا کریں۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ میت ان سے مانوس ہوتا ہے اور اسے فائدہ ہوتا ہے -

پھر اسی میں صـ۳۶۲ پر فرماتے ہیں :-

وقال ابن القیم الاحادیث والاثار تدل علی ان الزائر حتی جاء علم بہ المزور و سمع سلامہ و انس بہ و رد علیہ السلام و ھذا عام فی حق الشھداء و غیرھم ہ	ابن قیم کہتے ہیں حدیث اور آثار دلالت کرتی ہیں کہ جب زائر میت کی زیارت کو آتا ہے، میت کو علم ہو جاتا ہے : اس کا سلام سنتا ہے اور اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور یہ حکم شہداء اور غیر شہداء کے لیے عام ہے۔

جدید محققین کی تحقیق

اس حدیث پر "جدید محققین" شفاء القلوب صـ۹۵ پہ فرماتے ہیں۔

قلت الاستیناس غیر السماع و کذا القراءۃ القرآن علی ما روی عن ابی یوسف و محمد	میں کہتا ہوں کہ "استیناس تو سماع کا غیر ہے۔" اسی طرح قرآن کی تلاوت جیسا کہ ابو یوسف و محمد سے مروی ہے

كما يستأنس الميت بتسبيح الحشيش والنباتات الرطبة في المقبرة ۰ الخ	جس طرح میت نباتات اور سبز گھاس کی تسبیح سے مانوس ہوتا ہے ۔ جو قبرستان میں اُگ رہی ہوتی ہے ۔

یہ حضرت کتنے سادہ و پرکار ہیں۔ خود اپنی بات کی تردید کیے جا رہے ہیں اور سمجھتے نہیں۔ اور ساتھ ہی دوسروں کو دھوکہ بھی دے رہے ہیں۔ اوّل تو آپ فرماتے ہیں کہ استئناس غیر السماع ہے اور پھر جو حوالہ دیتے ہیں وہ اس کی تردید کرتا ہے جیسے سبزہ کی تسبیح سے میت انس پکڑتا ہے۔ سبزہ کی تسبیح سُن کر ہی تو مانوس ہوتا ہے پھر استئناس غیر السماع کیونکر ہوا۔ اگر نباتاتِ خدا کی تسبیح سن کر میت مانوس ہوتا ہے تو اشرف المخلوقات کی قرأت سننے کے لیے راستے میں کون سا ہمالیہ حائل ہوتا ہے۔

اب اس استیناس غیر السماع کی حقیقت سنئیے۔

المنجد :۔ آنسة وانس انسا ضد توحش انس الشئ ابصره و علمه ۔ المسه یؤنسه ایناساً بمعنی انسه ۰	انس ضد ہے توحش کی ۔ کسی چیز سے انس پکڑا یعنی دیکھا اور معلوم کیا ۔
آنس الصوت سمعه واحس به الشئ ابصره ومنه انس من جانب الطور نارا ای ابصره	انس الصوت یعنی آواز کو سنا۔ محسوس کیا اور شئ کو دیکھا۔ اور اسی سے ہے طور کی جانب سے آگ دیکھی ۔
مفردات راغب :۔ فان انستم منهم رشداً ای ابصرتم	اور ان نابالغوں میں جب تم بلوغت کے آثار دیکھ لو۔
ولا مستانسين لحديث ۰ انی انست نارا لعلی اتیکم منها الخ ۰	اور مت بیٹھیں باتوں میں جی لگا کر۔ میں نے آگ دیکھی ... الخ

ان اہل لغت کے نزدیک انس کے لیے دیکھنا سننا اور محسوس کرنا

ثابت ہے مگر "جدید امام لغت" "قلت" کہہ کر صاحب منجد اور صاحب مفردات کی زبان دانی پر پانی پھیر گئے۔ قلت سے ان کی مراد یہ ہے کہ ع
مستند ہے میرا فرمایا ہوا :-

اب ایک اور حضرت کی تحقیق ملاحظہ ہو : تسکین القلوب ص۱۰۵

"یہ کون کہتا ہے کہ حیات ہو اور ادراک و شعور نہ ہو۔ ادراک و شعور تو سب کے نزدیک ہے۔ امنا و صدقنا نزاع اس میں ہے کہ اس ادراک و شعور کے مدرکات کیا ہیں ؟"

اس سلسلے میں مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ جو لوگ جاہل اور گنوار کہلائے جاتے ہیں۔ وہ بھی جب کوئی جھوٹی کہانی بناتے ہیں تو گواہوں کو بیانات رٹا لیتے ہیں تاکہ بیانات میں تضاد کی وجہ سے کہیں کہانی جھوٹی ثابت نہ ہو جائے مگر "چو" حضرات نہ جاہل ہیں نہ گنوار ہیں اتنی احتیاط بھی نہیں فرماتے ۔ ہر ایک کا بیان جدا۔ ایک ہیں کہ حیات کے منکر دوسرے سماع کے منکر اور ایک ہیں کہ ایک ادراک و شعور کے متعلق امنا و صدقنا فرما رہے ہیں۔

رہا ادراک و شعور کے ادراکات کا معاملہ تو پلٹ کر قرآن مجید کی آیات اور احادیث کا مطالعہ فرمالیجیے جو گزشتہ ابواب میں پیش کی گئی ہیں اور اس باب میں پیش کی جا رہی ہیں تو معلوم ہو جائے گا کہ ادراک و شعور کے مدرکات جس طرح اخروی ہیں۔ اسی طرح دنیا کی چیزیں بھی ہیں :-

حدیث نمبر ۱۵ : وعن الحسن عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایزال المیت یسمع الاذان مالم یطین قبرہ ہ

. . . . فرمایا حضور اکرم نے کہ میت آذان کی آواز سنتا ہے جب تک کہ اس کی قبر کی لپائی نہ کی جائے۔

اس حدیث میں بعد تطین قبر جو شرعاً ایک کراہ فعل ہے اس کی وجہ سے اذان نہ سنے گا۔ نہ کہ مطلق سنے گا بھی نہیں۔ حدیث نفی سماع اذان کی ہے نہ مطلق سماع کی۔

اس حدیث پر "جدید محققین" نے اعتراض فرمایا کہ یہ خلاف عقل ہے جب لپائی کی وجہ سے اذان نہیں سن سکتا تو قبر پر جو مٹی پڑی ہے اس کے ہوتے ہوئے کس طرح سن سکتا ہے۔ شفاء الصدور صہ ۹۵

الجواب :- دیکھنے اور سننے میں مٹی کیوں حائل نہیں ہوتی۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو :-

شرح الصدور صہ ۹۵

قال ما رایت الماء اذا کان فی الزجاج ما یتبین قلت بلیٰ قال فکذلک نحن نریٰ من یزورنا ہ

(میت نے) کہا کیا تو نے پانی کو نہیں دیکھا جو شیشے میں ہو وہ کیسے صاف نظر آتا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ میت نے کہا اسی طرح ہم اسے دیکھتے ہیں جو ہماری زیارت کو آتا ہے۔

لپائی سے کیوں نہیں سن سکتا

لپائی کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اسی حدیث کی رو سے قبر کی لپائی مکروہ ہے اور اذان جو دینی نقارہ ہے۔ اس مکروہ فعل کی وجہ سے میت اس کے سننے سے محروم ہو جاتا ہے۔

رہی یہ بات کہ خلاف عقل ہے۔ تو سوچنے کی بات ہے کہ کس کی عقل معیار ہے؟ ایک فن سے ناواقف آدمی تو اسے بھی خلاف عقل کہہ سکتا ہے کہ بجلی کی رو ایک تناور درخت کی چوٹی سے گزاری جائے تو وہ شاخوں اور تنوں سے گزر کر زمین میں پہنچ جاتی ہے۔ مگر کاغذ بر موٹے برڑ کی تہ سے پار نہیں ہو سکتی اسی طرح امور آخرت کا ماہر اللہ کا رسول ایک بات کہہ دے اور کوئی اناڑی اسے خلاف عقل قرار دے تو اس کی عقل کو قول رسول پر ترجیح دینا ایمان اور عقل کے منافی ہے۔

حدیث نمبر ۱۶ :- عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا وضع فی القبر وتولی عنہ اصحابہ انہ لیسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فیقعدانہ فیقولان الخ (مرقاۃ ۱-۱۹۸) وفیہ دلالۃ علی حیاۃ المیت فی القبر لان الاحساس بدون الحیاۃ ممتنع عادۃ

عن انس رض۔ فرمایا حضور اکرم ص نے کہ جب میت کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی گھر کو لوٹتے ہیں، وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ اس وقت دو فرشتے آتے ہیں۔ اسے بٹھاتے ہیں اور سوال کرتے ہیں۔ الخ

اور اس حدیث میں قبر میں میت کی حیات کی دلیل ہے کیونکہ احساس بغیر حیات کے عادتاً محال ہے۔

حدیث نمبر ۱۷ :- شرح حدیث النزول ص ۸۳ :-

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رواہ ابو حاکم فی صحیحہ وقد رواہ ایضا الائمۃ قال ابن المسیب لیسمع خفق نعالھم حین یولون عنہ۔ الخ

حضرت ابو ہریرہ رض نے حضور اکرم ص سے بیان کیا۔ اس کو حاکم نے اپنی صحیح میں بیان کیا اور اسے ائمہ حدیث نے بیان کیا۔ ابن المسیب کہتے ہیں کہ میت ان لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے۔ جو لوٹ کر جا رہے ہوتے ہیں .... الخ

حدیث نمبر ۱۸ - ایضاً :-

عن ابی ھریرۃ الطبرانی فی الاوسط وابن حبان فی الصحیح وروایۃ ابی ھریرۃ مفصلۃ اکثر واولھا عن النبی

حضرت ابو ہریرہ رض سے طبرانی نے اوسط میں اور ابن حبان نے صحیح میں بیان کیا کہ ابو ہریرہ رض کی روایت مفصل ہے۔ جس کا اوّل حصہ یہ ہے

صلی اللہ علیہ وسلم قال ان المیت اذا وضع فی قبرہ انہ یسمع خفق نعالہم حین یولون مدبرین الخ

کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب میت کو دفن کر دیا جاتا ہے تو اپنے ساتھیوں کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے جو گھروں کو لوٹ رہے ہوتے ہیں ۔۔۔۔ الخ

ان حدیثوں پر ایک آسان اعتراض تو وہی ہے جو گذر چکا کہ یہ خلاف عقل ہے ۔ مگر ایک اور اعتراض منکرین سماع کی طرف سے یہ کیا جاتا ہے کہ یہ سماع مقید ہے اول وضع کے ساتھ جس وقت سوال وجواب نکیرین ہوتے ہیں کیونکہ اس وقت روح کا اعادہ کیا جاتا ہے مگر بعد کو نہیں سنتا ۔

اس سادہ اعتراض کا جواب تو اس دوسرے اعتراض میں موجود ہے کہ اس وقت ڈھیروں مٹی کے نیچے خفق نعال کیسے سن لیتا ہے کیا یہ خلاف عقل نہیں دوسرے حصے کا جواب ملا علی القاری نے دیا ہے ۔

مرقاۃ ۸ : ۱۱

ان ما ورد من السلام علی الموتی یرد علی التخصیص باول احوال المدفن اور کتاب الروح ۱۲ وقد استدل بہ من ذہب الی ان الارواح علی افنیۃ القبور وھو اصح ما ذھب الیہ فی ذلک من طریق الاثر الا تری ان الاحادیث الدالۃ علی ذلک ثابتۃ متواترۃ وکذلک احادیث السلام علی القبور ہ

میت کو سلام کہنے کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کو اول دفن کے ساتھ مختص کرنا مردود قرار دیا گیا ہے ۔ جس نے کہا کہ ارواح افنیہ قبور میں ہوتے ہیں اس نے اسی حدیث سے استدلال کیا ۔ اور یہی مذہب سب سے زیادہ صحیح ہے ۔ بوجہ آثار کے کیا تم نہیں دیکھتے کہ متواترہ احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں ۔ اور اسی طرح قبور پر سلام کہنے کی احادیث بھی متواترہ ہیں ۔

یعنی ۱۔ اہل قبور زندوں کا سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ یہ متواترات سے ہے۔

۲۔ مقر ارواح افینہ قبور ہے۔ یہ بھی متواترات سے ہے۔

اور لمعات ۳ : ۴۰۰

وجواب دادہ اند جماعہ از حدیث مسلم کہ ناطق است بسماع میت قرع نعال مردمانرا بانکہ این مخصوص است بوقت نہادن میت در قبر از برائے مقدمہ سوال این تخصیص خلاف ظاہر است دلیل نیست برآں و ظاہر حدیث آنست کہ ایں حالت حاصل است میت [illegible] قبر

حدیث مسلم جو اس امر میں ناطق ہے کہ میت جوتوں کی آہٹ سنتا ہے اس کو جن لوگوں نے اول وضع کے ساتھ مختص کیا ہے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ یہ تخصیص ظاہر کے خلاف ہے۔ اور اس تخصیص پر کوئی دلیل نہیں اور ظاہر اس حدیث سے یہ ہے کہ قبر میں میت کو یہ حالت ہر وقت حاصل ہے۔

نمبر۷ فتح الباری ۲ : ۲۱۵

ولم ینفرد عمر ولا ابنہ بحکایتہ ذلک بل وافقہما ابوطلحہ کما تقدم وللطبرانی من حدیث ابن مسعود مثلہ باسناد صحیح ومن حدیث عبداللہ بن سیدان نحوہ وفیہ قالوا یا رسول اللہ وھل یسمعون قال یسمعون

اور فاروق اعظم اور ان کے بیٹے اس حکایت میں منفرد نہیں بلکہ ابوطلحہ نے ان کی موافقت کی ہے جیسا گزر چکا ہے اور طبرانی میں ابن مسعود کی حدیث اسناد صحیح سے وارد ہے اور اسی طرح حدیث عبداللہ بن سیدان کی حدیث بھی۔ اور اس حدیث میں ہے کہ انہوں نے

کما تسمعون ولکن لا یجیبون ۔

کہا یا رسول اللہ کیا وہ سنتے ہیں ۔ فرمایا حضورؐ نے کہ سنتے ہیں جیسا تم سنتے ہو۔ لیکن جواب نہیں دیتے ۔

اور اشعۃ اللمعات ۳ : ۴۰۰ :- و بہ تحقیق ذکر کردہ است در مواہب لدنیہ کہ در مغازی محمد بن اسحاق باسناد جید و امام احمد بن حنبل نیز باسناد حسن و از عائشہ رض مثل حدیث ابن عمر آوردہ پس گویا عائشہ رجوع کردہ از انکار بسبب آنچہ ثابت شد نزد وے از روایت ایں صحابہ کبار زیرا کہ وی رضی اللہ عنہا حاضر نبود در آں قضیہ و در شرح صحیح بخاری نیز مثل ایں کلام مذکور شد ۔

مواہب لدنیہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ مغازی محمد بن اسحاق میں اسناد جید اور امام احمد بن حنبل نے بھی سند حسن کے ساتھ ۔ اور حضرت عائشہ رض سے حدیث ابن عمر کی طرح وارد ہے ۔ گویا حضرت عائشہ رض نے سماع کے انکار سے رجوع کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان کبار صحابہ کی روایت سے سماع موتیٰ ثابت ہو چکا تھا اور اس واقعہ میں ام المومنین موجود نہ تھیں ۔ اور صحیح بخاری کی شرح میں بھی اسی طرح مذکور ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ہے ۔

۲۰۔ فتح الباری ۷ : ۲۱۵

وفی حدیث ابن مسعود و لکنھم الیوم لا یجیبون و من الغریب ان فی مغازی لابن اسحاق روایۃ یونس

اور حدیث ابن مسعود میں ہے کہ وہ ”آج جواب نہیں دیتے“ اور عجیب بات یہ ہے کہ مغازی ابن اسحاق میں یونس بن بکیر کی

بن بکیر باسناد حسن فان کان محفوظ فکانہا رجعت عن الانکار لما ثبت عندھا ومن روایۃ ھولاء الصحابۃ لکونہا لم تشھد القصۃ ہ

روایت اسناد حسن سے مذکور ہے۔ پس اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو گویا حضرت عائشہ رضؓ نے انکار سماع سے رجوع کر لیا ہے جبکہ جلیل القدر صحابہ کی روایت (سماع موتیٰ) کے بارے میں ان کے ہاں ثابت ہو چکی تھی۔ کیونکہ آپ خود واقعہ میں حاضر نہ تھیں۔

۲۱۔ عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر فتان القبر فقال اترو علینا عقولنا یا رسول اللہ فقال نعم کھیئتک الیوم فقال عمر بفیہ الحجر (الترغیب والترھیب ۴ : ۳۶۲) بفیہ الحجر ای یلقم الفتان الحجرؔ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ حضورؐ نے قبر کے فرشتوں کا ذکر فرمایا تو حضرت عمر رضؓ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ کیا ہماری عقلیں ہمیں لوٹائی جائیں گی فرمایا ہاں جس طرح آج ہیں۔ تو حضرت عمر رضؓ نے کہا کہ ان کے منہ میں پتھر۔ یعنی ان کے منہ میں ہم پتھر ڈال دیں گے یعنی جواب مسکت دیں گے۔

۲۲۔ الحاوی للفتاوی ۲ : ۱۴۳ :-
فقال لہ عمر وانا کما انا الآن قال نعم فقال اذن واللہ اخاصمھما فراٰہ ابنہ عبداللہ بعد موتہ فقال لہ ما کان منک فقال لہ اتانی الملکان فقالا لی

اور حضرت عمر رضؓ نے پوچھا کہ حضورؐ! کیا میں اسی طرح ہوں گا جیسا کہ اب ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں۔ حضرت عمر رضؓ کہنے لگے تو اللہ کی قسم میں اس وقت ان سے جھگڑوں گا۔ حضرت عبداللہ نے حضرت عمر کو بعد وفات دیکھا

من ربك ومن نبيك فقلت ربي الله ونبيي محمد و انتما من ربكما فنظر احد هما الى الآخر فقال انه عمر فوليا عني ۰	اور پوچھا ابا جان ۔ آپ پر کیا گزری حضرت عمرؓ نے جواب دیا میرے پاس دو فرشتے آئے مجھے کہا تیرا رب کون ہے ۔ تیرا نبی کون ہے میں نے کہا کہ اللہ میرا رب ہے اور محمدؐ میرا نبی ہے ۔ اور تبا ؤ تمہارا رب کون ہے تو ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا تو اس نے کہا کہ یہ عمرؓ ہے چنانچہ وہ لوٹ گئے ۔

۲۳ ۔ الترغیب ۴ : ۳۶۵ براء بن عازب سے مروی ہے ۔

قال ان الميت يسمع خفق نعالهم اذا ولوا مد برين حين يقال له يا هذا من ربك وما دينك ومن نبيك ۰	فرمایا حضورؐ نے کہ میت جوتوں کی آہٹ سنتا ہے ۔ جب وہ لوٹ کر جاتے ہیں ۔ جب اس سے پوچھا جاتا ہے اے فلاں تیرا رب کون ہے تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے ۔

۲۴ ۔ بخاری مع فتح الباری ۷ : ۲۱۳ اور مسلم میں قلیب بدر کے بارے میں ۔

فجعل ينا ديهم باسمائهم واسماء ابائهم يا فلان بن فلان يا فلان بن فلان ايسركم انكم اطعتم الله ورسوله فانا وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجدتم ما وعد ربكم حقا	حضورؐ ان کے نام لے کر پکارنے لگے کہ اے فلاں بن فلاں ۔ کیا تمہارے لیے اچھا ہوتا کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہمارے رب نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا ۔ ہم نے تو اسے حق پا پایا کیا تم نے بھی اسے حق پایا جو تم سے وعدہ کیا تھا حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ آپ ان بے روح لاشوں سے کیسے

قال عمر یا رسول اللہ ما تکلم من اجساد لا ارواح لھا فقال رسول اللہ صلی اللہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع ما اقول منھم ۔

گفتگو فرما رہے ہیں ۔ حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سنتے ۔

جس حدیث پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہو اس پر امت کا اتفاق سمجھا جائے گا بوجہ ان کی قبولیت کے :۔

تدریب الراوی ص۸۰

قال ابن الصلاح لکن یلزم من اتفاقھما اتفاق الامۃ ۔۔ لتلقیھم لہ بالقبول ۔

ابن الصلاح نے کہا کہ بخاری اور مسلم کے اتفاق سے امت کا اتفاق لازم آتا ہے ۔ کیونکہ امت نے ان کو قبول کیا ہے ۔

ان احادیث میں من مانی تاویل شروع کر دینا ایک بیکار مشغلہ ہے ۔ مگر منچلے لوگ بھلا کیسے باز آ سکتے ہیں ۔ چنانچہ شفاء الصدور ص۴۳ اور اقوال مرضیہ ص۱۹ پر قرع نعال والی حدیث پر اعتراض کیا گیا ہے :۔

۱۔ ان ذلک کنایۃ عن سرعۃ اتیانھما بعد الدفن لا حقیقۃ ۔

یہ منکر نکیر کے جلدی آنے کا کنایہ ہے حقیقت نہیں ۔

۲۔ قالوا ان معنی الحدیث انہ یکون فی بعد یسمع قرع النعال فی ذلک الموضع اذا اتاہ ملکان ۔

حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اتنا دور ہو کہ جہاں سے جوتوں کی آہٹ سنی جاتی ہے تو فرشتے آ جاتے ہیں ۔

۳- اجاب امامنا ابوحنیفہ عن حدیث یسمع قرع نعالھم ان المعنی فی مقدار ان یذھبوا حتی لو کان حیا ھناك یسمع قرع نعالھم ہ

ہمارے امام ابوحنیفہ نے جواب دیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ لوگ اتنی دور چلے جائیں کہ اگر کوئی زندہ ہو تو، جوتوں کی آواز اتنے فاصلے سے سن لے۔

چلئے قرع نعالھم تو کنایہ سرعۃ اتیان سے ہوا، مگر سوال وجواب کس سے کنایہ ہوا۔ رہی یہ بات کہ اجاب امامنا تو صاحب یہ آپ نے اپنے لیے ایک محفوظ مورچہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ورنہ امام صاحب نے نہ کوئی جواب دیا نہ اس کا ثبوت مل سکتا ہے۔ امام صاحب پر بہتان ہے کہ عدم سماع کے قائل تھے۔ ایسے مسائل کے لیے اصول یہ ہے کہ

السعی المشکور صہ ۲۰۴:-

انہ لا یلزم تصریح کل من الفروع والجزئیات عن الائمۃ فالعلوم تتزاید یوما فیوما بحسب اختلاف حوادث الامۃ وقواعدھم تقتضی الجواز فما لم یظھر تصریحھم علی خلافہ یحکم بالجواز ہ

ائمہ کرام سے ہر مسئلہ کی جزئیات کی تصریح لازم نہیں آتی کیونکہ اختلاف احوال امت کی وجہ سے علوم روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ ائمہ کے قواعد جواز کے متقاضی ہیں۔ جب تک کہ ان کے خلاف ائمہ سے کوئی تصریح مذکور نہ ہو تو جواز کا حکم کیا جائے گا۔

جب امام صاحب سے عدم سماع کی تصریح موجود نہیں تو سماع کے جواز کا فتویٰ ہی امام صاحب کی طرف سے سمجھا جائے گا۔ کیونکہ امام صاحب کا مذہب وہی ہے جو حدیث صحیح ہے اور حدیث سماع موتی کا اعلان کر رہی ہے۔

اور تنبیہات بمراقبۃ المبیت صدا از حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رح۔

"بعض لوگوں نے عدم سماع موتیٰ کا مسئلہ امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے مگر امام صاحب کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ امام صاحب سے صراحتہً یہ امر منقول نہیں ہے۔ اور جس مسئلہ سے لوگوں نے اس کو مستنبط کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب کا جواب عدم سماع موتیٰ کو مستلزم ہے۔ وہ مسئلہ یمین ہے اور ایمان کا مبنی عرف پر ہے۔ اس لیے امام صاحب کا کلام اس بارہ میں صریح نہیں۔"

بنی ایمان بر عرف است۔ شفاء الصدور صد۵۶:۔

"ہر چند مبنی ایمان بر عرف است مگر مقصود فقہاء از نفی سماع درین مقام نفی سماع عرفی و نفی سماع حقیقی ہر دو است۔ زیرا کہ فقہا نفی سماع مطلقاً کردہ اند۔"

الجواب:۔ مولانا بشیر صاحب مجتہد نہیں۔ نہ ہم ان کے مقلد ہیں نہ یہ علمائے نقل سے ہیں۔ جن کے کلام پر اعتماد کریں۔ یہ بھی آپ کی طرح مسئلہ سماع موتیٰ میں متشدد ہیں۔ اور متشدد کی کلام اور سند کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔ جبکہ وہ قول تمام فقہائے کے مخالف بھی ہو۔ آپ حضرات نے بھی کوئی دلیل نقلی پیش نہیں کی جس پر اعتماد کیا جاسکے۔

۱۔ فتح الباری ۴ : ۱۴۱	
بان الایمان مبنیۃ علی العرف ۵	ایمان کی بنیاد عرف پر ہے۔
۲۔ مرقاۃ ۶ : ۱۱	
اقول ھذا منھم بنی علی ان مبنی الایمان علی العرف فلا یلزم منہ نفی حقیقۃ السماع ۵	میں کہتا ہوں کہ ایمان کی بنیاد عرف پر ہے اس لیے یمین سے حقیقت سماع کی نفی لازم نہیں آئے گی۔

۳۔ اشعة اللمعات ۳ : ۴۰۰ :۔

و بناء ایمان بر عرف و عادت است نه بر حقیقت فافهم

ایمان کی بنیاد عرف وعادت پر ہے حقیقت پر نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

۴۔ فتح الملہم ۲ : ۴۷۹ :۔

واما المسئلة الیمین التی ذکرها الشیخ ابن الهمام فمبنی الایمان علی العرف فاذا حلف احد انه لایکلم فلانا فلا یفهم منه اهل العرف التکلیم الا فی حالة الحیاة فلا یحنث بتکلیمه میتا

اور مسئلہ یمین جس کو شیخ ابن الہمام نے (نفی) سماع پر پیش کیا اس کی حقیقت یہ ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہے۔ تو جب کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا تو عرف میں اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس زندگی کی حالت میں کلام نہیں کرے گا۔ اس لیے بعد موت کلام کرے تو حانث نہ ہوگا۔

تفسیر مظہری ۵ : ۳۳۰ :۔

(هو الذی سخر البحر لتأكلوا منه لحما طریا) وتمسك مالك والثوری بهذه الایة انه من حلف لا یأكل لحما یحنث باكل السمك واجیب عنه بان مبنی الایمان علی العرف وهو لا یفهم منه عند الاطلاق

اللہ وہ ذات ہے جس نے دریا کو تمہارے تابع کر دیا کہ اس سے تازہ گوشت کھاؤ۔ امام مالک اور ثوری نے اس آیت سے دلیل لی ہے کہ جس نے قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا وہ مچھلی کھانے سے حانث ہوگا۔ امام صاحب کی طرف سے جواب دیا گیا کہ مطلق گوشت سے مچھلی نہیں سمجھی جائے گی کیونکہ ایمان

الا ترى ان الله تعالیٰ قال
شر الدواب فی الکفار ولا
یحنث الحالف ان لا یرکب
دابة برکوبه علی الکفار

کی بنیاد عرف پر ہے کیا تم نہیں دیکھتے
کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے
شرالدواب کا لفظ استعمال کیا ہے
اب کوئی شخص قسم کھائے کہ دابہ پر
سوار نہ ہوں گا تو کافر پر سوار ہونے
سے حانث نہیں ہوگا۔

مبنی ایمان عرف پر ہے اور عرف میں دابہ چارپائے کو کہتے ہیں اور قرآن نے کافر کے لیے شرالدواب استعمال کیا ہے۔ مولوی بشیر صاحب کے اجتہاد کے مطابق وہ حالف اگر کافر پر سوار ہو جائے تو حانث ہوگا۔ مگر فقہ حنفی میں ایسا نہیں۔ اس لیے اس سماع سے بھی سماع عرفی مراد ہے۔ سماع حقیقی نہیں۔

وحجة ابی حنیفة ان مبنی
الایمان علی العرف والعادة
عادة الناس اذا ذکر اللحم
علی الاطلاق ان لا یفهم
منه لحم السمك بدلیل
انه اذا قال الرجل لغلامه
اشتر بهذه الدراهم لحما
فجاء بالسمك کان حقیقا
لها بالانکار ٥

امام ابوحنیفہ رض کی دلیل ہے کہ قسموں
کی بنیاد عرف و عادت پر ہے اور
لوگوں کی عادت یہ ہے کہ جب مطلق
گوشت کا لفظ بولا جائے تو اس سے
مراد مچھلی کا گوشت نہیں ہوتا۔ اس
کی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص نوکر
سے کہے کہ اس رقم کا گوشت خرید لاؤ
اور وہ مچھلی خرید لائے تو حقیقۃ وہ
انکاری سمجھا جائے گا۔

اسی طرح "بساط" کا لفظ بچھونے کے لیے عرف میں استعمال ہوتا ہے مگر قرآن میں زمین کے لیے بھی ہے۔ تو کیا وہ شخص زمین پر سونے سے حانث ہوگا جس نے بساط پر نہ سونے کی قسم کھائی تھی؟ اگر یہاں عرف کو لیتے ہیں تو سماع موتی

ہیں عرف کو کیوں نہیں لیتے۔ یہی سوال امام صاحب نے کیا تھا کہ جعل حکم الارض لبساطاہ

دیکھیے امام صاحب تو عرف کے حکم عرف تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ مگر آپ ہیں کہ عرف پر لاگو حکم کو حقیقت تک پھیلانے کی جرأت کرتے ہیں اور لطف یہ کہ بہتان فقہا کے ذمے لگاتے ہیں :۔

حاشیہ شرح وقایہ ۲ : ۲۵۳ :۔

ان ما ذکروا من ان الا یلام لا یتحقق فی المیت مخالف للاحادیث الدالۃ علی ان المیت یتاذی بما یتاذی منہ الحی کما ذکرہ السیوطی فی کتابہ شرح الصدور۔ والثالث ان قولھم فی باب الدخول ان زیارۃ المیت زیارۃ القبر لا زیارۃ للمقبور یخالف قولہ علیہ الصلوۃ والسلام من جاء فی زائرا لا تصلہ حاجۃ الا زیارتی حق علی ان اکون لہ شفیعا یوم القیامۃ۔ واقوالہ صلی اللہ علیہ وسلم والۃ علی ان المیت یستانس

اور یہ بات جو انہوں نے ذکر کی ہے کہ میت میں الم کا احساس نہیں ہوتا ان احادیث کے خلاف ہے جو دلالت کرتی ہیں کہ میت کو ان امور سے اذیت ہوتی ہے جن سے زندہ کو اذیت ہوتی ہے جیسا کہ سیوطی رح نے اپنی کتاب شرح الصدور میں ذکر کیا ہے۔

اور سوم یہ کہ باب الدخول میں ان کا یہ قول کہ زیارت میت دراصل قبر کی زیارت ہے۔ مقبور کی زیارت نہیں تو یہ بات حضورؐ کے فرمان کے خلاف ہے کہ فرمایا حضورؐ نے کہ جو شخص صرف اور صرف میری زیارت کی غرض سے آیا۔ مجھ پر اس کا حق ہو گیا کہ قیامت کے روز اس کی شفاعت کروں اور حضورؐ کے ارشادات دلالت کرتے ہیں کہ میت اپنے زائر سے مانوس

بزائرہ ویجیب سلامہ و یعرف من کانت بینہ وبینہ معرفۃ وھی کثیرۃ فی کتب الحدیث مرویۃ

ہوتا ہے۔ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ اور اس کو پہچانتا ہے۔ جسے دنیا میں پہچانتا تھا۔ کتب احادیث میں ایسی روایات کثرت سے ہیں۔

الرابع ان قولھم فی بحث الکلام یخالف الاحادیث الصحیحۃ الدالۃ علی ان المیت یسمع سلام من یسلم علیہ ویجیب السلام ویفھم کلام الاحیا وھی مرویۃ فی الصحیحین وغیرھماہ

چہارم۔ کلام کی بحث میں ان کا قول احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جو دلالت کرتی ہیں کہ میت سلام کہنے والے کا سلام سنتا ہے۔ سلام کا جواب دیتا ہے۔ اور زندہ آدمیوں کی کلام سمجھتا ہے۔ اور ایسی احادیث صحیحین وغیرہ میں روایت کی گئی ہیں:۔

اور حاشیہ شرح وقایہ ۲ : ۳۵۴:۔

وبالجملۃ لم یدل دلیل قوی علی نفی سماع المیت وادراکہ وفھمہ وتالمہ لامن الکتاب ولامن السنۃ بل السنۃ الصحیحۃ الصریحۃ دالۃ علی ثبوتھا لہ والحق فی ھذا المقامات ھذا کلہ من تقریرات المشائخ وتوجیھاتھم و

مختصر یہ کہ میت کے سماع، اس کے ادراک فہم اور تالم کی نفی کی کوئی قوی دلیل موجود نہیں ہے۔ نہ کتاب اللہ میں اور نہ سنت رسول میں۔ بلکہ صحیح اور صریح سنت تو سماع میت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں حق بات یہ ہے کہ نفی سماع کی ساری باتیں مشائخ کی تقریریں ہیں اور ان کی توجیہات

تکلفاتهم ولا عبرة بها حين مخالفتها للاحاديث الصحيحة وآثار الصحابة الصريحة ۔

ہیں اور محض تکلفات ہیں ۔ ان پر کوئی اعتبار نہیں جبکہ صحیح احادیث اور صحابہ کے صریح آثار ان کی مخالفت میں موجود ہیں ۔

ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ فقہا نے جس سماع کی نفی کی ہے ۔ وہ سماع عرفی ہے ۔ جس کا تعلق اس دنیا سے ہے ۔ سماع حقیقی کی نفی نہیں ۔ فقہا کی ان عبارات کو نفی سماع حقیقی پر محمول کرنا صریح دھوکہ ہے ۔

اسی شرح وقایہ کے حاشیہ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ :۔

واما ائمتنا فهم بريئون عن انكار هذا الامر وانما حكموا فى الحلف بالضرب والكلام والدخول عليه ونحوها بعدم الحنث عند وجود هذه الاشياء بالميت لكون الايمان مبنية على العرف والعرف قاض ان هذه الامور يراد بها ارتباطها مادام الحياة لا بعد الموت فالكلام بالميت وان كان كلاما حقيقة ويوجد فيه الاسماع والافهام لكن العرف يحكم بان المراد بقوله اكلمك هو الكلام

اور جہاں تک ہمارے ائمہ کرام کا معاملہ ہے ! وہ ان امور کے انکار سے بیزار ہیں ۔ انہوں نے میت کو مارنے اس سے کلام کرنے وغیرہ افعال کی صورت میں حانث نہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ ایمان کی بنا عرف پر ہے اور عرف پر ہی ان امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے ۔ اس سے مراد حالی زندگی ہی لی جاتی ہے نہ کہ بعد موت اور میت سے جو کلام کی جائے اگرچہ وہ کلام حقیقی ہوتی ہے اور اس میں سماع و افہام پایا جاتا ہے ۔ لیکن عرف کی رو سے اس کے قول کا تعلق کہ "میں کلام نہیں کروں گا" حالت حیات سے ہے اور یہی صورت ایلام

حالة حياته وكذا الايلام وان كان يتحقق فى الميت لكن العرف قاض على ان المراد فى قوله لااضربك هو ضربه حيالاميتاه

کے بارے میں بھی ہے۔ خواہ اس کا تحقق میت میں ہو جائے لیکن عرف کا فیصلہ یہ ہے کہ اس قول سے مراد کہ میں "اسے نہ ماروں گا۔" حیات سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ بعد موت سے۔

شفاء الصدور صہ۴ اقوال مرضیہ صہ۸۲ تسکین القلوب صہ۶ بحوالہ فتاوی الغرائب فی المذاہب بلا قید صفحہ وغیرہ۔

رای الامام ابو حنیفه من یاتی القبور باهل الصلاح و استدلال المنکرون ومنهم عائشة وابن عباس ومنهم الامام بقوله تعالیٰ انك لاتسمع الموتی الخ ہ

منکرین سماع نے آیت "انك لاتسمع الموتی" سے استدلال کیا ہے۔ ان میں حضرت عائشہ رضؓ حضرت ابن عباس رضؓ اور امام صاحب بھی شامل ہیں۔

حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت ابن عباس رضؓ کے انکار کی حقیقت اپنے مقام پر آئے گی اس موقع پر امام صاحب کے متعلق وضاحت کی جاتی ہے۔ آپ نے "فتاوی الغرائب فی المذاہب" کا حوالہ دیا ہے۔ اس لیے فرمایئے :۔

۱۔ اس کا مصنف کون ہے ؟

۲۔ حوالہ بقید صفحہ لکھیں۔

۳۔ من یاتی القبور میں من سے مراد کون شخص ہے۔

۴۔ اس حکایت کا بیان کرنے والا کون ہے ؟ اس کی سند امام صاحب تک پیش کریں۔

حیرت ہے کہ ایک مجہول شخص کی مجہول حکایت بیان کرکے اسے امام صاحب

کا مذہب قرار دے رہے ہیں۔ امام صاحب کا مذہب بیان کرنا ہے تو متون فقہ سے کریں۔ کتب معتبرہ معتمدہ متداولہ اور مفتی بہ فتاوی میں سے امام صاحب کا مذہب بیان کریں۔ اگر عقل سلیم سے کام لیا جائے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ اگر یہ امام صاحب کا مذہب ہوتا تو یقیناً اصحاب امام اور مشائخ مذہب محل گفتگو میں لاتے اور یہ مسئلہ عامۃ الورود ہوتا۔ ان حضرات کا کمال یہ ہے کہ مجہول روایت کو بنیاد مذہب قرار دے رہے ہیں۔ مگر متواترہ احادیث کو خاطر میں نہیں لاتے نہ اجماع امت کو کوئی وزن نہیں دیتے۔ مگر اتباع ہویٰ انسان سے کیا کچھ نہیں کراتی۔

حضرت قاضی صاحب نے ایک اور رٹ لگائی کہ حضرت مولانا رشید احمد کے نزدیک امام صاحب کی روایت ثابت ہے۔" مگر کہاں ثابت ہے؟ ثبوت بھی تو پیش کیا ہوتا۔ آپ کا فرمانا سر آنکھوں پر مگر جب آپ متواترہ احادیث سے، انکار کر دیتے ہیں تو آپ کی بات کیونکر قابلِ قبول ہو۔ سند بھی تو پیش فرمایئں۔

ہم یہ اعلان کیے دیتے ہیں کہ امام صاحب کا کوئی قول صریح ان شرائط کے ساتھ عدم سماع کے متعلق نہیں پیش کیا جا سکتا اور نہ ملتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے بستان المحدثین میں ترجمہ مسند امام اعظم میں فرمایا۔

بر صاحب ہر عقل پوشیدہ نہ ماند کہ مرویات شخص از رطب و یابس مجموعہ و مخلوط می باشد تا وقتیکہ خود آں شخص کہ اعتقاد بزرگی و فضیلت او داریم آں مخلوط را متمیز نہ کند و بارہا بہ نظر امعان و تعمق مطالعہ نماید و شاگردان خود را تعلیم نہ کند محل اعتماد چہ قسم تواند بود۔

کسی عقل مند آدمی سے مخفی نہیں کہ ہر شخص کی مرویات رطب و یابس اکٹھی ہوتی ہیں۔ جس شخص کی بزرگی اور فضیلت پر اعتقاد رکھا جائے جب تک وہ اپنی ایسی مرویات کو خود بار بار گہری نظر سے مطالعہ کر کے کامل اور ناقص کو الگ الگ نہ کرے اور اپنے شاگردوں کو اس

کی تعلیم نہ دے ان پر اعتماد کیسے کیا
جا سکتا ہے۔

اب ذرا ان شرائط کے ساتھ امام صاحب کی ایک روایت ہی پیش کریں جو انہوں نے عدم سماع کے حق میں فرمائی ہو۔

صاحب شفاء الصدور کی دلیری

اب ذرا صاحب شفاء الصدور کی دلیری ملاحظہ ہو۔ آپ صـ۱۰۶ پر رقمطراز ہیں :۔

"پھر ابو حنیفہ کا دروازہ کھٹکٹایا تو اندر سے جواب ملا کہ لعنت ہو اس شخص پر جو یہ عقیدہ رکھے کہ مردے سنتے ہیں، ذرا ان حضرات کی اس جرأت کا تجزیہ کیجیئے :۔

۱۔ متواتر احادیث گزر چکی ہیں کہ میت سنتا ہے۔

۲۔ صحابہ کا عقیدہ بیان ہو چکا ہے کہ میت سنتا ہے۔

۳۔ محدثین کا عقیدہ گزر چکا ہے کہ میت سنتا ہے۔

۴۔ اجماع امت گزر چکا ہے کہ سماع موتٰی کا عقیدہ حق ہے۔

اب بتایئے کہ کیا امام ابو حنیفہ کے متعلق کوئی صاحب ایمان یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ انہوں نے ان تمام جماعتوں پر لعنت کی ہو؟

بات اصل میں یہ ہے کہ صاحب شفاء الصدور نے پہلے تو اپنی خواہشات، نفسانی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ پھر مولوی بشیر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور مہارت فن کا اظہار کرنے کے لیے دروازے پر امام ابو حنیفہ کے نام کا بورڈ آویزاں کر دیا تاکہ مخلوق کو دھوکا دیا جا سکے کہ دیکھیے یہ امام ابو حنیفہ کا مکان ہے دروازے پر ان کے نام کی تختی آویزاں ہے۔ بھلا کون تحقیق کرے گا کہ واقعی یہ امام صاحب کا دروازہ ہے یا نہیں۔ اس لیے آپ کو اپنے گھر سے جو آواز آئی ہے۔ اس

کے مخاطب صرف آپ ہی ہیں یا آپ کے حواری۔ صحابہ کرام اور صلحائے امت کا دامن اس سے پاک ہے۔

ایک اور مشورہ ملاحظہ ہو۔ اقوال مرضیہ صد ۶۶ :۔ "سماع کو اپنے مورد پر بند رکھنا چاہیئے دوسرے اموات کو اس پر قیاس نہ کرنا چاہیئے" درست فرمایا آپ نے مگر کیا عدم سماع کو بھی اپنے مورد پر بند رکھنا چاہیے۔ یا نہیں ؟ اگر جواب مثبت ہے تو ذرا ایک صحیح حدیث پیش کیجیے۔ جس میں صراحت ہو کہ میت نہیں سنتا۔ ہم نے سماع موتٰی کے حق میں چوبیس کل احادیث پیش کر دی ہیں :۔

سماع کے مورد کا خلاصہ

اب سماع کے مورد بطور خلاصہ پیش کیے جاتے ہیں۔ تفصیل گزشتہ ابواب میں گزر چکی ہے :۔

۱۔ قرآن مجید میں وارد ہے کہ وقت قبض روح سے لے کر برزخ میں اور قیامت میں میت کو دنیا کے واقعات کا علم ہوتا ہے اور سنتا ہے۔

۲۔ حدیث میں وارد ہے کہ جنازہ اٹھاتے وقت نیک کہتا ہے ۔قدمونی اور بد کہتا ہے این یذھبون بھا اور یہ لسان قال سے کہتا ہے۔

۳۔ حدیث میں وارد ہے کہ میت اپنے غسل دینے والے کو پہچانتا ہے۔ جو اٹھا کر چلتے ہیں ان کو پہچانتا ہے۔

۴۔ حدیث میں وارد ہے کہ جو آدمی کفن پہنا رہے ہوتے ہیں میت ان کو پہچانتا ہے۔ جو قبر میں اتارتا ہے ان کو پہچانتا ہے۔

۵۔ حدیث میں وارد ہے کہ میت پاؤں کی آہٹ سنتا ہے۔

۶۔ حدیث میں وارد ہے کہ قبر کے پاس جو میت کو سلام کہے وہ سنتا ہے۔ جواب دیتا ہے واقف کو پہچانتا ہے۔ مانوس ہوتا ہے۔

۷۔ حدیث میں وارد ہے کہ فاروق اعظم نے ایک جوان کی قبر پر جاکر آواز دی تو اس نے آواز سنی اور جواب دیا۔

۸۔ حدیث میں وارد ہے کہ سوال و جواب کے بعد ایک مومن کہتا ہے۔ کہ مجھے اجازت دو کہ اہل و عیال کو اس کامیابی کی بشارت دوں۔

۹۔ حدیث میں وارد ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ قلیب بدر کو نام بنام پکارنے کے بعد رب کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ مردے تم زندوں سے اچھا سنتے ہیں۔

فرمایئے کیا سماع کو اپنے مورد پر نہیں رکھا گیا؟ اور یہ نص ہے یا قیاس ہے؟ آپ بھی ہمت کر کے عدم سماع پر کوئی ایک نص تو پیش کریں۔



تحقیق مسئلہ سماعِ موتیٰ

جو چیز عدم سے وجود میں آئی وہ مخلوق ہے اس کا وجود میں آنا زندہ ہونے کی دلیل ہے۔ جب زندہ ہے تو کلام کرتی ہے سنتی ہے دیکھتی ہے۔ ہاں جس قسم اور جس نوعیت کی وہ شے ہے اس کا سننا دیکھنا اور کلام کرنا بھی اسی قسم اور اسی نوعیت کا ہوگا۔ اس لیے قرآن حکیم میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ وان من شیٍ الّا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم

۱۔ یعنی ہر شے تسبیح کرتی ہے۔

۲۔ لیکن ان کی تسبیح تم سمجھ نہیں سکتے۔

جہاں تک پہلے حصّے کا تعلق ہے تسبیح کنندہ کے لیے ضروری ہے کہ خالق اور مخلوق میں فرق سمجھے۔ پھر یہ کہ خالق کی تسبیح کر رہا ہوں مخلوق کی نہیں۔ پھر تسبیح و غیر تسبیح میں فرق جانے۔ لہٰذا ہر شے کے لیے کلام ثابت ہوئی۔ اور اس کے ساتھ فہم، علم اور حیات تینوں اوصاف ہر شے کے لیے ثابت ہو گئے۔

جہاں تک دوسرے حصّے کا تعلق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہے مگر تم عادت کے طور پر ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ مگر خرقِ عادت کے طور پر سمجھنے کی نفی نہیں۔ اور ان کی تسبیح کے عدم فہم سے عدم تسبیح لازم نہیں آئے گی۔

پہلے حصّے میں جو بات اجمال کے طور پر کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے کئی اشکال دور ہو سکتے ہیں۔ سب سے پہلے لفظ "شے" قابلِ غور ہے۔ اس کے مفہوم میں کیا کچھ شامل ہے؟

کائنات کی ہر چیز مثلاً زمین و آسمان اور وہ تمام چیزیں جو اس میں موجود ہیں سورج، چاند، تارے۔ شجر، حجر، آگ، مٹی، پانی، نباتات، حیوانات انسان ہر چیز پر لفظ شے کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لیے ان سب کا تسبیح کرنا نص سے ظاہر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر شے کے تسبیح کرنے کا ذکر اس کثرت سے کیا ہے۔ جیسے یہ عقیدہ پختہ کرانا مقصود ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ الکلام علی الفطرۃ صـ۳۲۲ پر اس کا اجمالی ذکر کیا ہے۔

فنوع الانسان اشرف من کثیر من المخلوقات قال ابن عباس من جمیع المخلوقات قاله فی قوله ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبات وفضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا ولاشک انه افضل من الجمادات وقد فطر الله الجمادات علی تسبیحه و تحمیده وتنزیه نطقا لا یفھمه الا الذی انطقھا به قال ہ

(۱) تسبح له السموات السبع والارض ومن فیھن و ان من شیء الا یسبح بحمده

پس نوع انسانی بہت سی مخلوق سے افضل ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ساری مخلوق سے افضل ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالےٰ کا یہ فرمان ہے۔ اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور ستھری چیزوں سے روزی دی اور ان کو بہتوں سے بڑھا دیا جن کو ہم نے بڑائی دے کر پیدا کیا۔ یقیناً انسان افضل ہے جمادات سے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جمادات کو اپنی تسبیح اور حمد و ثنا بیان کرنے کے لیے پیدا کیا۔ جن کی زبان وہ خود سمجھتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ سات آسمان اور زمین جو کچھ ان میں ہے ہر چیز اللہ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح اور حمد کو سمجھ

ولكن لا تفقهون تسبيحهم
انه كان حليما غفورا قال
شيخنا ابن قاضي الجبل في هذه
الآية قال تسبيحها اي اذا كانت
الجمادات التي لا تشعر تسبيح
بحمد خالقها فهو عليم
غفور اذ لم يعاجل المقصرين
الذين كملت النعمة في حقهم
بالعقوبة ۔

(۲) وقال الله تعالیٰ الم تر ان
الله يسبح له من في السموات
والارض والطير صافات
كل قد علم صلاته وتسبيحه
(۳) وقال تعالیٰ يسبح لله ما في
السموات والارض والآيات
كثيرة في هذا الباب قد اتى
بلفظ الماضي الدال على
وقوع التسبيح وصدوره
بلفظ المضارع على استمرار
التسبيح وتجدده ، على وقعت
ولا يستشعر معرفتها خالقها
وتسبيحها بحمده اذ قد فطرها
عليه كما فطر بني آدم ۲

نہیں سمجھ سکتے ۔ ہمارے شیخ ابن قاضی
نے کہا اس آیت میں پہاڑ کی تسبیح
حقیقی حمد ہے اسی وجہ سے فرمایا ۔
انہ کان حلیما غفورا : جب وہ
پتھر جن پر خدا تعالےٰ کا اتنا انعام بھی
نہیں ۔ خدا تعالیٰ کی حمد
کرتے ہیں تو جس پر اس کا انعام ہے ان
کی تسبیح وحمد نہ کرنے سے ان پر عذاب
نہیں کرتا ۔ کیونکہ وہ حلیم اور غفور ہے
اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا کیا تم نہیں
دیکھتے کہ زمین وآسمان کی ہر چیز اس
کی تسبیح کرتی ہے ۔ اور پرندے اپنے
پروں کو کھولے اس کی تسبیح کر رہے
ہیں ۔ وہ ہر ایک کی تسبیح اور نماز کو
خوب جانتا ہے ۔ پھر فرمایا زمین اور
آسمان کی ہر چیز خدا کی تسبیح
کرتی ہے ۔ قرآن کریم میں اس مضمون
کی کثیر آیات موجود ہیں ۔ اس سلسلے میں
ماضی کا صیغہ بیان فرمایا جو تسبیح کے
وقوع اور صدور پر دلالت کرتا ہے ۔
اور مضارع کا صیغہ بھی استعمال ہوا جو
ہمیشگی اور تجدد پر دلالت کرتا ہے

على الاقرار بربوبيته الست بربكم قالوا بلى ولم يتخلف منهم احدا كما اخبر الله عن عباده ٥

(۴) انهم يسبحونه بكرة وعشيا في قوله تعالیٰ ٥

(۵) في بيوت اذن الله ان ترفع الى ان يسبح له فيها بالغدو والآصال وكذلك اخبر سبحانه عن الجبال فقال تعالیٰ في حق داؤد ٥

(۶) انا سخرنا الجبال معه يسبحن بالعشي والاشراق وقال ابو هريرة رضی الله عنه كان داؤد اذا سبح اجابته الجبال والطير بالتسبيح والذكر وقال ابن الجوزی تدروی ان داؤد كان اذا وجد فترة امر الجبال فسبحت حتى يشتاق هو فيسبح وقد ثبت في صحيح مسلم ان النبي صلى الله عليه وسلم مر بجبل جمدان و قال هذا جمدان وقد اخبر

اور کوئی چیز اپنے رب کی خالقیت کا انکار نہیں کرتی اور اس کی تسبیح اور حمد سے منہ نہیں موڑتی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس کو اسی لیے پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ انسان کو اقرار ربوبیت پر پیدا کیا۔ سب نے اقرار کیا۔ کوئی بھی پیچھے نہیں رہا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ اپنے بندوں کے متعلق کہ وہ اپنے رب کی تسبیح صبح وشام کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے ان گھروں میں جن میں اللہ تعالیٰ نے صبح وشام تسبیح کہنے کا حکم فرمایا۔ پہاڑوں کی نسبت فرمایا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں فرمایا کہ ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا کہ صبح وشام حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتے تھے۔ تو پہاڑ بھی ان کے ہم زبان ہوتے تھے۔ اور پرندے بھی ذکر کرتے تھے۔ اور علامہ ابن جوزی نے فرمایا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنے اندر ذکر میں سستی پاتے

سبحانه انه خاطب الجمادات
فقال ۰

(۷) ولقد اٰتینا داود منا فضلا
یا جبال اوّبی معه والطیر
والتاویب هو ترجیع التسبیح
وخبر سبحانه تعالیٰ عن
الحجارۃ ۰

(۸) ان منها لما یهبط من
خشیۃ الله وهذا یدل علی
انها تعرف ربها معرفۃ
تلیق بها فان الخشیۃ تستلزم
العلم بالمخشی وکذلک قوله
تعالیٰ ۰

(۹) ثم استویٰ الی السماء وهی
دخان فقال لها وللارض
ائتیا طوعا او کرها قالتا
اتینا طائعین: هذا خطاب
من یعرف ربه ویعقل امره
ولیس هذا خطاب تکوین
لمعدوم فانه خاطبهما
بعد وجودهما وکذلک ۰

(۱۰) اذا السماء انشقت واذنت
لربها وحقت ومعنی اذنت ۰

تو پہاڑوں کو حکم دیتے اور خدا کی یاد
میں لگ جاتے حتی کہ حضرت داؤد
علیہ السلام میں بھی ذکر کا شوق جوش
مارتا اور ذکر الٰہی میں لگ جاتے ۔
اور صحیح مسلم کی حدیث میں ثابت ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمدان
کے پہاڑ سے گزر ہوا تو آپ نے
فرمایا یہ جمدان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ
نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام جمادات
کو خطاب کرتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کہ
ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف
سے فضیلت دی۔ وہ پہاڑوں کو
خطاب کرکے کہتے کہ اے پہاڑو اور
پرندو! میرے ساتھ تسبیح کہو اور تاویب
کے معنی ہیں تسبیح کا بار بار لوٹانا۔ اللہ
تعالیٰ نے پتھروں کے متعلق فرمایا
ان میں سے بعض وہ ہیں جو خوف خدا
سے گر جاتے ہیں۔ اس بات پر
دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے رب کو
پہچانتے ہیں جو معرفت ان کی شان
کے شایان ہے۔ کیونکہ خشیت کے
لیے ضروری ہے کہ جس سے ڈر رہا ہے اس
کو پہچانتا ہے ۔

لقولہ وامرہ وکذلک
اخبارہ عن الارض یوم
القیامۃ انہا تحدث یومئذ
اخبارھا ہ
(۱۱) وفی الترمذی ان النبی صلی
علیہ وسلم قال اتدرون
ما اخبارھا قالوا اللہ ورسولہ
اعلم قال ان تشہد علی
کل عبد بما عمل علی ظہرھا
من خیر اوشر وھذہ شہادۃ
نطق لما تحملتہ من الشہادۃ
فی الدار لما اوحی لھا فانہ
تعالیٰ قال بان ربک اوحی
لھا وکذلک اخبر سبحانہ
تعالیٰ عن سجود المخلوقات
لہ فقال تعالیٰ ہ
(۱۲) الم تران اللہ یسجد لہ من
فی السموٰت ومن فی الارض
والشمس والقمر والنجوم
والجبال والشجر والدواب
وکثیر من الناس وکثیر
حق علیہ العذاب ولوکان
سجودھا ھو مجرد

اسی طرح ارشاد باری ہے۔ اللہ تعالیٰ
آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور یہ دھواں
تھا۔ پھر آسمان وزمین کو کہا کہ طوعاً
یا کرھاً اطاعت کرو۔ انہوں نے جواب
دیا ہم خوشی سے خدا کا حکم مانتے ہیں
اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب اس سے ہے
جو اپنے رب کو پہچانتا ہے۔ اور اس
کے حکم کو سمجھتا ہے۔ اور یہ خطاب امورِ
تکوینی میں سے نہیں ہے۔ جو معدوم
کو کیا جا رہا ہو کیونکہ یہ خطاب زمین و
آسمان کے وجود میں آنے کے بعد ہے
عدمی حالت میں نہیں۔ اسی طرح ارشاد
ہے آسمان پھٹ گئے اور اپنے رب
کے حکم کے لیے کان لگائے اور
اس کو حق بھی ہے۔ اور اذنت الخ
کے معنی اپنے رب کا حکم سننے کی
کوشش کرنا اور کان لگانا ہے
اسی طرح قیامت کے روز زمین کی
حالت کہ وہ اس روز گواہی دے گی۔
ترمذی میں ہے کہ حضورؐ نے پوچھا
جانتے ہو زمین کی خبریں کیا ہیں۔
عرض کیا اللہ و رسول بہتر جانتے
ہیں۔ فرمایا زمین گواہی دے گی جو

ولا لتها على الصانع كما يقوله
بعض المفسرين لما اختص
بكثير من الناس بل جميع
العالم دال على صانعه و
امثال هذا كثير في القرآن
وما كان بهذه المقابلة
كيف يستنكر معرفته
لربه وسجوده وتسبيحه
بحمده فلو لم يكن نحو هذه
الآيات الاقوله ه
(۱۳) سبح لله ما في السموات و
ما في الارض وهو العزيز
الحكيم في اوائل هذه السورة
فانه سبحانه اتى بلفظ ما
بغير اولي العلم قطعا اما
اختصاصا واما تغليبا
ولا يصح محل ما ذكرنا من
الآيات على اولي العلم ،
تخصيصها بهم اذ لو اريد
ذلك لجيئ بلفظ من المختصة
بمن يعقل وان كان قد
وقع في القرآن «ما» لمن
يعقل «ومن» لما لا يعقل

کام جس بندہ نے اس کی پشت پر کیا خواہ
نیکی ہو یا برائی ۔ اور یہ شہادت بول
کر دے گی کیونکہ اللہ نے زمین پر
گواہی دینے کا بوجھ دنیا میں رکھا تھا
جیسا کہ فرمایا کہ تیرے رب نے اس کی
طرف وحی کی تھی ۔ اسی طرح ارشاد باری
مخلوق کے سجدہ کرنے کے متعلق ہے
فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا آسمان و
زمین کی تمام چیزیں سورج ، چاند ،
ستارے ، پہاڑ ، درخت ، چوپائے
اور بہت سے آدمی اللہ کو سجدہ کرتے
ہیں ۔ اور اکثر ایسے ہیں کہ ان پر عذاب
واجب ہو چکا ہے ۔ اگر ان کا سجدہ
کرنا صرف دلالت علی الصانع ہی مراد
ہوتا جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے
تو الناس کے ساتھ کثیر کی قید کی تخصیص
کی حاجت نہ تھی ۔ کیونکہ صانع پر دلالت
تو سارا جہان کرتا ہے ۔ اس قسم کے
دلائل قرآن حکیم میں بکثرت موجود ہیں
اس لیے جن چیزوں کا حال یہ ہے
ان کے متعلق کیسے انکار کیا جا سکتا
ہے کہ وہ اپنے رب کی معرفت نہیں رکھتیں
یا اس کی تسبیح اور سجدہ سے غافل ہیں

والمقصود اذا كانت هذه الجمادات قد فطرت على معرفته بها وتسبيحه وتنزيه والانسان اشرف منها واحرى ○

اگر قرآن کریم میں سبح للہ ما فی السموات وما فی الارض وہو العزیز الحکیم کے بغیر کوئی آیت نہ ہوتی جو صورتوں کے آغاز میں آتی ہیں تو بھی کافی تھا۔ چونکہ خدا تعالیٰ نے لفظ "ما" بیان فرمایا ہے جو غیر اولی العلم کو یقیناً شامل ہے یا اختصاص ہے یا تغلیباً ہے۔ جو آیت قرآنی میں نے ذکر کی ہیں۔ ان کا اولی العلم پر حمل کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اور اولی العلم کی تخصیص بھی صحیح نہ ہوگی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مراد اولو العلم ہی ہوتے تو یقیناً لفظ "من" لایا جاتا "ما" کا لفظ نہ استعمال ہوتا۔ ما مختص ہے۔ غیر ذوی العقول سے اور من مختص ہے ذوی العقول سے، اگرچہ قرآن میں ما ذوی العقول کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اور من غیر ذوی العقول کے لیے۔ اصل مقصود تو ہے کہ جب پتھروں کی پیدائش معرفت الٰہی کے لیے اور اس کی تسبیح و تہلیل کے لیے ہے۔ اور انسان ان سے افضل ہے اشرف ہے۔

پھر اسی کتاب کے صد ۲۲۵ پر فرماتے ہیں۔

وقد ارکزہ اللہ تعالیٰ فی فطرۃ مخلوقاتہ متحرکھا وساکنھا ناطقھا وصامتھا حیوانھا وجمادھا کما تقدم انھا مسبحۃ بحمدہ عارفۃ بہ

ففی کل شیء لہ اٰیۃ تدل علی انہ واحد

وقد روینا فی الجزء الذیابی فی کتاب الذکر لہ باسنادہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی فطرۃ میں یہ چیز ثبت کر دی ہے۔ خواہ وہ مخلوق متحرک ہو یا ساکن ہو بولنے والی ہو یا غیر ناطق حیوان ہو یا پتھر ہو جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ وہ مخلوق ساری کی ساری اللہ کی تسبیح اور حمد و ثنا کرتی ہے۔ اور اپنے رب کو پہچانتی ہے ہر شے میں نشانی موجود ہے جو دلالت کرتی ہے کہ وہ واحد ہے اور جزء ذیابی کی کتاب الذکر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے۔

یہ قول تفسیر قرطبی ۱۰ : ۲۶۷ پر بھی ابن مسعود سے یہی روایت کیا گیا ہے۔

قال ان الجبل لینادی مقابلہ باسمہ ھل مربک الیوم ذاکر اللہ عزوجل فان قال نعم فیقول ھنیئا لک لکن مامر علی الیوم احد یذکر اللہ

روی ایضا باسنادہ عن انس رضی اللہ عنہ قال مامن صباح ولا رواح الا تنادی بقاع الارض بعضھا بعضا یا جارۃ ھل مربک

کہ پہاڑ اپنے مقابل پہاڑ کو پکار کر پوچھتا ہے۔ کیا آج کے دن کوئی آدمی تمہارے ہاں سے گزرا ہے۔ جو اللہ کا ذکر کرنے والا ہو وہ کہتا ہے ہاں گزرا ہے وہ کہتا ہے تمہیں مبارک ہو میرے پاس سے تو کوئی ایسا آدمی نہیں گزرا۔

اور اسی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ ہر صبح و شام زمین کا ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے سے

اليوم عبد فضلی علیك
لله اوذکر الله علیك فمن
قائلة نعم فاذا قالت
نعم رأت بذلك اما فضلا
قلنا یکفینا ما تقدم لنا
من اخبار الله تعالیٰ فی
القرآن من الدلیل القطعی
عن الحجارة ان منها
لما یهبط من خشیة الله
فان الخشیة تستلزم العلم
بالمخشی وقد تقدم ذلك
ولا یقول احد هذه اخبار
احاد وآثار لا تفید شیئاً
فی هذا الباب ٥

واما القول الثانی کونه
من مجاز التشبیه فان
هذا مما یشهد الکتاب
والسنة ببطلانه اما الکتاب
فی تقدم من الآیات علی
تسبیح کل شیئ بحمده
واما السنة فتسبیح الحصی
فی کف النبیؐ ثم فی کف
غیره من الصحابة تسبیحا

کہتا ہے اے میرے ہمسایہ کیا تجھ
پر کسی ایسے شخص کا گذر ہوا۔ جس نے
تجھ پر نماز پڑھی ہو یا خلوص سے
اللہ کو یاد کیا ہو۔ وہ کہتا ہے۔ ہاں
گذرا ہے تو دوسرا جواب دیتا ہے۔
تجھے مجھ پر فضیلت ہے۔ ہم کہتے
ہیں کہ قرآن حکیم کی جو آیات گذری
ہیں وہ اس امر کی دلیل کے لیے کافی
ہیں کہ بعض پتھر خوف سے گر پڑتے
ہیں اور خوف مستلزم ہے کہ جس سے
خوف آتا ہے اس کا علم ہو جیسا کہ
گذر چکا ہے۔ کوئی شخص یہ نہ کہے
کہ یہ احادیث اس باب میں اخبار
احاد ہیں لہذا مفید نہیں کیونکہ دلیل
قطعی تو قرآن حکیم سے ہم پیش کر
چکے ہیں۔

جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے
ہر شے کی تسبیح اور حمد کرنے کا ثبوت
گذشتہ آیات میں دیا جا چکا ہے۔ اور
جہاں تک سنت کا تعلق ہے۔ حضورؐ
اور صحابہ کے ہاتھوں میں کنکریوں
نے اللہ کی تسبیح شروع کی حاضرین
نے وہ تسبیح سنی اور حضورؐ نے فرمایا

يسمعه الحاضرون وقال النبي ؐ اني لاعرف حجرا كان يسلم علي قبل ان ابعث وهذا الحجر عرف ربه وعرف رسوله ولو لم ينطق بكلام مسموع مفهوم مخصوص بذكر معين لما اخبر عنه ولهذا اخبر النبي ؐ عن جبل جمدان فقال هذا جبل جمدان يحبنا ونحبه وكذلك اخبر من احد انه يحبنا ونحبه وهذا جبل يبغضنا ونبغضه الى ان قال بل هو سبحانه وتعالى قد خاطب الجمادات فقال انا عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال فابين ان يحملنها فهذا الاباء والاستعفاء لعدان عقلت خطابه وفهمت وعلمت عجزها وليس المقصود ذلك انما المقصود ان الانسان

کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جس کے پاس سے میں بعثت سے پہلے گزرتا تھا تو وہ مجھے کہتا تھا۔ السلام علیک یا رسول اللہ۔ ظاہر ہے کہ وہ پتھر اللہ اور اس کے رسول کو پہچانتا تھا اگر وہ پتھر ایسی کلام نہ کرتا جو سنی اور سمجھی جاتی اور ذکر کے ساتھ مخصوص نہ ہوتی تو حضورؐ ہمیں خبر نہ دیتے (یہ روایت تفسیر قرطبی میں ۱۰: ۲۶۷ پر بھی موجود ہے)

اسی طرح حضورؐ نے جمدان پہاڑ کے متعلق فرمایا کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اسی طرح احد کے متعلق بھی فرمایا اور فرمایا یہ پہاڑ ہمیں برا جانتا ہے ہم اسے برا جانتے ہیں۔ حتی کہ فرمایا کہ اللہ تعالی نے پتھروں سے خطاب کیا ہے اور فرمایا ہم نے آسمانوں زمین اور پہاڑ کے سامنے امانت پیش کی تو انہوں نے انکار کیا۔ یہ انکار اور استعفا اسی وقت ہوا جب انہوں نے خطاب کو سمجھا اور اس ذمہ داری کو سمجھا چنانچہ معذرت پیش کر دی۔

اشرف عند اللہ واعظم من الجبال ہ

اس سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان ان تمام اشیاء سے افضل ہے۔ اگر وہ مر کر مٹی پتھر بھی ہو جائے تو کیوں نہ سنے۔

قرآن حکیم کی ان آیات اور ایسی ہی دوسری متعدد آیات سے قطعی طور پر ثابت ہوا کہ :۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے پتھروں پہاڑوں اور درختوں وغیرہ سے اس وقت خطاب کیا جب وہ درجہ عدم سے درجۂ وجود میں آ چکی تھیں۔

(۲) جن چیزوں سے خطاب کیا گیا وہ اپنے رب کو پہچانتی تھیں۔ لہٰذا ان میں حیات علم اور فہم موجود ہے۔

(۳) قیامت کے دن زمین کا کسی کے نیک یا بد عمل کی شہادت دینا اسی وقت ممکن ہے۔ جب اس کو علم ہو کہ کون عمل کر رہا ہے۔ اور نیکی اور بدی کی پہچان اور معرفت بھی ہو۔ ورنہ گواہی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(۴) بعد موت انسانی جسم ریزہ ریزہ ہو کر کوئی نہ کوئی صورت تو اختیار کرے گا اور اس صورت پر لازماً شے کا اطلاق ہو گا۔ اور ہر شے جب سنتی ہے تو انسان کے سننے میں کیا چیز مانع ہے۔

ہمارا اصل استدلال تو آیات قرآنی سے ہے۔ جو ہر شے کے سماع پر قطعی الدلالۃ ہیں۔ ان کا انکار۔ کتاب اللہ کا انکار ہے۔ مگر اس کی تائید میں، صحاح ستہ کی وہ احادیث بیان کر دینا بھی مناسب ہیں جو ان آیات کی تفسیر کی حیثیت رکھتی ہیں :۔

(۱) عن سھل بن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من مسلم

سہل بن سعد کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا جب کوئی مسلم تلبیہ کرتا ہے۔ اس کے دائیں بائیں جو پتھر درخت

يلبى الا لبى ما عن يمينه و شماله من حجر او شجر او مدر حتى تنقطع الارض من ههنا و ههنا ٥
(ترمذی ۱: ۱۰۲)

وغیرہ ہوتے ہیں تلبیہ کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک۔

یہ حدیث وان من شئی الا یسبح بحمدہ کی تفسیر ہے۔ صاحب مرقاۃ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔

ثم فی الحدیث دلالة ظاهرة علی ادراك الجمادات و النباتات الامور الواقعات فی الکائنات وعلمها بربها من توحید الذات وکمال الصفات وان تلبیتها وتسبیحها بلسان القال كما علیه جمهور اهل الحال فان التاویل الذی یقبل التسبیح عند التلبیة بالتصریح فیکون بلسان القال هو الصحیح ٥

حدیث اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ جمادات اور نباتات میں ادراک ہے ان امور کا جو کائنات میں واقع ہوتے ہیں۔ اور ان جمادات و نباتات کو اپنے رب کی توحید اور اس کی صفات کا علم ہوتا ہے۔ اس کی تلبیہ اور تسبیح زبان قال سے ہوتی ہے۔ جس پر جمہور اہل حال (صوفیہ کرام) کا اتفاق ہے۔ اس میں جو تاویل قابل قبول ہے وہ یہ ہے کہ تسبیح و تلبیہ زبان قال سے ہوتا ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

(۲) فلما كان یوم الجمعة قعد النبی صلی الله علیه وسلم علی المنبر الذی صنع فصاحت النخلة التی كان یخطب عندها حتی كادت ان

جب جمعہ کا دن آیا حضورؐ منبر پر بیٹھے جو ان کے لیے بنایا گیا تھا۔ تو جس کھجور کے ساتھ آپ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے وہ چیخنے لگا۔ حتی کہ یوں لگتا تھا کہ پھٹتا ہے۔ حضورؐ منبر سے اترے اسے

تنشق فنزل النبیؐ حتی اخذھا فضمھا الیہ فجعلت تان انین الصبی الذی یسکت حتی استقرت قال بکت علی ماکانت تسمع من ذکر اللہ

گلے لگایا تو وہ بچوں کی طرح ہچکیاں لینے لگا۔ پھر اسے قرار آگیا۔ فرمایا حضورؐ نے کہ وہ اللہ کا ذکر سننے سے محروم ہو جانے کی وجہ سے رو دیا۔

(بخاری ۱ : ۲۸۱)

یہاں قال کا فاعل خود رسول خدا ہیں۔ جیسا کہ حاشیہ پر ہے۔ لکن صرح وشیح فی روایتہ عن عبدالواحد بن ایمن ہ حضورؐ اکرم کے فراق میں خشک لکڑی کا رونا ظاہر کرتا ہے کہ اس میں محبت اور فراق کا شعور اور احساس تھا۔ علم تھا فہم تھا اور رغم کے احساس کا اظہار رونے کی شکل میں کرنے کی صلاحیت تھی۔

(۳) فاذا کنت فی غنمک او بادیتک فاذنت بالصلوۃ فارفع صوتک بالنداء فانہ لایسمع مدنی الصوت المؤذن جن ولا انس ولا شیئ الاشھد لہ یوم القیامۃ قال ابو سعید سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جب تو اپنے ریوڑ میں ہو یا اپنی زمین میں ہو اور تو نماز کے لیے اذان کہے تو اونچی آواز سے اذان دے کیوں کہ جن اور انسان اور دوسری کوئی چیز جو موذن کی آواز کو سنے گی وہ اس کے حق میں قیامت کے دن شہادت دے گی۔ ابوسعید کہتے ہیں۔ میں نے رسول کریمؐ سے یہ حدیث سنی۔

(بخاری ۱ : ۸۶)

تفسیر قرطبی ۱۰ : ۲۶۸ پر ابن ماجہ سے یہ حدیث ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے :-

لایسمع صوت المؤذن جن ولا انس ولا شجر ولا حجر

جن انسان پتھر درخت وغیرہ جو چیز موذن کی آواز سنتی ہے۔ وہ قیامت

ولا مدر ولا شیئ الا شھد لہ یوم القیامۃ رواہ ابن ماجہ وموطا امام مالک ۰

کے دن اس کے حق میں شہادت دے گی۔

قیامت کے دن جن وانس، شجر وحجر بلکہ ہر شے کا اذان کے متعلق گواہی دینا ثابت کرتا ہے کہ انھوں نے اذان سنی اور یہ سمجھا کہ یہ اذان ہے۔ اس لیے انسان کا وجود مرنے کے بعد جو شکل بھی اختیار کرے گا۔ بہر حال وہ ایک شے ہوگی۔ لہذا انسان کے متعلق یہ کہنا کہ موت کے بعد سنتا نہیں عقلاً محال ہے۔

(۴) ولقد کنا نسمع تسبیح الطعام وھو یؤکل ۰ (بخاری ۱: ۵۰۵)

یقیناً ہم طعام کھاتے وقت اس کی تسبیح سنتے تھے۔ جب وہ کھایا جا رہا ہوتا تھا۔

(۵) یقول الحجر یا مسلم ھذا یھودی ورائی فاقتلہ ۰ (بخاری ۱: ۵۰۷)

پتھر کہے گا کہ اے مسلمان یہ میری آڑ میں یہودی چھپا ہے اسے قتل کر دے

(۶) عن ابن مسعود قال کنا نأکل مع رسول اللہ الطعام ونحن نسمع تسبیحہ ۰ (تفسیر قرطبی ۱۰: ۲۶۷ بحوالہ مشکوۃ)

ابن مسعود نے فرمایا ہم حضورؐ کے ساتھ کھانا کھا رہے ہوتے تھے اور ہم اس کی تسبیح سنتے تھے۔

(۷) وخبر الجذاع ایضا مشھور فی ھذا الباب اخرج البخاری فی مواضع من کتابہ واذا ثبت ذلک فی جماد واحد جاز فی جمیع الجمادات ولا

اسی طرح تفسیر قرطبی اور بخاری میں کئی مقامات پر ستون کے رونے کی روایت موجود ہے جب یہ سننا ایک جماد میں ثابت ہو گیا۔ تو تمام جمادات میں سننا ثابت ہو گیا۔ اور اس میں کوئی محال

استحالة فی شیٔ من ذلك
فكل شیٔ يسبح للعموم وكذا
قال النخعی وغيره هو عام
فيه روح وفيما لا روح فيه
حتى صرير الباب واحتجوا
بالاخبار التی ذكرناه
الی ان قال . .
فالصحيح ان الكل يسبح
الاخبار الدالة على ذلك
ولو كان ذلك التسبيح تسبيح
دلالة فای تخصيص لداود
وانما ذلك تسبيح المقال بخلق
الحياة والانطاق بالتسبيح،
كما ذكرنا وقد نصت السنة
على مادل عليه ظاهر
القرآن من تسبيح كل شیٔ
فالقول به اولى ه
(تفسير قرطبی ١٠ : ٢٦٧)

(٨) قول جمع من المفسرين ان
الضمير عائد الى الحجارة لكن
لا نسلم ان الحجارة ليست
حية عاقلة ه الى ان قال :
وانكرت المعتزلة هذا ،

بھی نہیں ہے۔ عموم آیات سے ہر شے
کا تسبیح کہنا ثابت ہو گیا ہے۔ امام نخعی
وغیرہ نے بھی کہا کہ یہ سننا عام ہے۔
ہر اس شے کے لیے جس میں روح ہے
یا روح نہیں ہے۔ حتیٰ کہ دروازہ کی
آواز بھی سنتی ہے اور قائلین سماع
جمادات نے انہی احادیث سے دلیل
لی ہے۔ جو میں نے ذکر کی ہیں۔ پس
صحیح بات یہ ہے کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی
تسبیح کہتی ہے۔ جیسا کہ احادیث اس
پر دلالت کرتی ہیں۔ اگر یہ تسبیح کرنا صرف
صانع پر دلالت کرنا مراد ہوتا تو حضرت
داؤد کی تخصیص کرنے کا کیا مطلب؟
لہٰذا یہ تسبیح قولی ہے۔ اللہ نے ان میں
حیاۃ اور نطق پیدا کیا اور حدیث تو بولنے
سننے پر صاف دلالت کرتی ہے۔ جس پر
ظاہر قرآن بھی دال ہے۔ اور یہی قول
اولیٰ اور صحیح ہے کہ ہر شے سنتی ہے۔
مفسرین کی جماعت اس بات کی قائل
ہے کہ ضمیر پتھر کی طرف راجع ہے۔
(وان منها میں) مگر ہم یہ نہیں مانتے
کہ پتھر نہیں سنتے ان میں زندگی اور
شعور نہیں۔ پتھروں کے سننے اور کلام

التاویل لما ان عندھم البنیة واعتدال المزاج شرط قبول الحیاة والعقل ه (تفسیر کبیر ۱: ۳۷۶)

کرنے سے معتزلہ نے انکار کیا ہے۔ کیونکہ وہ بنیة اور اعتدال مزاج کو سننے کے لیے اور حیات اور عقل کے لیے شرط مانتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ معتزلہ کا فرقہ پتھروں کے سننے اور کلام کرنے کا منکر ہے۔ مگر اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جمادات سنتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک بنیة یعنی بدن شرط حیاة و عقل نہیں اور یہ "ندائے حق" پارٹی عجیب قسم کے اہلسنت ہیں کہ عقائد معتزلہ کے رکھتے ہیں۔ اور ان عقائد کی بناء پر اہلسنت کو مشرک بھی کہتے ہیں اور اہلسنت ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ اور تمام مفسرین محدثین متکلمین اور فقہا کے خلاف عقیدہ ایجاد کر کے اپنے محقق ہونے کا ڈھنڈورہ بھی پیٹتے ہیں۔

(۹) وفی الصحیح ھذا جبل یحبنا و نحبه و لحنین : الجذع ، المتواتر خبره وفی صحیح مسلم انی لاعرف حجرا بمکة کان یسلم علی قبل ان ابعث انی لاعرفه الان وفی صفة الحجر الاسود ، انه لیشھد لمن استلمه بحق یوم القیامة ه (تفسیر کثیر ۱: ۱۱۳)

صحیح بخاری میں موجود ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ پہاڑ احد ہم کو دوست رکھتا ہے اور ہم اس کو اور ستون کا رونا متواترات سے ہے یہ رونے کی حدیث متواتر ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول خدا نے فرمایا میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھ پر السلام علیکم کہا کرتا تھا اب بھی میں اس کو پہچانتا ہوں مکہ میں ہے اور حجر اسود کے حق میں رسول خدا نے فرمایا جس آدمی نے اس کو مس کیا ہے اس کی گواہی دے گا قیامت کے دن؟

پھر اسی بحث میں کہ یہ نسبت مجازی ہے یا حقیقی فرماتے ہیں :-

وزعم بعضهم ان هذا من باب المجاز وهو اسناد المنشوع الى الحجارة كما اسندت الارادة الى الجدار (يريد ان ينقض)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مجاز کی قبیل سے ہے۔ پتھر کی طرف اس کی نسبت شائع ہوئی ہے۔ جیسا کہ ارادہ کی نسبت دیوار کی طرف کی گئی ہے۔ وہ گرنا چاہتی تھی)

وقال القاضی الباقلانی و هذا تاویل بعید وتبعه فی استبعاده الرازی وهو كما قال فان هذا خروج عن اللفظ بلا دليل ۔

قاضی باقلانی کہتے ہیں۔ اس میں دور از کار تاویل ہے۔ اور امام رازی نے اس استبعاد میں اس کا اتباع کیا ہے۔ وہ یوں کہ جیسا انہوں نے کہا کہ یہ دلیل کے بغیر لفظ سے دور نکل جاتا ہے۔

اور یہ نسبت مجازی نہیں بلکہ حقیقی ہے اور قرآنی دلائل اسی کے حق میں ہیں جیسا کہ :-

وان من الحجارة لما يتفجر منه الانهار قال كثير البكاء وان منها لما يشقق فيخرج منه الماء قال قليل البكاء وان منها لما يهبط من خشية الله قال بكاء القلب من غير دموع ۔

بعض پتھر وہ ہیں کہ ان میں سے نہریں پھوٹتی ہیں۔ کہا وہ کثرت سے رونے والے ہیں۔ اور بعض وہ ہیں کہ جب پھٹ جائیں۔ تو ان میں سے پانی نکل پڑے کہا کہ یہ کم رونے والے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں کہا یہ آنسو بہائے بغیر قلبی گریہ ہے۔

وقال الرازی والقرطبی وغیرهما من الائمة ولا حاجة

ائمہ میں سے رازی اور قرطبی وغیرہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں

الی هذا فان اللہ تعالیٰ یخلق فیہا ہذا الصفۃ کما فی قولہ تعالیٰ انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وقال تسبح لہ السموات السبع والارض ومن فیہن۔ وقال النجم والشجر یسجدان۔ وقال الم یروا الی ما خلق اللہ من شیئ یتفیؤ ظلالہ وقال تعالیٰ قالتا اتینا طائعین وقال لو انزلنا ہذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا وقال تعالیٰ وقالوا لجلودہم لم شہدتم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شیئ ۰

(یعنی مجازی) اللہ تعالیٰ ان میں یہ صفت پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمان باری ہے کہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی انہوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ وہ خوفزدہ ہو گئے۔ اور فرمایا سات آسمان اور سات زمین اور جو کچھ اس میں ہے۔ سب اس کی تسبیح کہتے ہیں۔ اور فرمایا تارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں اور فرمایا کیا انہوں نے دیکھا اس کی طرف جسے اللہ نے پیدا کیا۔ جس کے سائے جھکتے ہیں۔ اور فرمایا کہ زمین و آسمان نے کہا کہ ہم اطاعت شعار بن کر آئے۔ اور فرمایا اگر ہم قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے وہ خوف سے پھٹ جاتے اور فرمایا وہ اپنے چمڑوں کو کہیں گے تم ہمارے خلاف کیوں گواہی دیتے ہو وہ کہیں گے ہمیں نطق اسی اللہ نے عطا کیا جس نے ہر چیز کو عطا کیا۔

اسی طرح مشکلات القرآن میں تفصیل موجود ہے۔ کہ ہر شے میں روح حیاۃ، موجود ہے۔ ہر شے خدا کو پہچانتی ہے۔ اس کی تسبیح حمد و ثنا کہتی ہے۔ خواہ وہ جمادات ہی کی قسم سے ہو۔ لہذا انسان مر کر مٹی ہو گیا۔ تو بھی سنتا ہے کلام کرتا ہے۔

(۱۰) ان الشمس وكذلك سائر
الكواكب مدركة عاقلة
كما ينبئ من ذلك قوله
تعالى الآتي كل في فلك
يسبحون حيث جئ بالفعل
مسندا الى ضمير جمع العقلاء
وقوله تعالى اني رايت
احد عشر كوكبا والشمس
والقمر رايتهم لي ساجدين
بنحو ما ذكر ويدل عليه
ظاهر ما روي عن ابي ذر
من انها لتسجد ولتستأذن
فان المتبادر من الاستيذان
ما يكون بلسان المقال
دون بلسان الحال وخلق
الله تعالى الادراك والتميز
فيها حال السجود والاستيذان
ثم سلبه عنها مما لا حاجة
الى التزامه بل هو بعيد
غاية البعد والشواهد
من الكتاب والسنة وكلام
العترة على كونها ذات
ادراك وتمييز مما لا تكاد

تحقیق شمس اسی طرح تمام ستارے
مدرک عاقل ہیں جیسا کہ ان سے فرمان
باری تعالیٰ خبر دیتا ہے جو آرہا ہے
کل فی فلک یسبحون ۔ جیسا کہ فعل
کی نسبت ضمیر جمع عقلا کی لائی گئی ہیں
اور قول باری تعالیٰ (سورت یوسف)
دیکھتا ہوں گیارہ ستارے
سورج اور چاند کو میں دیکھتا ہوں
کہ مجھے سجدہ کرتے ہیں اور اس پر
ظاہر اس حدیث کا بھی دال ہے جو
ابی ذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے
کہ تحقیق سورج خدا کے سامنے سجدہ
کرتا ہے اور طلوع کی اجازت چاہتا
ہے اور متبادر اذن سے وہ ہے جو
زبان قال سے ہے نہ زبان حال
سے۔ خدا تعالیٰ نے اس میں ادراک
تمیز رکھی ہے یہ صرف حالت سجود
اور اذن میں ہے یہ غلط کہا ہے۔
اس قول کی حاجت نہیں ہے۔ بلکہ
یہ بہت بعید قول ہے نہایت بعید
ہے اور سورج چاند ستاروں کے
عاقل مدرک ہونے کے گواہ کتاب
اللہ اور سنت رسولؐ و قول عترت

تكاد تحصى كثرة ومتى كانت كذلك فلا يبعد ان يكون لها نفس ناطقة كنفس الانسان بل صرح الصوفية بكونها ذات نفس ناطقة كاملة جداً
(فتح الملهم ۱: ۳۰۵)

ہیں موجود ہیں اس پر کہ تمام صاحب عقل وادراک اور صاحب تمیز ہیں اس کے دلائل گنتی شمار سے باہر ہیں اور جب اس طرح ہوا تو بعید نہیں کہ ان کے لیے نفس ناطقہ ہو جیسا انسان کا نفس ناطقہ بلکہ صوفیہ عارفین نے تو صاف صاف بیان کیا ہے کہ ان میں نفس ناطقہ کامل طور پر ہے۔

(۱۱) لم یمر بشجرة ولا حجر الا خر ساجداه
(دلائل النبوة بیہقی ۱: ۳۰۸)

جس شجر حجر کے پاس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گزرتے تھے وہ آپ کو سجدہ کرتے تھے۔

عن علی یقول لقد رأیتنی ادخل معه یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الوادی فلا یمر بحجر ولا شجر الا قال السلام علیک یا رسول اللہ وانا اسمعه ٥
(ایضاً ۱: ۴۰۹)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضورؐ کے ساتھ وادی میں داخل ہوا تو جس شجر پتھر کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ کہتا تھا السلام علیک یا رسول اللہ اور میں اس کے سلام کو سنتا تھا۔

(۱۲) فاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفا من حصیا فقال هذا یشهد انی رسول اللہ فسبح الحصی فی یده ٥
(خصائص کبری ۲: ۳۰۴)

"پس پکڑی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریوں کی اور فرمایا یہ گواہی دیتی ہیں کہ میں خدا کا رسول ہوں، پس تسبیح کہنی شروع کر دی کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں۔"

(۱۳) علامہ ابوالشیخ نے کتاب العظمہ میں حضرت انس سے نقل کیا ہے:

واوتی بعطام ثرید فقال ان هذا الطعام لیسبح قالوا یا رسول الله وتفقه تسبیحه قال نعم ثم قال رسول الله لرجل ادن هذه القصعة من هذا الرجل فادناها فقال نعم یا رسول الله هذا الطعام لیسبح ثم ادناها من آخر ثم آخر فقال امثل ذلک۔	"کہ طعام ثرید لایا گیا پس فرمایا رسول خدا نے کہ یہ طعام تسبیح کہہ رہا ہے۔ عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ ان کی تسبیح سمجھ رہے ہیں۔ فرمایا ہاں پھر حضورؐ ایک آدمی سے کہا کہ یہ پیالہ دوسرے آدمی کے پاس لے جاؤ وہ لے گیا اس نے کہا ہاں یارسول اللہ یہ کھانا تسبیح کہہ رہا ہے۔ پھر دوسرے کے پاس لے گیا پھر ایک اور کے پاس لے گیا انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

اسی کتاب میں ابوالشیخ نے حضرت خیثمہ سے بیان کیا ہے۔

قال کان ابوالدرداء یسطبخ قدرا فوقعت علی وجهه فجعلت تسبح۔	حضرت ابودرداء ہانڈی پکا رہے تھے وہ ان پر گر پڑی۔ اور تسبیح کہنے لگی۔

دوسری روایت خصائص ۲ : ۳۰۶ پر ہے۔

عن قیس قال بینما ابوالدرداء وسلیمان یاکلان من صحفة اذ سبحت وما فیها۔	جب ابودرداء اور سلیمان دونوں ایک برتن سے کھانا کھا رہے تھے۔ تو اس برتن نے اور اس غذا نے تسبیح کہنا شروع کر دیا۔

(۱۴) شیخ انور لکھتے ہیں:۔

قوله السلام علیکم ظاهر حدیث الباب وغیره من کثیر	حضورؐ کا فرمان کہ السلام علیکم کہو۔ اس قسم کی اکثر احادیث واضح طور پر میت

من الاحاديث يدل على سماع الموتىٰ واشتهر على السنة الناس ان الموتىٰ ليس لهم سماع عند ابي حنيفه . . . وصنف ، ملا علي القاري رسالة وذكر فيها ان المشهور ليس له اصل من الائمة اصلا بل اخذ هذا من مسئلة في باب الايمان انه اذا حلف انه لا يتكلم مع فلان فمات الرجل فتكلم معه على قبره ميتا لا يحنث ۔

اقول ان وجه عدم الحنث ان نبى الايمان على العرف واهل العرف لا يعلمون ان الموتىٰ تسمع والمحقق ان اباحنيفة لا ينكر سماع الاموات وان خالف ابن الهمام وقال ان الموتىٰ لا تسمع وان ذخيرة الحديث تدل على سماع الموتىٰ وقال الشيخ ان الموتىٰ لا تسمع ويستثنى منه قرع

کے سننے پر دلالت کرتی ہیں۔ اور لوگوں کی زبان پر یہ مشہور ہو گیا ہے۔ کہ ابو حنیفہ رض کا مذہب ہے۔ کہ میت نہیں سنتے . . . ملا علی قاری نے ایک رسالہ تصنیف کیا اور اس میں بیان کیا کہ اس عقیدہ کی کوئی اصل نہیں ہے۔ بلکہ یہ مسئلہ ایمان یعنی قسموں کے باب سے لیا گیا ہے۔ جب کوئی شخص قسم کھائے کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا پھر وہ مر گیا تو اس نے میت کی قبر جا کر اس سے بات کی۔ حانث نہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ حانث نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہے اور عوام نہیں جانتے کہ مردے سنتے ہیں۔ محقق بات یہ ہے کہ ابو حنیفہ میت کے سماع کا انکار نہیں کرتے اگرچہ ابن ہمام اس کے برعکس کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے۔ اور احادیث کا ذخیرہ سماع موتیٰ پر دلالت کرتا ہے اور شیخ کہتے ہیں کہ میت نہیں سنتے اور جوتیوں کی آواز سننے اور السلام علیکم

نعالهم والسلام عليكم
اقول لو قلنا يسمع الموتى
لا اشكال فانه ثبت بقدر
المشترك تواتر في الحديث ۔
ولا نتعرض الى التخصيصات
المتكلفة وسيما اذا لم
يثبت الانكار من الائمة الثلاثة
واما الآيات المشيرة الى عدم
السماع فلها محامل حسنة
(عرف شذی صـ ۳۸۶)

سننے کو اس سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔ میں
کہتا ہوں اگر ہم نے کہا کہ مردے سنتے
ہیں تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ
یہ بات حدیث میں قدر مشترک کے
تواتر سے ثابت ہے۔ اور تخصیصات
کے تکلف کرنے کی پروا نہیں کرتے۔
بالخصوص جب ائمہ ثلاثہ سے انکار وارد
نہیں ہوا۔ جہاں تک ان آیات کا تعلق
ہے جو عدم سماع کی طرف اشارہ کرتی
ہیں تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے اور اچھے محمل ہیں۔

اور فیض الباری ۲ : ۴۶۷ میں وضاحت کی گئی ہے۔

واعلم ان مسئلة كلام
الميت وسماعه واحدة
وانكرها حنفية العصر
وفي رسالة غير مطبوعة
لعلي القاري ان احدا من
ائمتنا لم يذهب الى انكارها
وانما استنبطوها من مسئلة
في باب الايمان وهي حلف
رجل ان لا يتكلم فلانا
فكلمه بعد ما دفن لا يحنث
قال القاري ولا دليل فيها
على ما قالوا فان مبنى الايمان

خوب سمجھ لو کہ میت کا کلام کرنا اور
کلام سننا ایک ہی مسئلہ ہے۔ موجودہ
زمانہ کے حنفی اس کا انکار کرتے ہیں اور
مُلّا علی قاری کے غیر مطبوعہ رسالہ میں
ہے کہ ہمارے کسی امام نے اس کا انکار
نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ باب
ایمان سے اخذ کیا گیا ہے۔ اور وہ یوں
کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ فلاں سے
بات نہیں کروں گا اور اس کی موت
کے بعد اس سے کلام کی تو حانث نہ ہوگا
علامہ قاری کہتے ہیں کہ عدم سماع کے
متعلق اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ

على العرف وهم لا يسمونه
كلاما وانكره الشيخ ابن
الهمام ايضاً في الفتح ثم
اورد على نفسه ان السماع
اذا لم يثبت فما معنى السلام
على القبر واجاب عنه انهم
يسمعون في هذا الوقت فقط
ولا دليل فيه على العموم
ثم عاد قائلا انه ثبت منهم
سماع قرع النعال ايضا
فاجاب عنه بمثله اقول والاحاديث
في سمع الاموات قد بلغت
مبلغ التواتر وفي حديث
صححه ابو عمرو ان احدا
اذا سلم على الميت فانه
يرد عليه ويعرفه ان كان
يعرفه في الدنيا واخرجه
ابن كثير ايضاً وتردد فيه
فالانكار في غير محله سيما
اذا لم ينقل عن احد من
ائمتنا فلابد بالتزام السماع
في الجملة واما الشيخ ابن
الهمام فجعل الاصل هو النفي

قسموں کی بنیاد عرف پر ہے اور اہل عرف
اسے کلام کرنا نہیں کہتے۔ شیخ ابن الہمام
نے "الفتح" میں اس کا انکار کیا۔ پھر
خود اپنے آپ پر سوال کیا۔ جب سماع
ثابت نہیں۔ تو قبر پر سلام کہنے کا کیا
مطلب۔ پھر خود جواب دیا کہ صرف
اس وقت وہ سنتے ہیں۔ اور عموم وقت
کے لیے کوئی دلیل نہیں۔ اسی طرح جوتوں
کی آواز سننے کا جواب بھی یہی دیا۔ میں
کہتا ہوں کہ سماع موتیٰ کے حق میں احادیث
تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ ایک حدیث
میں ہے جسے ابوعمرو نے صحیح کہا ہے
کہ جب کوئی شخص میت کو سلام کہے تو
وہ اس کا جواب دیتا ہے۔ اور اگر وہ
دنیا میں اسے پہچانتا تھا تو وہ سلام
کے وقت پہچان لیتا ہے۔ ابن کثیر
نے بھی اس کا اخراج کیا ہے اور اس
میں تردد کیا ہے۔ تو انکار بے محل ہے
بالخصوص جب ہمارے ائمہ میں کسی سے انکار
منقول نہیں۔ اس لیے مطلق سماع کا
التزام لازمی ہے۔ رہا شیخ ابن الہمام کا
معاملہ تو انہوں نے نفی سماع کو اصل بنایا
ہے۔ اور جس موقع پر سماع ثابت کیا

وكل موضع ثبت فيها السماع جعله مستثنىً و مقتصر على المورد ه

ہے اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

قلت اذا ما الفائدة فی عنوان النفی وما الفرق نفی السماع ثم الاستثنا فی مواضع کثیرة وادعاء التخصیص وبین اثبات السماع فی الجملة مع الاقرار بانا لا ندری ضوابط اسماعهم فان الاحیاء اذا لم یسمعوا فی بعض الصور من ادعاء الطرد فی الاموات ه

میں کہتا ہوں کہ اس نفی کا کیا فائدہ۔ سماع کی نفی کرنے کے بعد اکثر مواقع پر مستثنیٰ قرار دینے اور تخصیص کا دعویٰ کرنے۔ اور مطلق سماع کے اثبات میں کیا فرق ہے۔ جبکہ یہ اقرار بھی ہے کہ ہم ان کے سننے کے قوانین نہیں جانتے کیونکہ بعض صورتوں میں تو زندہ بھی نہیں سنتے . . . . تو مردوں میں ہر وقت سننے کا کون دعویٰ کرتا ہے۔

حضرت انور شاہؒ نے شیخ ابن الہمام کے اقوال کا جائزہ لیتے ہوئے۔ حیرت کا اظہار کیا کہ ایک طرف تو سماع موتیٰ کی نفی کر رہے ہیں دوسری طرف خود ہی فرماتے ہیں کہ حدیث سے ثابت ہے کہ قبرستان سے گزرو تو السلام علیکم کہو۔ جب سماع کی نفی ہے تو سلام کہنا کیا معنی رکھتا ہے۔ تو خود ہی رائے ظاہر کر دی۔ کہ اس وقت مردہ سنتا ہے۔ آخر کیوں ؟ جب کوئی سلام کہے تو وہ میت نہیں رہتا ہے اگر اس وقت بھی میت ہوتا ہے۔ تو سنتا کیسے ہے۔ اگر نہیں سنتا تو سلام کہنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔

اسی طرح فرمایا کہ بخاری مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ میت پلٹ کر جانے والوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہاں اس خاص وقت میں سنتا ہے۔ مگر کیوں ؟ کیا اس خاص وقت میں مردہ نہیں رہتا۔ مگر اس

خاص وقت سننے کی سند کیا ہے۔ پورے ذخیرہ احادیث میں سے ایک روایت ہی پیش کی جائے کہ السلام علیکم تو میت سنتا ہے۔ اس کے بغیر کبھی نہیں سنتا۔ جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ بعد میں نہیں سنتا۔

دوسری بات جو قابلِ غور ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ تم کہتے ہو قرآن میں سماع موتٰی کی نفی وارد ہے۔ رسول کریم ؐ کی احادیث کثیرہ جو حد تواتر کو پہنچی ہیں ان سے سماع موتٰی کا اثبات ظاہر ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن جس پر نازل ہوا اس نے تو سمجھا نہیں البتہ ندائے حق کے مصنّف اور ان کا مختصر سا ٹولہ قرآن فہمی میں رسول ؐ سے بھی بازی لے گیا۔ قرآن و حدیث میں اتنا تعارض بلکہ اتنا واضح تضاد ان حضرات نے ہی ڈھونڈ نکالا ہے۔ ۱۴ صدیوں میں یہ انکشاف کوئی صاحب بصیر نہ کر سکا۔

امام الہند شاہ ولی اللہ امام ابو حنیفہ کے اصول کے متعلق فرماتے ہیں۔

سُئل عن ابی حنیفۃ اذا قلت قولا وکتاب اللہ یخالف قال اترکوا قولی بکتاب اللہ فقیل اذا کان خبر الرسول یخالفہ قال اترکوا قولی بخبر رسول اللہ فقیل اذا کان قول الصحابۃ یخالفہ قال اترکوا قولی بقول الصحابۃ (عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید صـ ۶۶)

امام ابو حنیفہ ؒ سے پوچھا گیا کہ آپ ایک بات کہتے ہیں۔ اور کتاب اللہ اس کے خلاف ہے تو فرمایا کہ کتاب اللہ کے مقابلے میں میرا قول ترک کر دو پھر کہا گیا کہ اگر حدیث رسول اس کے خلاف ہو تو۔ فرمایا حدیث رسول کے مقابلے میں میرا قول ترک کر دو۔ پھر کہا گیا اگر قول صحابہ اس کے خلاف ہو۔ فرمایا کہ قول صحابہ کے مقابلے میں میرا قول ترک کر دو۔

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ امام بیہقی نے نقل کیا ہے۔

قال عبداللہ بن مبارک سمعت اباحنیفۃ یقول اذا جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعلی الرأس والعین واذا جاء عن اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تختار من قولھم وقال ابوحنیفۃ اترکوا قولی بخبر رسول اللہ وقول الصحابۃ ونقل انہ قال اذا صح الحدیث فھو مذھبی (تفسیر مظہری ۲ : ۶۳)

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں۔ میں نے ابوحنیفہ سے سنا آپ فرماتے تھے۔ جب کوئی بات نبی کریم سے پہنچے تو ہمارے سر آنکھوں پر۔ اور جب صحابہ سے کوئی بات پہنچے تو ان کے قول کو مختار سمجھیں گے۔ اور امام صاحب نے فرمایا حدیث اور قول صحابہ کے مقابلہ میں میرا قول ترک کر دو اور یہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے۔

امام صاحب کے مذہب کا بنیادی اصول کتنا واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اگر یہ سمجھا جائے کہ امام صاحب کا مذہب حدیث کے خلاف ہے تو اس کی وجہ علم و عقل کی کمی یا ضد و عناد کے بغیر اور کیا ہو سکتی ہے۔ مختصر یہ کہ امام صاحب کا مذہب کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہ پر مبنی ہے اور اسی وجہ سے امام صاحب سماع موتیٰ کے قائل ہیں۔ کتاب و سنت سے جب ہر شے کا سننا اور کلام کرنا اور تسبیح کہنا ثابت ہے انسان بھی تو شے ہے۔ لہٰذا اس کا سننا اور کلام کرنا کیوں محال ہے۔ رہا انسان کا بعد موت سننا تو ظاہر ہے کہ انسان مر کر مٹی ہی تو ہو جاتا ہے۔ اور مٹی جب سنتی ہے تو انسان جب مٹی ہو گیا تو سننے میں کون مانع ہوتا ہے۔ چنانچہ فیض الباری ۱ : ۳۱۲ پر فرمایا۔

وھکذا الانسان یسبح نوع بتسبیح ما دام حیا فاذا مات وصار ترابا ولحق اجزاءہ

اسی طرح انسان جب تک زندہ رہتا ہے ایک قسم کی تسبیح کہتا ہے جب مر گیا اور اس کے اجزائے بدن مٹی میں

بالعناصر فانہ لایسبح بھذا التسبیح بل تسبیح العناصر فتغیر نوع تسبیحہ لا انہ لایسبح اصلا لان القرآن صرح بان تسبیح کل نوع علیحدۃ فقال کل قد علم صلوتہ وتسبیحہ وھکذا یستفاد الاستغراق من عامۃ الآیات الخ۔

. . . . . . فقال بعد ذکر السجدۃ والسجدۃ و التسبیح من نوع واحدہ

مل گئے۔ پھر وہ اس قسم کی تسبیح نہیں کہتا بلکہ اس نوع کی تسبیح کہتا ہے۔ جس قسم کے عناصر ہیں اس کے اجزاء مل گئے۔ صرف تسبیح کی نوع بدلی یہ نہیں کہ اس نے تسبیح کہنا ہی چھوڑ دیا کیونکہ قرآن حکیم صراحت کرتا ہے کہ ہر نوع کی تسبیح علیحدہ قسم کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہر چیز اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ جانتی ہے اور اسی طرح عام آیات سے استغراق سمجھا جاتا ہے سجدہ کے بیان کے بعد کہا کہ سجدہ اور تسبیح ایک قسم کی چیزیں ہیں۔

اور مولانا تھانوی رح نے "التکشف" میں تحریر فرمایا:-

"شعور جمادات، چونکہ کوئی دلیل حقیقت سے منصرف کرنے کی دلیل نہیں ہے۔ اس لیے حدیث میں لفظ یحبنا کو حقیقی معنوں پر محمول کر کے اس سے، اصل مسئلہ کشفیہ پر استدلال کریں گے۔ کہ جمادات میں بھی ایک گونہ شعور ہے کیونکہ حُب موقوف ہے شعور پر جیسا نحبہ "بالاتفاق حقیقت پر محمول ہے" ص۴۰۹

اور فیض الباری میں جسم انسانی کے مٹی میں مل جانے کے سلسلے میں "کل قد علم" آیت سے ایک اصول بیان کیا ہے۔

والحاصل ان الشجر الرطب یسبح تسبیح النبات واذا یبس فانہ یسبح تسبیح الجماد۔ (۱: ۳۱۲)

اصل یہ ہے کہ سبز درخت نباتات کے طریقہ کی تسبیح کہتا ہے۔ جب خشک ہو گیا تو جمادات کی قسم کی تسبیح کہنے لگا۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ

۱۔ قرآن مجید کی متعدد آیات قطعی الدلالۃ ہیں کہ ہر شے ذکر تسبیح اور سجدہ کرتی ہے۔

۲۔ مفسرین حضرات قرطبی، رازی - ابن کثیر - صاحب مظہری، اور صاحب روح المعانی وغیرہ اس مضمون کی آیات کا یہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔

۳۔ محدثین حضرات امام بخاری، مسلم، ترمذی اصحاب صحاح ستہ اسی عقیدہ کی تائید میں مستند روایات پیش کرتے ہیں۔

۴۔ شراح حدیث میں صاحب مرقاۃ، صاحب فیض الباری، صاحب فتح الملہم ان آیات واحادیث کی تفسیر میں اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ ہر شے تسبیح کرتی ہے اور انسان مرکر مٹی ہوگیا تو ایک شے سے دوسری شے میں بدلا مگر شے سے خارج نہ ہوا۔ لہذا اس حالت میں بھی تسبیح کرنا ثابت ہوا۔ اور اس طرح ہر شے میں۔ حیات شعور ادراک کلام کرنا اور سننا ثابت ہوا۔

۵۔ فقہائے کرام بھی اسی طرح سماع موتیٰ کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے متعلق جو غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے۔ اس کا ازالہ بھی کر دیا گیا۔

۶۔ علمائے ربانی متقدمین ومتاخرین یہی عقیدہ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ابن تیمیہ۔ سیوطی، بیہقی، وغیرہ۔

۷۔ اکابر دیوبند مثلاً حضرت انور شاہ کاشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا تھانوی وغیرہ، کتاب وسنت سے سماع موتیٰ کے حق میں دلائل بیان کرتے رہے۔

۸۔ اس امر کی وضاحت کی گئی کہ اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ میت سنتا ہے خواہ کسی حالت میں ہو۔

۹۔ خارجی اور معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ میت نہیں سنتا۔ یعنی عدم سماع کے قائل ہیں۔

۱۰۔ زمانہ حال کے جدید اہلسنت یعنی ندائے حق کے مصنف اور شیخ القرآن پارٹی قرآن حکیم، احادیث صحیحہ، فقہائے کرام اور اکابر دیوبند کے خلاف عدم سماع کی قائل ہے یعنی خوارج اور معتزلہ کا عقیدہ رکھتی ہے۔ اور اہلسنت ہونے کی مدعی بھی ہے۔ مسلک دیوبند رکھنے کا ڈھنڈورہ بھی پیٹتی ہے۔ ؎

قیامت کی آزادیاں ہیں میسّر
انا الحق کہو اور سولی نہ پاؤ

مسئلہ سماع موتیٰ پر اب ہم ایک اور پہلو سے بحث کرتے ہیں۔ اس سے ان توحیدیوں کے ایک اور عقیدہ کی وضاحت بھی ہو جائے گی۔

عذاب قبر:۔

۱۔ وهو ثابت عند اهل السنة والجماعة كافة بالتواتر (فيض البارى ۲: ۴۹۲)

عذاب قبر تمام اہلسنت والجماعت کے ہاں تواتر سے ثابت ہے۔

۲۔ عذاب القبر ثبت بالتواتر بتواتر قدر المشترك وقال به اهل السنة والجماعة قاطبة ومنكر التواتر هذا لاريب بتبديعه ومنكر التواتر بالقدر المشترك كافر ان كان التواتر بديها وفاسق ومتبدع ان كان نظريا اه (عرف الشذى ص ۳۸۹)

عذاب قبر تواتر سے ثابت ہے تواتر جو قدر مشترک ہے۔ اور یہی اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اس تواتر کا منکر بلاشبہ بدعتی ہے اگر تواتر بدیہی ہو تو اس کا منکر کافر ہے۔ اور تواتر نظری ہو تو اس کا منکر فاسق اور بدعتی ہے۔

یعنی عذاب قبر کا عقیدہ اہلسنت والجماعۃ کے ہاں تواتر سے ثابت ہے اور تواتر کا انکار کفر ہے یا فسق ہے یا بدعت ہے۔ عذاب قبر کے عقیدہ سے کئی اور مسائل ثابت ہوتے ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں :۔

واذا ثبت التعذیب ثبت الاحیاء والمسائلة لان کل من قال بعذاب القبر قال بهما ولنا ایضا احادیث صحیحة واخبار متواترة.
(عینی شرح بخاری ۸ : ۱۴۶)

جب عذاب ثابت ہو گیا تو زندگی اور سوال وجواب دونوں چیزیں ثابت ہو گئیں۔ جو شخص عذاب قبر کا قائل ہے اسے اِن دونوں کا قائل ہونا پڑے گا۔ ہمارے پاس صحیح احادیث اور متواتر اخبار موجود ہیں۔

یعنی عذاب قبر کا عقیدہ ثابت ہے۔ اور عذاب کے لیے حیات لازمی ہے۔ پس جب قبر میں عذاب ہے تو سماع وکلام بطریق اولی ثابت ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

فعلمنا ان فی القبر حیاة فیصح العذاب فیه ہ
(عینی ۲ : ۲۰۱)

پس معلوم ہوا کہ قبر میں حیات ہے تو پھر اس میں عذاب کا ہونا صحیح رہتا ہے۔

اور مولانا عثمانی فرماتے ہیں :

وکذالك الامر فی کل من انکر شیئا مما اجتمعت الامة علی من امو الدین ہ
(فتح الملہم ۱ : ۱۹۱)

یہی حکم ہے جس نے اس عقیدہ کا انکار کیا جس پر امت کا اجماع ہے۔ کفر کیا۔ اور عذاب قبر ضروریات دین سے ہے اور ضروریات دین میں تاویل کفر کے برابر ہے۔

اس عقیدہ کے متعلق شاہ صاحب فرماتے ہیں :۔

والبعث والجزاء وعذاب القبر سمی ضروریا لان کل واحد یعلم ان ھذا الامر مثلا من الدین ٥

مسئلہ قیامت اور جزا سزا عذاب و ثواب قبر ضروریات دین سے ہے کیونکہ ہر آدمی جانتا ہے کہ یہ مسئلہ دین سے ہے۔

(فیض الباری ١ : ٦٩)

اور فتح الملہم میں ہے ۔

الکفر عبارۃ عن انکار ما علم بالضرورۃ ٥

ترجمہ :۔ ضروریات دین کا انکار کفر ہے (١ : ١٩١)

اور فتح الباری میں ہے ۔

وکان مالک یفتی بکفر الخوارج والملحدین ھو الذین یؤولون فی ضروریات الدین ٥ (٢ : ٤٧٣)

اور امام مالکؒ خارجیوں اور ملحدین کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں ۔ ملحدین وہ ہیں جو ضروریات دین میں تاویلیں کرتے ہیں۔

اور قلت ومما ینبغی ان یعلم ان التاویل انما یقبل فی غیر ضروریات الدین اما فی ضروریات الدین فلا یسمع ٥ (٤ : ٤٧٥)

اور میں کہتا ہوں ضروریات دین کے علاوہ تو تاویل قابل قبول ہے ۔ لیکن ضروریات دین میں اس کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا ۔

ان عبارتوں سے ذیل کے امور ثابت ہوئے ۔

(١) تمام اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے کہ عذاب قبر بدن اور روح دونوں کو ہوتا ہے ۔

(٢) عذاب قبر کا عقیدہ متواترات سے ہے ۔ اور متواترۃ کا انکار کفر ہے ۔

(۳) عذاب قبر ضروریات دین سے ہے۔ جیسے، قرآن، نبوت اور قیامت کا عقیدہ ضروریات دین سے ہے۔

(۴) ضروریات دین میں تاویل کرنا کفر کے برابر ہے۔

(۵) عذاب وثواب قبر سے حیاۃ لازم ہے۔ زندگی کے بغیر عذاب وثواب کا تصو بھی بے معنی ہے۔

عذاب قبر کے لیے حیات لازمی ہے اس سلسلے میں مشکوۃ کی ایک روایت ہے:

عن بسیرۃ قالت قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیکن بالتسبیح والتھلیل والتقدیس واعقدن بالانامل فانھن مسئولات مستنطقات الخ شرح مرقاۃ: یسئالن یوم القیامۃ عما اکتسبن وبای شیئ استعلمن مستنطقات الی متکلمات بخلق النطق فیھا فیشھدن لصاحبھا (مشکوۃ مع مرقاہ ۵ : ۱۱۹)	حضرت بسیرہؓ فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں کی گرہوں پر تسبیح وتہلیل اور تقدیس کا حکم دیا۔ کیونکہ قیامت میں ان سے پوچھا جائے گا اور ان کو قوت گویائی حاصل ہوگی۔ الخ اور شرح مرقات میں ہے کہ قیامت کے دن انہیں قوت گویائی حاصل ہوگی اور ان سے پوچھا جائے گا کہ ان کا کس طرح استعمال کیا گیا اور یہ اکتساب کرنے والے کے حق میں گواہی دیں گی۔

یہ حدیث تفسیر ہے ان آیات کی انطقنا اللہ الذی انطق کل شیئ اور وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانو یکسبون ہ

ان آیات اور اس روایت سے میت میں حیات ثابت ہے پھر سننا سمجھنا ور کلام بھی ثابت ہے۔ یعنی سوال سنا۔ سمجھا اور جواب دیا۔

قبر میں سوال وجواب برحق ہے۔ اور اس کا منکر کافر ہے۔ اور رہ

عمل سننے اور سمجھنے اور کلام کرنے کے بغیر ممکن نہیں۔
مشکوۃ کے حاشیہ نادرہ میں مولانا نصیر الدین غورغشتی فرماتے ہیں:۔

عذاب القبر ثابت بآیات القرآن والاحادیث الصحیحۃ الکثیرۃ باجماع اھل السنۃ والجماعۃ ثم اختلف فی ان عذاب القبر یکون للروح اوللجسد مع الروح الثانی قول الجمھور وھو المشھور المختار ویؤیدہ الاحادیث کقولہ علیہ السلام فیقعدانہ وقولہ علیہ السلام یضرب بین اذنیہ وقولہ علیہ السلام فافرشوہ من الجنۃ والبسوہ من الجنۃ فان کان ذلک من اوصاف الاحیاء فعلم التعذیب یکون للجسد مع الروح ۔

عذاب قبر آیات قرآن اور کثیر التعداد احادیث صحیحہ اور اجماع اہلسنت و الجماعت سے ثابت ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے۔ کہ عذاب قبر فقط روح کے لیے یا روح مع الجسد کو ہوتا ہے۔ یہ دوسرا قول جمہور اہلسنت کا مذہب مختار ہے۔ اور احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ فرشتے میت کو قبر میں بٹھلاتے ہیں۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ میت کے دونوں کانوں کے درمیان مارتے ہیں۔ اور آپؐ کا یہ فرمان کہ، اس کے لیے جنت میں فرش لاکر بچھاؤ اور اسے جنت کا لباس پہناؤ، ظاہر ہے کہ یہ سب اوصاف جسم سے، تعلق رکھتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ عذاب قبر جسد مع الروح کو ہوتا ہے۔

اور بقدر ضرورت حدیث کے الفاظ درج کیے جاتے ہیں۔

قال علیہ السلام ان العبد اذا وضع فی قبرہ اذا قبر المیت اتاہ ملکان وقولہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی کو قبر میں رکھا جاتا ہے۔ تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں

علیہ السلام فیاتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک ۰

اور آپؑ کا یہ فرمان کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے ۔

یعنی دفن کے بعد میت کے پاس فرشتوں کا آنا ۔ اسے اٹھا کر بٹھانا ۔ اس سے سوال کرنا اور میت کا جواب دینا ایسے حقائق ہیں کہ ان سے ذخیرہ احادیث بھرا پڑا ہے ۔ اور یہ سب اوصاف جسد مع الروح کے ہیں ۔



ماعند اللہ باق

کفارِ عرب کا عقیدہ تھا کہ موت عدمی چیز ہے۔ جس کے ساتھ لگ جاتی ہے اس کو معدوم کر دیتی ہے۔ اسی نظریہ کی بنا پر وہ قیامت کے منکر تھے اعادہ معدوم محال سمجھتے تھے۔ اسلام نے اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے بتایا کہ موت عدمی نہیں وجودی چیز ہے۔ مخلوق ہے۔ خلق الموت والحیاۃ یعنی موت مخلوق ہے اور وجودی چیز ہے۔ ہاں جب ذی روح سے موت متصل ہوئی اسے دارِ دنیا سے منتقل کر کے دارِ آخرت میں لے گئی۔

المؤمنون لا یموتون بل ینتقلون من دار الی دار

انسان معدوم نہیں ہوتا بلکہ برزخ میں اور آخرت میں اس کے لیے جنت و دوزخ ہے۔ معدوم محض کے لیے جنت و دوزخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس انتقالِ مکان کے متعلق قرآن کریم قولِ فیصل بیان فرماتا ہے۔

کل نفس ذائقۃ الموت ثم الینا ترجعون ۰

یعنی موت کے بعد اللہ کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔ اسی مضمون کی متعدد آیات موجود ہیں:۔

مثلاً ۱۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۰ اور کل الینا راجعون ۰ اور ماعندکم ینفد وماعند اللہ باق اور بل احیاء عند ربھم یرزقون اور وماھذہ الحیاۃ الدنیا الا لھو ولعب وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان لوکانوا یعلمون ۰

یعنی حیاۃ کے دو حصے ہیں ایک حیوۃ دنیوی جو عارضی اور چند روزہ ہے دوسری حیات اخروی جو دائمی ہے۔ اگر آدمی سمجھنا چاہے تو یہ حقیقت اس کی سمجھ میں آسکتی ہے۔ حیات دنیا کے بعد آدمی دارِ آخرت میں منتقل ہو

جاتا ہے۔ اوّل عالم برزخ میں جاتا ہے۔ جو قیامت صغریٰ ہے۔ پھر دار آخرت میں پہنچتا ہے جو قیامت کبریٰ ہے۔ ماعند اللہ باق کی شرح میں شیخ رضی نے شرح کافیہ میں لکھا ہے

ان معنی "عند" القرب حسا او معنیً اما اللفظ مع فیقال جعلنا معا فی زمان واحد وکنا معا فی مکان واحد علی الظرفیۃ	لفظ "عند" کا معنی قرب حسی یا معنوی پر دال ہے اور لفظ "مع" کا قرب و معیت مکانی پر دال ہے۔

تو عندربھم اور عنداللہ باق میں عند کا لفظ قرب خداوندی پر دال ہے یعنی حیات دنیا کے بعد دار آخرت میں قرب خداوندی ہے خواہ حسی ہو یا معنوی بہر حال وہاں کی ہر شے زندہ ہے۔

شجر حجر ہر شے میں زندگی موجود ہونے کے دلائل قرآن کریم سے احادیث صحیحہ سے اور فقہاء و مفسرین کی توضیحات سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ نے اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

ولا یقول ھذہ اخبار احاد واثار لا تفید شیاء فی ھذا الباب۔ قلنا یکفینا ما تقدم لنا من اخبار اللہ تعالیٰ فی القرآن الکریم من الدلیل القطعی عن الحجارۃ ان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ وھذا یدل علی انھا تعرف ربھا معرفتہ	یہ سوال نہ کیا جائے کہ یہ احادیث اخبار احاد میں سے ہیں۔ اور عقیدہ کے سلسلے میں یہ کام نہ دینگی کیونکہ ہمارے لیے وہ دلیل کافی ہے۔ جو قرآن حکیم کی آیات سے بیان ہوئی ہیں۔ یہ قطعی دلائل ہیں۔ جو پتھروں کے متعلق کہا گیا ہے۔ کہ ان میں سے بعض وہ ہیں۔ جو خوف خدا سے گر پڑتے ہیں۔ یہ فعل اس امر کی دلیل ہے کہ وہ پتھر

تلیق بھا والا لماھبطت فان الخشیۃ تستلزم العلم بالمخشی وقد تقدم ہ
ص ۳۲۲

اپنی نوعیت کی مناسبت سے اپنے رب کو پہچانتا ہے۔ ورنہ وہ نہ گر پڑتا۔ کیونکہ خوف کیلئے ضروری ہے کہ اسے جانتا ہو جس سے خوف کھاتا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا۔

یعنی بنیادی طور پر سماع موتی اور تمام اشیاء کے سننے کا استدلال قرآن حکیم سے کیا گیا ہے۔ اور احادیث ان آیات کی شرح و تفسیر ہیں۔ پھر بھی کوئی شخص اس حقیقت کا انکار کرتا ہے۔ تو وہ منکر حدیث ہے منکر قرآن ہے۔ نفی سماع کی ایک حدیث بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ اب دیکھیئے کہ محمد امیر بندیالوی اور محمد حسین نیلوی قرآن و حدیث کا انکار کس فنکاری سے کرتے ہیں۔

(۱) واما اخبار الرسول الصحیحۃ فقلیلۃ فاین التواتر و تلک القلیلۃ ایضا ساقطۃ او مؤولۃ اذھی تخالف النصوص وعمل الصحابۃ ہ
(شفاء الصدور ص ۱۰۳)

(ترجمہ از حسین) اخبار رسول صحیحہ قلیل ہیں اور وہ بھی نصوص قطعیہ اور عمل صحابہ کے مخالف ہیں تو اتر کہاں ان کے بارے میں کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

یعنی اس امر کا اقرار ہے کہ صحیح احادیث موجود ہیں۔ پھر حدیث کا انکار کرنے کی یہ راہ نکالی کہ وہ صحیح احادیث قلیل ہیں:
اول تو قلیل کا اعتراف اس امر کا مطالبہ کرتا ہے۔ کہ اس کے مقابلے میں کثیر ہو۔ اس لیے لازمی ہے کہ ایسی احادیث رسول جو تعداد میں کثیر ہوں۔ صحیح ہوں اور عدم سماع کے مفہوم کے لیے قطعی الدلالۃ ہوں پیش کی جائیں مگر کثیر تو کیا ایک حدیث بھی عدم سماع کے حق میں ان شرائط کے ساتھ نہیں پیش

کی جا سکتی۔

پھر ان قلیل کا وزن کم کرنے کے لیے فرمایا کہ وہ تواتر کے خلاف ہیں۔ پھر انہیں بے اثر ثابت کرنے کے لیے فرمایا کہ وہ احادیث ساقط الاعتبار ہیں کیونکہ نصوص کے مخالف ہیں اور عمل صحابہ کے مخالف ہیں۔ ان میں سے ہر بات دلیل طلب ہے۔ مگر دلیل کوئی نہیں دی جن نصوص کے مخالف ہیں۔ وہ پیش کرنی چاہیئں۔ پھر عمل صحابہ کے خلاف کی دلیل کیا ہے۔ وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے آپ نے معلوم کر لیا کہ یہ عمل صحابہ کے خلاف ہے۔ صحابہ کا دور تو احادیث کا دور تھا۔ جب صحیح احادیث آپ کے ہاں مردود ٹھہری تو عمل صحابہ کی دلیل کہاں سے لیں گے۔ اگر تاریخ سے لیں تو معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک حدیث صحیح کے مقابلے میں تاریخ زیادہ قابل اعتبار ہے۔ کس معصومانہ انداز میں احادیث صحیحہ کا انکار ہو رہا ہے۔ اور توحید و سنت پر آنچ بھی نہیں آنے دی۔ اس سے ایک ہی صفحہ پہلے ارشاد فرمایا۔

ولیعلم ان الحجۃ ھی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم او فعلہ او تقریرہ دون اقوال الرجال والہامھم وکشوفھم وقیاسھم ومنامھم وما ذکرنا فی ھذا الباب منھا اقوال الرجال ومنھا افعالھم ومنھا کشوفھم ومنھا منامھم ثم منھا موضوعۃ ومنھا منکرۃ ۔
(ایضاً صد ۱۰۲)

اور یہ بھی معلوم ہے کہ قول و فعل اور تقریر رسول حجت بن سکتی ہے۔ لوگوں کے اقوال ان کے الہام اور کشف قیاس اور خواب حجت نہیں بن سکتے اور جو باتیں مذکور ہوئیں۔ وہ سب کی سب لوگوں کے اقوال ہیں یا افعال ہیں یا کشف ہیں یا خوابیں ہیں پھر کچھ تو ان میں موضوع ہیں اور کچھ منکرات میں سے ہیں۔

اس بیان میں آپ نے دو امور کا اظہار کیا اول یہ قول و فعل و تقریر رسول حجت ہے دوم یہ رجال یعنی مفسرین محدثین فقہا اور علمائے ربانی کے اقوال جو انہوں نے قرآن و حدیث کی شرح و تفسیر میں لکھے ہیں وہ حجت نہیں اور یہ فقہائے کرام نے ادلہ اربعہ میں سے قیاس کے ذریعے قرآن و سنت سے جن مسائل کا استنباط کیا ہے۔ وہ بھی حجت نہیں اور صوفیائے کرام کے کشف تو خیر کسی شمار میں نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم کی قطعی الدلالۃ آیات کا ذکر آپ نے نہیں کیا۔ وہ بھی آپ کے نزدیک حجت ہیں یا نہیں۔ اگر حجت ہوتیں تو متعدد آیات جن میں سے چودہ پندرہ آیات ہم نے پیش کی ہیں ان پر آپ کا ایمان ہوتا اور انہیں آپ حجت قرار دیتے اس لیے ظاہر ہے کہ قرآن کریم آپ کے لیے حجت ہی نہیں اس لیے اس کا ذکر آپ نے نہیں فرمایا۔

رہا قول و فعل تقریر رسول تو اگلے صفحے پر آپ حدیث صحیح کو ساقط الاعتبار قرار دے رہے ہیں۔ پھر کس قول رسول کو آپ حجت قرار دیتے ہیں۔ پھر حدیث صحیح کو آپ قرآن کی معارض قرار دے رہے ہیں۔ یہ عجیب دورنگی ہے۔ اگر حدیث صحیح ہے تو قرآن کی معارض کیوں ہے۔ اگر حدیث صحیح بھی ہے وہ قرآن کی معارض بھی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ فرائض رسالت میں سے ایک فریضہ آپ کے نزدیک یہ بھی تھا کہ خدا کا رسول خدا کی کتاب کے خلاف باتیں کیا کرے۔ اس سے آپ کے ایمان بالرسالت کا حدود اربعہ بھی معلوم ہو گیا۔

رہی تیسری بات کہ فقہائے کرام نے استنباط مسائل کے ایک مسلمہ اصول کے تحت جو مسئلہ قرآن و سنت سے استنباط کیا وہ آپ کے لیے حجت نہیں۔ اس سے آپ کی حنفیت کی قلعی بھی کھل گئی۔ اس پر طرہ یہ کہ آپ کو اس بات پر بھی اصرار ہے کہ قرآن کو بھول جائیے حدیث صحیح کو دیوار سے بیخ دو فقہائے کرام

کی مساعی کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دو اور ہمیں اپنا قبلہ مقصود بنا دیں کیونکہ خدا کی وسیع زمین پر علم کے مینار ہم ہیں۔ دیانت و صداقت کے مجسمے ہم ہیں۔ اجتہاد و بصیرت کے معیار ہم ہیں۔ کیونکہ ہمارا اعلان ہے کہ ع

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

اب حدیث کے انکار اور سلف صالحین کی تحقیر کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ان قطعیات کے ہوتے ہوئے کسی سلف یا خلف اکابر یا اصاغر جماہیر ہوں یا مشاہیر کا قول و فعل حجت نہیں ہے (اور وہ قطعیات صرف بزعم خویش ہی ہیں (ندائے حق صہ۱۴)

۲۔ مولانا موصوف کو تسکین لکھتے وقت یہ قاعدہ بھول گیا کہ صحابی کا قول و فعل حجت نہیں ہے۔ (ندائے حق صہ۱۹)

۳۔ صاحب تسکین کی تسکین ہو اور فرضی سلف فرضی جمہور، اور فرضی اکابر کی رٹ لگانا چھوڑ دیں۔ (ندائے حق صہ۱۵)

۴۔ مولانا موصوف کے مزعومہ مخترعہ جمہور کون سے جمہور ہیں۔
(ندائے حق صہ۳۰)

۵۔ سلف صالحین و فقہا و مجتہدین نے عمداً تو جھوٹ نہیں بولا مگر غلطی کی ہے۔ (اشفاء الصدور صہ۱۰۱-صہ۱۰۲)

ان ارشادات بالصحیح تر لفظ ہذیانات پر غور فرمائیں۔ صحابی کا قول و فعل حجت نہیں اچھا تو دین نقل ہے۔ اولین ناقلین صحابہ ہیں اور صحابہ کا قول حجت نہیں تو دین کا کیا اعتبار رسول خدا سے دین صحابہ نے لیا اور آگے تابعین کو پہنچایا۔ صحابی کا قول حجت نہیں تو دین کی کون سی بات مستند ہوگی۔ ندائے حق اور شفاء الصدور کے مصنف ذرا اس کی وضاحت تو کریں کہ جس دین کو آپ اسلام کہتے ہیں وہ آپ تک کیسے پہنچا؟

سلف صالحین سے مراد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین ہوتے ہیں۔ اگر

یہ سب فرضی شخصیتیں ہیں تو وہ اصلی سلف صالحین کون سے ہیں۔ اگر سرے سے ان کا کوئی وجود ہی نہیں تو کیا دین کا آغاز محمد امیر بندیالوی اور محمد حسین نیلوی سے ہوا۔ اگر ایسی بات ہے تو یہ دین اسلام نہیں اس کا کوئی اور نام جو چاہے رکھ لیجیے۔

پھر سلف صالحین فقہا و مجتہدین نے جھوٹ نہیں بولا۔ مگر ان سے غلطی ہوئی۔ یعنی صحابہ تابعین تبع تابعین اور فقہا کی کثیر جماعت جھوٹ کی فرد جرم سے تو بچ گئی۔ مگر غلط کار تو قرار پائی۔ اور غلطی سے پاک نقائص سے مبرا تیرہ صدیوں میں کوئی انسان معرض وجود میں آیا تو وہ صرف بندیالوی اور نیلوی ہیں۔

مجتہدین تو غلطی کا شکار ہوتے آئے مگر متقلدین معصوم عن الخطا ٹھہرے۔ قربان جائیے اس تقلید پر ادھر یہ سوال ہے کہ وہ کون سے جمہور ہیں ادھر یہ اعتراف ہے کہ

(۱) مولانا سرفراز نے حوالجات کا ایک خزانہ جمع کیا نقول کے انبار لگائے (ندائے حق ص۱۵)

کوئی پوچھے یہ حوالجات اور نقول کس سے نقل کیے ہیں۔ یہی وہ جمہور ہیں۔

(۲) آنکھیں بند کر کے روایات کے انبار لگائے (ایضاً ص۱۵)

یعنی آنکھیں کھول کے روایات پیش کرنے کا سلیقہ یہ ہے کہ اپنے، فاسد عقیدہ کے خلاف جو صحیح حدیث ہو اسے درخور اعتنا نہ سمجھا جائے اور اتباع ہوئی میں جو جی میں آئے وہ قلم سے اگل دیا جائے۔

(۳) فبای حدیث بعدہ یومنون الیس اللہ بکاف عبدہ (ایضاً ص۱۵)

یعنی قرآن بلا رسول ہی اصل دین۔ قرآن کی شرح و تفسیر علمی اور عملی جو رسول نے کی اور صحابہ کو سکھائی۔ انہوں نے آگے منتقل کی وہ سب دین سے خارج ہے۔ یہ وہ ٹیکنیک ہے جو ہر دشمن اسلام اختیار

کرتا ہے۔ جب تک حصار دین یعنی صحابہ کرام کو مجروح نہ کیا جائے قرآن کی من مانی تاویل کرنا جوئے شیر لانا ہے۔ لہٰذا اس حصار کو گرا دو تاکہ قرآن سے کھل کھیلنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ اسی قرآن سے جو مصدر ہدایت ہے۔ گمراہی پھیلانے کا کاروبار چمکایا جا سکے۔ اسلام کی پوری تاریخ پر نگاہ دوڑایئے ہر باطل فرقے نے صحابہ کرام کو اپنے گمراہی کے راستے کا روڑہ سمجھ کر اسے ہٹانے پر پوری قوت صرف کر دی اور پھر سراپا تقدس بن کر تلعب بالقرآن کے ذریعے اپنی پرستش کرانے کا مشغلہ شروع کیا۔

کوئی پوچھے کہ جناب بندیالوی اور نیلوی صاحب اگر قرآن کو چھوڑ کر تمام علمی ذخیرہ جھوٹ کا انبار اور اغلاط کا ریکارڈ ہے تو آپ نے اپنی عمر عزیز ان علوم کے پڑھنے میں کیوں برباد کی۔ حضرت انور شاہ صاحب نے ان بزرجمہروں کے متعلق فرمایا۔

ومن لم یفھمہ جعل یھزأ باحادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم وظن ان اعتراضہ علی البخاری تائید للحنفیۃ ولم یدر ان من سوء فعلہ ھذا ینھدم اساس الدین فانا اذا لم نثق باحادیث الصحیحین فانی نقتضی الدین والعیاذ باللہ من الزیغ ۵
(فیض الباری ۴ : ۱۱۰)

اور جس نے سمجھا نہیں وہ احادیث نبوی کا مذاق اڑانے لگا۔ اور یہ خیال کیا کہ بخاری پر اس کا اعتراض حنفیت کی تائید ہو گی۔ یہ نہ سمجھا کہ اس کے اس فعل بد سے دین اسلام کی بنیاد ہی اکھڑ جائے گی۔ جب ہم بخاری اور مسلم کی احادیث پر اعتماد نہ کریں تو دین کہاں سے لیا جائے گا۔ اللہ اس کج فہمی سے بچائے۔

(پھر فرماتے ہیں)

وليس الطريق ان يبنى الدين على كل لفظ جديد بدون النظر الى التعامل ومن يفعل ذلك لايثبت قدمه فى موضع ويخترع كل يوم مسئالة فان توسع الرواة معلوم ه

(فيض الباري ۲ : ۲۳۶)

یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں کہ دین کی بنیاد ہر نئے لفظ پر رکھ دی جائے۔ اور سلف صالحین کے تعامل کو نہ دیکھا جائے اور جو شخص یہ حرکت کر بیٹھتا ہے اس کے قدم کسی جگہ نہیں جمتے۔ ہر روز ایک نیا مسئلہ گھڑ لے گا۔ کیونکہ روایات کی وسعت توظاہر ہے۔

ضلالت کے راستے میں پہلا قدم ہی یہ ہے۔ کہ فہم قرآن کے لیے رسول سے بے نیازی بلکہ بیزاری کا رویہ اختیار کیا جائے۔ پھر رسول خدا کے براہ راست شاگردوں کو ناقابل اعتماد قرار دیا جائے۔ ان کے قول و فعل کو حجت نہ سمجھا جائے اس اہتمام کے بعد قرآن پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا جائے۔ نتیجہ ایک نئے دین کی ایجاد ایک نئی شریعت اختراع کرنا۔ اور گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے رہنا۔ چنانچہ بندیالوی نیلوی اینڈ کمپنی اسی شاہ راہ پر گامزن ہیں۔ اس اختراعی ذہنیت کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

"صاحب تسکین سے یہ بات بھی مخفی نہ ہوگی۔ کہ انسان اس گوشت پوست ہڈیوں، پٹھوں، خون وغیرہ کا نام نہیں ہے۔ اور نہ اس ڈھانچہ کا نام ہے جو ہمیں نظر آرہا ہے۔ . . . . انسان تو آدم اور اولاد آدم کا نام ہے۔ جس کو ذریہ اور نسمہ بھی کہتے ہیں۔"

(ندائے حق ص‍۲۸۳)

یہ تحقیق بظاہر نئی معلوم ہوتی ہے مگر ان لوگوں کے اعتقادی شجرہ نسب

کا کھوج لگایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو چچوڑی ہوئی ہڈیاں ہیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے کہ یہ عقیدہ نظام شیعہ معتزلہ کا تھا۔

قال ان الانسان هو الروح وهو جسم لطيف متداخل لهذا الجسم الكثيف۔ ان الروح التي هي الانسان ه (تفسیر کبیر ۵ : ۴۴۵)	وہ کہتا ہے کہ انسان تو روح ہے۔ اور وہ ایک جسم لطیف ہے۔ جو اس کثیف جسم میں داخل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روح ہی انسان ہے۔

اور علامہ عبدالقادر بغدادی فرماتے ہیں۔ کہ یہ عقیدہ فرقہ معمریہ و بکریہ کا ہے۔

ان الانسان انه شيئ غير هذا الجسد المحسوس ه (الفرق بين الفرق ص۱۵۴)	انسان۔ اس جسم محسوس سے الگ کوئی شے ہے۔

اور صاحب الملل والنحل نے وضاحت کی ہے کہ یہ فرقے اس عقیدہ میں نظام ہی کے خوشہ چین ہیں:

اما البكرية فاتباع بكر بن اخت عبد الواحد بن زيد وكانا يوافق النظام في دعواه ان الانسان هو الروح دون الجسد ه (الملل والنحل ص۵۵)	بکریہ۔ بکر بن اخت عبدالواحد بن زید کے پیرو ہیں۔ اور یہ لوگ اس اس عقیدہ میں نظام کے موافق تھے کہ انسان روح ہے جسم نہیں۔

پھر اسی کتاب کے ص۲۶ پر فرقہ معمریہ، نظام، اور بکریہ کا عقیدہ یوں بیان ہوا ہے۔

الانسان معنى او جوهر	انسان ایک معنوی شے ہے یا جوہر

غیر الجسد ۔ | ہے۔ یہ جسم انسان نہیں ۔

یعنی بندیالوی اور نیلوی صاحب وغیرہ کا یہ عقیدہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ نہیں بلکہ نظام معمریہ اور بکریہ کا عقیدہ ہے ۔ مگر یہ اہلسنت والجماعت کے ساتھ وابستگی کا اظہار بھی محض مفاد پرستی کے پیش نظر ہے۔ کیونکہ جب صحیح حدیث کا انکار ہے تو اہلسنت کہاں رہے اور جب سلف صالحین کے اجماع کا انکار ہے تو الجماعت کا مفہوم کیا ہوگا۔ اس لیے ہم اس عقیدہ کو خالص قرآن حکیم کی روشنی میں دیکھتے ہیں کیونکہ یہ حضرات کہتے ہیں کہ فبای حدیث بعدہ یومنون پر ہمارا عمل ہے۔

۱۔ تفسیر کبیر میں آیت ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین الخ کے تحت امام رازی فرماتے ہیں ۔

قالوا فی الایۃ دلالۃ علی بطلان قول النظام فی الانسان ہو الروح لا البدن فانہ سبحانہ بین ان الانسان ہو المرکب من ہذہ الصفات وفیہا دلالۃ ایضا علی بطلان قول الفلاسفۃ الذین یقولون ان الانسان شیٔ لا ینقسم وانہ لیس بجسم ٥

(۶ : ۱۸۸)

مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں نظام کے اس قول کی تردید ہے کہ انسان روح ہے بدن نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ کہ انسان ان صفات سے مرکب ہے اور اس میں فلاسفہ کے قول کی بھی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ انسان ایسی شے ہے۔ جو تقسیم نہیں ہو سکتا اور وہ جسم نہیں ۔

(۲) تفسیر کبیر میں آیت اسریٰ کے تحت لکھا ہے۔

ان لفظ العبد لا یتناول الا مجموعۃ الروح والجسد

عبد کا لفظ روح اور جسم کے مجموعے پر بولا جاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت

والدليل عليه ارأيت الذی ینهی عبدا اذا صلی ولاشك ان ههنا المراد من العبد مجموعة الروح والجسد (ص ۳۷)	ہے کہ کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو میرے بندے کو نماز سے روکتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہاں عبد سے مراد روح اور جسم کا مجموعہ ہے۔

(۳) پھر فرمایا۔

الانسان انہ لما کان الانسان فی عرف القرآن والظاهر عبارة عن هذه الجثة اطلق علیه اسم الانسان (۵ : ۵۹۹)	انسان جب عرف قرآنی میں انسان ہے اور ظاہر عبارت ہے اس جسم انسانی سے اس پر لفظ انسان کا اطلاق ہوتا ہے۔

اقوال الرجال اور جمہور کو چھوڑئیے قرآن حکیم کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے کی زحمت اٹھائیے قرآن کے الفاظ میں اپنے دل پسند معانی داخل کرنے کا تکلف چھوڑ دیئے۔ ان آیات سے اس عقیدے کا بطلان ظاہر ہے۔

امام رازی کے علاوہ دوسرے مفسرین سے پوچھئے۔

(حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں)

فان العبد عبارة عن مجموعة الروح والجسد ه (تفسیر ابن کثیر ۳ : ۲۳)	عبد کا لفظ روح اور جسم کے مجموعے سے عبارت ہے۔
العبد ظاهر فی الروح والبدن (روح المعانی ۱۵ : ۷)	عبد کا ظاہر روح اور بدن سے ہے انسان روح اور جسم کا مظہر ہے۔

اب آپ اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ کہ مفسرین نے اگر قرآن کی تعبیر کی ہے۔ تو کیا مضائقہ ہے۔ ہم بھی تو مفسر ہیں اور ھم رجال ونحن رجال

یہی تو وہ موڑ ہے۔ جہاں سے آپ نے قرآن کو رسول کے ہاتھ سے چھین کر اپنی ہوا و ہوس کا تختۂ مشق بنایا ہے۔

علامہ ابن قیم نے اس عقیدہ کے متعلق فرمایا ہے

بل الذی علیہ الجمہور و العقلاء ان الانسان ھو البدن والروح معا قد لیطلق اسمہ علی احدھما دون الاخر بقرینۃ ؏	جمہور (اہلسنت) اور عقلاء کے نزدیک انسان سے مراد جسم اور روح کا مجموعہ ہے ان میں سے کسی ایک پر اس کا اطلاق صرف اس وقت ہوتا ہے۔ جب کوئی قرینہ موجود ہو۔

اور اس نظامی، معمری بکری بندیالوی اور نیلوی عقیدہ پر علامہ عبدالقاہر نے سوال اٹھائے ہیں کہ اگر یہ جسد انسان نہیں بلکہ انسان اس کے بغیر کچھ اور ہے تو ماننا پڑے گا کہ :۔

(۱) انہ یوجب ان الصحابۃ ما راؤا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل راؤا قالبا فیہ رسول اللہ فلا یکون الصحابۃ صحابیاہ	اس سے لازم آئے گا کہ صحابہ رضؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی بلکہ اس قالب۔ جسم کو دیکھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ لہٰذا کوئی صحابی صحابی نہ ٹھہرا۔
(۲) ویوجب ان لایکون احد قد رائی اباہ وامہ وانما رای قالبھما ہ	اور یہ بھی لازم آئے گا کہ کسی شخص نے اپنے ماں باپ کو نہیں دیکھا بلکہ اس قالب کو دیکھا جس میں وہ تھے۔
(۳) ویوجب ان یقول فی الجماد ایضا انہ لیس ھو جسد وانما جماد ھو فی ظاھر ھذہ الجسدہ	اور جمادات کے متعلق بھی یہی کہنا پڑے گا کہ ان کا کوئی جسم نہیں بلکہ وہ اس جسم میں نظر آتے ہیں۔

(۴) لازم آئے گا۔ انسان چونکہ غیر مرئی چیز ہے۔ اس لیے کسی نے انسان کو دیکھا ہی نہیں۔ اور اذا قال النیلوی ان الروح التی فی الجسد ھی الانسان وھی الفاعلۃ دون الجسد ہ

تو عرف عام میں جسے انسان کہتے ہیں وہ چوری کرے زنا کرے شراب پیئے قتل کرے تو اس پر نہ حد جاری ہو سکتی ہے نہ اس سے مواخذہ ہو سکتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ سزا کا تعلق تو انسان سے ہے میں تو ایک جسد ہوں انسان کو تلاش کیجیے اور اسے سزا دیجیے مجھے معاف رکھیے۔ پھر بتایئے کہ تمدن کی کیا حالت ہو گی۔

اور اگر آپ کو پھر بھی اپنے غیر فطری غیر عقلی اور غیر قرآنی عقیدے پر اصرار ہے تو کفاك یا نیلوی لعناد القرآن خزیا ونکالا ومن اتبعہ علی منوالہ ہ

جناب نیلوی نے امام رازی پر بہتان تراشی کی ہے۔ امام صاحب کا فرمان ہے۔ کہ بدن میں اصل کام کی چیز روح ہے۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ بدن انسان ہی نہیں۔ ابن قیم رح نے کتاب الروح میں قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں قول فیصل بیان کیا :-

ان الانسان عبارۃ من ھذا البدن والھیکل المخصوص فھو قول جمھور الخلق وھو المختار عند اکثر المتکلمین (ص ۲۱۹)	انسان اسی جسم اور مخصوص شکل سے عبارت ہے۔ یہی جمہور اور اکثر متکلمین کے نزدیک صحیح ہے۔

یہاں ایک اور نکتہ بھی پیدا ہوتا ہے یا گرہ کھلتی ہے کہ جب یہ چلتی پھرتی صورتیں اور یہ متحرک اور ناطق جسم انسان نہیں تو جمہور اور سلف، صحابہ اور رسول کے اقوال تلاش کرنا اور انہیں حجت بنانا کارِ عبث ہے۔ کیونکہ

جمہور تو انسان ہونے چاہیئں۔ صحابہ اور سلف سب انسان ہونے چاہیئں۔ اور انسان غیر مرئی شے ہے۔ پھر کوئی کس سے سیکھے اور کیوں سیکھے۔ اس سے آگے بڑھئے تو ایک اور بات قابل غور ہے کہ یہ نیلوی بندیالوی وغیرہ جب انسان ہی نہیں رہیں۔ تو ان کی بات پر آدمی کان کیوں دھرے۔ اور جب یہ آپ کا دین۔ رسول صحابہ اور تابعین وغیرہ قالبوں سے پہنچا تو اس دین کا کیا اعتبار۔ دین تو وہ ہے جو رسول سے چلے صحابہ سے نسلاً بعد نسل آگے چلے۔ اور آپ کے عقیدہ کے مطابق جب یہ سب فرضی ہیں تو دین کا اعتبار کیا رہا اور اس کی ضرورت کیا رہی۔



نفسؔ اور رُوح

لفظ روح، نفس اور نسمہ کے مفہوم میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ تاکہ اس بناوٹی بنیاد پر من مانی عمارت تعمیر کی جاسکے۔ اس لیے ان الفاظ کے مفہوم کی وضاحت ضروری ہے۔

روض الانف ۱ : ۱۹۸ پر یہ بحث چھیڑی گئی ہے۔ جس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ :

جب نفخ اور خلق بیان کرنا مقصود ہو تو اس کے لیے روح کا لفظ بولا جاتا ہے جیساکہ فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی۔ خلق کے بعد جب بدن انسانی کے اوصاف اس پر غالب آجائیں تو کسب واکتساب اور افعال و اعمال کی وجہ سے اسے نفس کہا جاتا ہے۔ جیساکہ بادلوں سے جب بارش برستی ہے تو اسے پانی کہا جاتا ہے۔ جب یہ پانی درختوں کو سیراب کرتا ہے۔ ان پر پھل آتا ہے اور اس پھل کو نچوڑ کر اس سے رس نکالا جاتا ہے۔ تو اسے مطلق، پانی نہیں کہا جاتا ہے۔ بلکہ جس پھل سے وہ رس نچوڑا جاتا ہے۔ اس کی نسبت سے اسے منسوب کیا جاتا ہے۔ مثلاً انار کے رس کو مطلق پانی نہیں کہا جاتا بلکہ انار کا پانی اسی طرح سیب کا پانی۔ سنگترے کا پانی یا تربوز کا پانی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ پانی وہی بارش کا ہے مگر ان پھلوں کی صحبت کی وجہ سے ان کیساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح روح نے بدن انسانی کی صحبت سے جو کسب افعال کیئے ان کی وجہ سے اسے نفس کہا جانے لگا۔ اوصاف بدلنے سے نام بدل گیا۔

نسمہ کا لفظ روح یا روح مع الجسم پر بولا جاتا ہے۔ بہر حال روح نفس اور نسمہ ذات واحد کے تین نام ہیں۔ البتہ نسمہ کا اطلاق روح۔

معہ الجسم پر ہوتا ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ باب میں بیان ہوگی۔ چنانچہ حضرت انور شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

قولہ تعالیٰ ثم ینفخ فیہ الروح وقد علمت الفرق بین النسمۃ والروح فان النسمۃ توصف بالولادۃ فورد فی الخبر ان ما من نسمۃ مولودۃ الی ان قال بخلاف الروح فانہ لا تتصف بہ وان اتصف بالنفخ والخلق وبالجملۃ ان الروح بعد نفخھا فی الجسد تکتسب احوالا تتغیر فیھا خواصہ فتسمی نسمۃ وغیرھا ای بالنفس وقد مر لبطھا فالشیء واحد ولہ مراتب فھو نسمۃ فی المرتبۃ التحتانیۃ وما دام لم تتعلق بالجسد وکانت نسبتہ الی اللہ کما قال من روحی وروح منہ ۔ (فیض الباری ۴: ۵۲۶)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس میں روح پھونکی جاتی ہے اور تم جانتے ہو کہ روح اور نسمہ میں فرق یہ ہے۔ کہ نسمہ ولادت یعنی پیدائش سے موصوف ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کوئی نسمہ پیدا ہونے والا نہیں الخ۔ بخلاف روح کے کہ وہ ولادت سے موصوف نہیں بلکہ نفخ اور خلق سے موصوف ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ روح جب بدن انسانی میں آجاتا ہے۔ کسب احوال کرتا ہے۔ اس کے اوصاف بدل جاتے ہیں۔ پس اس کو نسمہ کہا جاتا ہے اور نفس بھی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ، تفصیل گزر چکی ہے کہ یہ شے واحد ہے اور اس کے مراتب مختلف ہیں نچلے درجے میں وہ نسمہ تھا۔ جب تک روح کا تعلق بدن سے نہ تھا۔ اس کی نسبت بدن کی بجائے اللہ کی طرف تھی۔ اس کا نام روح تھا۔ جیسا کہ فرمایا۔

"من روحی وروح منہ"

معلوم ہوا کہ رُوح اور نفس شے واحد ہے۔ اوصاف بدلنے سے نام بدلے مگر نام بدلنے سے ذات شے نہیں بدلتی۔

اور فتح الملہم میں بیان ہوا ہے کہ علامہ سفارینی نے اپنی کتاب عقیدہ سفارینی میں فرمایا کہ :-

قال العلامة السفارينى فى عقيدته واما اختلاف الناس فى الروح هل هى النفس اوغيرها فمن الناس من قال هما اسمان لمسمى واحد وهذا قول الجمهور وقد لبسط الحافظ ابن القيم فى كتاب الروح الكلام فى المسألة وذكر آراء العلماء فيها ورجح بعد التحقيق ان الفرق بين النفس والروح فرق بالصفات لافرق بالذات ٥ (فتح الملہم ۲ : ۲۶۹)	روح کے بارے میں لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا یہ نفس ہے یا اس کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک حقیقت کے دو نام ہیں یہ قول جمہور علماء کا ہے علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ انہوں نے اس میں علماء کی رائیں بیان کی ہیں اور تحقیق کے بعد اس قول کو راجح قرار دیا ہے کہ روح اور نفس میں صفات کا فرق ہے ذات واحد ہے۔

اور خود علامہ سفارینی اپنی شرح۔ عقیدہ سفارینی میں فرماتے ہیں۔

هما اسمان لمسمى واحد وهذا قول الجمهور ٥ (۲ : ۲۹)	وہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور یہ جمہور کا قول ہے۔

اور علامہ ابن قیم فرماتے ہیں۔

واما المسئلة العشرون وهی هل الروح والنفس شیئ واحد او شیان متغایران فاختلف الناس فی ذلک فمن قال ان مسماهما واحد وهم الجمهور الی ان قال فالفرق بین النفس والروح فرق بالصفات لافرق بالذات

(کتاب الروح ص۲۶۲)

بیسواں مسئلہ یہ ہے کہ کیا روح اور نفس ایک ہی چیز ہے یا دو مختلف چیزیں ہیں اس میں لوگوں کا اختلاف ہے جمہور کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی چیزیں ہیں اور نیز یہ کہ نفس اور روح میں فرق صرف صفات کے اعتبار سے ہے ذات کا نہیں۔

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

اما الروح التی تتوفی وتقبض فهما روح واحد وهی النفس۔ پھر فرمایا۔ والنفس والروح اسمان مترادفان لمعنی واحد ومعناهما واحد و قال الجوهری النفس هو الروح

(ص۲۶۶)

لیکن وہ روح جسے قبض کیا جاتا ہے اور جس پر لفظ وفات کا اطلاق ہوتا ہے۔ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور یہ نفس ہے۔ نفس اور روح مترادف ہیں۔ جن کا ایک ہی معنی ہے۔ جوہری کا قول ہے کہ نفس ہی روح ہے۔

اور شرح الصدور میں ہے۔

ان الروح والنفس شیئ واحد

(ص۱۳۳)

روح اور نفس ایک ہی چیز ہے۔

اور علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:۔

واحتج بالآیة الاولی علی ان النفس والروح شیئ

سابقہ آیت میں اس کی دلیل موجود ہے کہ نفس اور روح ایک ہی چیز

واحد ہ (فتح الباری ۳: ۱۵۱)

اور علامہ آلوسی فرماتے ہیں :۔

اختلف الناس فی الروح و النفس ھل ھما شیٔ واحد ام شیئان فحکی ابن زید عن اکثر العلماء انھا شیٔ واحد ہ (روح المعانی ۱۴: ۱۵۸)

ہے۔

لوگوں کا اس میں اختلاف ہے۔ کیا روح اور نفس ایک ہی چیز ہے۔ یا دو ہیں۔ ابن زید نے اکثر علمأ سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں سے مراد ایک ہی چیز ہے۔

پھر فرماتے ہیں :۔

والحق انھما یتحدان وقد یتغیران ہ

روح المعانی (۱۴: ۱۵۸)

حقیقت میں یہ دونوں ایک چیز ہیں لیکن باعتبار صفات مختلف ہیں ۔

اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے اپنے مجموعہ فتاوی ص۵، ایک سوال کے جواب میں فرمایا ۔

"نفس اور روح ایک ہی چیز ہے اور اوصاف کا اختلاف ہمیشہ احوال کے اعتبار سے ہوتا ہے۔"

علماء محققین کے اقوال و تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ روح اور نفس شئ واحد ہے۔ باعتبار ذات کے اور اختلاف ہے باعتبار صفات کے۔

اب مولوی غلام اللہ خان کی تحقیق ملاحظہ ہو

جواہر القرآن ۲ : ۹۰۵ پر عذاب قبر کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"احساس الم نفس کو ہوتا ہے جو روح سے ایک جدا چیز ہے۔ البتہ روح سے اس کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ جیسا کہ دھوئیں کا آگ سے۔ یہ نفس بدن کی جزو اصلی ہے۔ جو ابتداء سے آخرت تک باقی رہتی ہے۔ یہی وہ نسمہ ہے جسے جنت میں پرندے کے قالب میں

داخل کیا جائے گا۔"

"شیخ القرآن" نے ایک بات تو ٹھیک کہی کہ نفس و نسمہ شیئ واحد ہیں۔ جیساکہ ہم نے بیان کیا ہے۔ مگر روح سے جدا چیز قرار دے کر ٹھوکر کھائی ہے یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی دلیل مصنف نے کوئی نہیں دی۔ دوسری ٹھوکر یہ کھائی ہے۔ کہ نسمہ کو دھویئں سے تشبیہ دی اور روح کو آگ سے۔ اسی طرح نیلوی صاحب نے ندائے حق میں فرمایا کہ نفس و روح کی مثال آگ اور دخان جیسی ہے (صـ۱۸۷)

مگر دیکھنا یہ ہے کہ دھواں تو اثر ہے آگ کا یعنی آگ سے ہی پیدا ہوتا ہے اور شیخ القرآن نفس کو روح سے جدا قرار دیتے ہیں اور نفس و نسمہ کو شیئ واحد تسلیم کر کے بدن انسانی کی جزو اصلی مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جزو شیئ۔ شیئ سے متقدم ہوتی ہے۔ تب جزو سے کل مرکب ہوتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب یہ نسمہ بدن انسانی کی اصل جزو بنا تو بھی اسی قسم کی جزو ہوگی جس قسم کا کل ہے بدن انسانی تو خون گوشت پوست ہڈی رگ و ریشہ اعصاب وغیرہ سے بنا ہوا ہے۔ لہٰذا جزو بھی انہی اجزاء کی قسم ہوگی۔ مگر نیلوی صاحب ایک طرف بدن کی جزو اصلی قرار دیتے ہیں۔ دوسری طرف اس نسمہ کو مستقل انسان قرار دیتے ہیں۔ جیساکہ ندائے حق میں فرماتے ہیں :۔

(I) "دوسرے یہ کہ اصل معاملہ انسان کے ساتھ پیش آتا ہے۔ جو نسمہ مع الروح کا نام ہے (صـ۸)

(اور صـ۹ پر فرماتے ہیں)

(II) "عہد نسمہ سے ہوا جو جسم مع الروح کا نام ہے۔ عاقل بالغ تھے۔ مرد عورت کی ممتاز صورت تھی۔ سن، بول، سمجھ سکتی تھی۔ اس نسمہ کو کہیں ذریتہ سے تعبیر کیا گیا اور کہیں اولاد سے وہی نسمہ ہے۔ جو عالم ذر سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں اس بدن عنصری میں آیا ہے۔ اسی کو سوال و جواب کے

لیے اٹھایا بٹھایا جاتا ہے اسی سے پوچھ گچھ من ربک من نبیک کا ہوتا ہے"۔

(اور ندائے حق صہ۲۸۲ پر فرماتے ہیں)

III "انسان کے لیے ضروری ہے کہ صاحب عقل اور صاحب ادراک ہو۔ اور ظاہر ہے کہ بدن میں ادراک عقلی مفقود ہے۔ اس سے یہی ثابت ہوا کہ انسان بدن سے مغائر ہے"

مصنف کے ان تینوں بیانات کا جائزہ لیجیے۔

(۱) انسان ——— نسمہ مع الروح کا نام ہے۔

(۲) نسمہ ——— جسم مع الروح کا نام ہے۔

(۳) انسان ——— بدن سے مغائر ہے۔

اول تو ان تینوں بیانات میں سے انسان کی تلاش کیجیے کہ وہ کہاں ہے؟ کیا ہے؟

I ۔ یعنی انسان = نسمہ + الروح

اور نسمہ = جسم + روح

یعنی انسان = جسم + روح + روح

II ۔ اور انسان = جسم سے الگ کوئی چیز۔ مگر کیا چیز؟ جو بتانے والے کو بھی علم نہیں۔

شاید کوئی ریاضی دان اس مساوات کو حل کر سکے۔ اب تک تو لاینحل ہی ہے۔

قول نمبر۲ کے اندر ایک اور الجھن در الجھن ہے۔ ابتداء میں فرمایا۔

عہد نسمہ سے ہوا۔ جو جسم مع الروح ہے۔ پھر فرمایا۔

وہی نسمہ ہے جو عالم ذر سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں اسی بدن عنصری میں آیا۔

یعنی جسم اور بدن دو مختلف چیزیں ہیں۔ کیونکہ نسمہ جو جسم مع الروح ہے۔ وہ منتقل ہو کر بدن عنصری میں آیا۔ اور جسم مع الروح کو سوال جواب کے لیے اٹھایا

بٹھایا جاتا ہے۔ بدن کو کچھ نہیں کہا جاتا۔ یعنی سوال جواب سے بدن مستثنیٰ ہے۔ وہ جسم جو بدن میں آیا وہ فرضی ہے وہمی ہے خیالی ہے لطیف ہے۔ ٹھوس مادی ہے۔

قول ۳ انسان کے لیے عقل وادراک ضروری ہے۔ بدن میں عقل وادراک ہے نہیں۔ لہٰذا انسان اس بدن سے الگ چیز ہے۔ مگر کیا ہے ؟ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔

قول ۲ میں پھر ایک اور پیچ پڑا ہوا ہے۔

عہد نسمہ سے ہوا۔ نسمہ جسم مع الروح ہے۔

عاقل بالغ تھا۔ عورت مرد کی تمیز تھی۔ سنتا بولتا تھا۔

اسی نسمہ کو کہیں ذریت کہیں اولاد سے تعبیر کیا گیا۔

نسمہ میں عورت مرد کی تمیز کس لیے تھی۔ ظاہر ہے کہ توالد و تناسل کے لیے تو کیا نسمہ میں عقل و بلوغ تذکیر و تانیث اس امر کا متقاضی نہیں کہ ان میں نکاح تعلقات زن و شوہر پھر توالد و تناسل ہو تو یہ دنیا میں انسانی شکل میں جو مخلوق موجود ہے۔ وہ اسی نسمہ کی ہوگی۔ بدن کا تو اس تمام عمل سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس میں بقول آپ کے عقل ادراک شعور موجود نہیں۔

قول ۳ سے ایک اور الجھن پیدا ہوتی ہے۔ کہ جب اس بدن میں عقل نہیں ادراک نہیں تو یہ مکلف بھی نہیں کیونکہ مدار تکلیف تو عقل پر ہے۔ اور نیلوی صاحب کے بدن میں عقل ہے نہیں لہٰذا مکلف بھی نہ ہوئے۔ لہٰذا نماز روزہ حج زکوٰۃ، عقائد وغیرہ غیر متعلق باتیں ہوئیں اور نیلوی صاحب کے بدن والے انسان کے لیے نکاح وغیرہ کا تکلف بھی شے زائد ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ نیلوی پارٹی شرک کی رٹ اور مشرک کے نعرے کیوں لگاتی پھرتی ہے۔ اور اس فتویٰ کا مخاطب کون ہے یہ جو مجسم چلتا پھرتا نظر آتا ہے یہ تو انسان نہیں۔ پھر یہ مشرک کیوں نظر آتا ہے۔ یہ تو انسان نہیں۔ پھر یہ مشرک کیوں قرار پایا۔ اور جب بدن مکلف نہیں۔

توسوال وجواب اور عذاب وثواب سے بھی بری ہوا۔ لہذا نسمے تلاش کرو۔ اس پر فتوے لگاؤ۔

ایک اور علمی گنجلک ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں نسمہ جسم مع الروح ہے۔ عالم ذر سے منتقل ہو کر بدن میں داخل ہوا۔ یعنی بدن پہلے تیار ہوا۔ تب نسمہ کو عالم ذر سے لایا گیا پھر یہ جز و بدن کیسے بنا یہ تو حلول ہے یا دخول ہے۔ اور جب عہد بھی نسمہ سے لیا گیا۔ برزخ میں سوال وجواب اسی نسمہ سے ہوں گے۔ عاقل بالغ اور متکلم بھی نسمہ ہے۔ مکلف بھی نسمہ ہے۔ تو اس بدن میں اسے داخل کس غرض سے کیا گیا۔ پھر یہ اولاد آدم کیسے بنا۔ اولاد تو وہ ہوتی ہے۔ جو نطفہ ظاہری بدن سے نکل کر رحم مادر میں داخل کی جائے تو نشوونما پا کر باہر آئے کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز بدن انسانی میں باہر سے داخل کی جائے۔ تو وہ اس کی اولاد بن جائے گی۔ اور بدن سے کوئی چیز خارج ہو جائے تو وہ اس کی اولاد بن جائے گی۔ مثلاً جسم انسانی سے کوئی کیڑا نکل آئے۔ تو وہ اس کی اولاد ہو گی۔ حضرت حوا جو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی۔ تو ان کی اولاد ہوئی۔ اگر نیلوی صاحب نے قرآن ہی پڑھ لیا ہوتا۔ تو پیدائش انسانی کا قانون شاید سمجھ میں آجاتا۔

ثم جعلنہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشأنٰہ خلقا اٰخر فتبارک اللہ احسن الخالقین ۝

یہ عالم ذر سے نقل ہو کر جسم عنصری میں داخل ہونے کی بات بھی ایجاد بندہ قسم کی ہے۔ عالم ذر کا وجود صحیح حدیث سے ثابت کریں۔ جب اس کا وجود ہی ثابت نہیں تو عالم ذر سے نقل کیسے ہوا۔

نسمہ کا عالم ذر سے نقل مکانی کا معاملہ خود ایک مستقل معمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ

نے ارشاد فرمایا ہے۔

فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین ہ

یعنی انسانی جسم کے تسویہ کے بعد روح سے اس کو حیات حاصل ہوئی۔ آپ کا نسمہ جو مستقل عالم ذر کی مخلوق ہے وہ نفخہ روح سے پہلے بدن انسانی میں داخل ہوا یا بعد۔ دونوں کا ثبوت پیش کریں۔

پھر اول روح داخل ہوا تو اس کی بدن کو ضرورت کیا تھی۔ جب آپ کے نسمہ سے حیات ہو چکی۔ یہ تحصیل حاصل کیوں ؟ اگر بعد کو داخل ہوا تو اس کا کیا فائدہ ہوا۔ جبکہ حیات تو روح سے حاصل ہو گئی۔ پھر آپ نے مسئلہ ہی حل کر دیا کہ :۔

نسمہ ہی انسان حقیقی ہے (ندائے حق صد ۳۴) یعنی ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی کو انسان نام کی مخلوق دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ بدن تو انسان ہے نہیں اور نسمہ کہیں نظر نہیں آتا۔ بلکہ محض موہوم اور خیالی مخلوق ہے۔ ذرا اس اپنے عقیدے کا ثبوت حدیث سے پیش کریں۔ کیونکہ مفسرین محدثین علماء اور مجتہدین کے قول کا تو آپ انکار کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ شفاء الصدور کے، صفحہ ۱۰۲ اور ۱۰۳ کے حوالہ سے عبارت گزشتہ باب میں پیش کی جا چکی، ہے۔ اور ندائے حق میں صد ۱۹ پر عمل صحابہ کا انکار کیا ہے۔

"مولانا موصوف کو تسکین الصدور لکھتے وقت یہ قاعدہ بھول گیا تھا کہ صحابی کا قول و فعل حجت نہیں"، لہذا حجت تو صرف قرآن و حدیث ہی ہے۔ تو حدیث سے ہی اس نسمہ کے حقیقی انسان ہونے کا ثبوت پیش کرنا چاہیئے۔

ندائے حق میں سے صرف تین اقوال میں اتنا تضاد دیکھ کر انسان اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ مصنف نہ تو صحیح عقیدہ کی نشاندہی کر سکا نہ اپنا عقیدہ بتا سکا نہ جانے اس کتاب کے لکھنے کا مقصد کیا تھا۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان "توحیدی" حضرات کے چند اور تضادات بھی پیش کر دیئے جائیں۔ تاکہ معلوم

ہو جائے کہ یہ لوگ ایسے معمے اور ایسی پہیلیاں بیان کرتے ہیں کہ ع

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

۱۔ نسمہ روح مع جسم عاقل بالغ مرد عورت ذی فہم متکلّم وغیرہ اوصاف کا مالک ہے۔

عالم ذر کی مخلوق ہے ——— (ندائے حق صہ۴)

۲۔ نسمہ ہی حقیقی انسان ہے ——— (ندائے حق صہ۴۳)

۳۔ لیکن انسان فقط روح کا نام بھی نہیں ہے۔ روح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں ——— (ندائے حق صہ۴۲)

۴۔ جسم انسانی کی نسمہ جزو اصلی ہے دوسری جزو زائد ہے جو بدن انسانی ہے ——— (ندائے حق صہ۴۲)

۵۔ برزخ میں سوال و جواب اسی نسمہ سے ہوتے ہیں ——— (ندائے حق صہ۴)

۶۔ عود روح الی الجسد یعنی قبر میں سوال و جواب منکر نکیر کے ہوتے ہیں۔ تو اس وقت روح کا اعادہ جسد کی طرف ہوتا ہے ——— (ندائے حق صہ۲۴۶)

۷۔ نسمہ جسم مثالی ہے ——— (تسکین القلوب صہ۶۷ قاضی شمس الدین صاحب)

۸۔ نسمہ روح ہوائی ہے ——— (مسالک العلماء صہ۶۱ 〃)

۹۔ نسمہ جسم ہے جسے مثالی سے تعبیر کیا جاتا ہے ——— (ندائے حق صہ۲۴۹)

۱۰۔ جسم مثالی وہ نسمہ ہے جس کو متکلمین اہل ظاہر روح کہتے ہیں ——— (تسکین القلوب صہ۶۷)

۱۱۔ جسم مثالی کی حقیقت یہ ہے کہ یہ سوائے عالم ظاہر کے ایک عالم ہے کہ صوفیا کو انکشاف ہوا ہے (الخ) (تسکین القلوب ـ صہ۶۷)

(۱۲) جسم مثالی دوسرا جسم ہے اس کی تحقیق کے لیے کشف کی ضرورت ہے۔ کیونکہ نص اس سے ساکت ہے۔ اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالم برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے۔ جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہوتا ہے۔ اور یہ جسم مثالی صرف عالم برزخ ہی میں انسان کو عطا ہو گا۔ (ندائے حق صـ۲۲۳)

ان بارہ اقوال میں تضادات کی ایک دنیا سمو کر رکھدی گئی ہے۔ سب سے پہلے انسان کی حقیقت کو لیجیے۔ پھر اس سلسلے میں تضاد ملاحظہ کیجیے۔

نسمہ حقیقی انسان ہے۔ انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے۔ نسمہ جسم انسانی کی جزو اصلی ہے۔ اور لطف یہ کہ شے کی جزو اصلی وہ ہوتی ہے۔ جس سے شے مرکب ہو۔ جسم انسانی مُرکّب ہے۔ گوشت پوست ہڈی خون وغیرہ کا تو گویا نسمہ بھی یہی اجزاء رکھتا ہے۔

اب نسمہ کو لیجیے:۔

نسمہ روح مع الجسم ہے۔ نسمہ جسم مثالی ہے۔ نسمہ روح ہوائی ہے۔ نسمہ وہ ہے۔ جسے اہل ظاہر روح کہتے ہیں۔

اب جسم مثالی کو لیجیے:۔

جسم مثالی نسمہ ہے۔ جسم مثالی روح ہے۔ جسم مثالی اس عالم کی شے ہے جس کا انکشاف صوفیہ کو ہوا ہے۔ جسم مثالی دوسرا جسم ہے۔ جسم مثالی صرف عالم برزخ میں انسان کو عطا ہو گا۔

اب برزخ میں سوال وجواب کا مسئلہ لیجئے:۔

برزخ میں سوال وجواب اسی نسمہ سے ہوتے ہیں۔ سوال وجواب کے وقت روح کا اعادہ جسد کی طرف ہوتا ہے۔ اول یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ نسمہ کیا ہے پھر سوال وجواب جب نسمہ سے ہوتے ہیں تو جس روح کا اعادہ ہوتا ہے۔ وہ نسمہ کا روح ہے۔ جب سوال وجواب نسمہ سے ہوتے ہیں۔ تو جسد کی ضرورت

کیا ہے۔ جسد کی طرف روح کا اعادہ کرنے کا مقصد کیا ہے۔ روح کا اعادہ تو نسمہ کی طرف ہی ہونا چاہیے۔ اور وہ روح بھی نسمہ ہی کا روح ہونا چاہیئے مگر ان ساری باتوں کے لیے دلیل قطعی چاہیے۔ آیت قرآنی پیش کیجیے یا حدیث صحیح لایئے مگر کہاں سے لایئں گے۔ جبکہ اقرار کر چکے ہیں کہ نص اس سے ساکت ہے۔ آخری سہارا یہ تلاش کیا کہ جسم مثالی یا نسمہ کی تحقیق کے لیے کشف کی ضرورت ہے۔ مگر آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے۔ آپ تو ندائے حق ص ۱۰۳ پر کشف و الہام اقوال رجال بلکہ قول صحابہ کا انکار کر چکے ہیں۔ تو کشف دلیل کیسے بنے گا۔ اور اگر نہیں بنے گا تو اس تحقیق کا حاصل کیا ہوا۔ اہل کشف کو جو معلوم ہوا ہے اس سے آپ کا کیا تعلق؟ آپ کو تو دلیل اس ماخذ سے لانی چاہیئے جسے آپ حجت سمجھتے ہیں۔ اس لیے جسم مثالی اور نسمہ پر شرعی دلیل لایئں۔ کشف و الہام شرعی دلیل نہیں۔ آپ کی پارٹی کے نزدیک کشف تو شرک ہے۔ اس میں کیا تک ہے کہ اسلام کے حقائق کی دلیل شرک سے لائی جائے۔

جسم مثالی کے سلسلے میں ایک اور تحقیق سے ایک مزید الجھن پیدا ہو گئی شفاء الصدور ص ۱۰ پر فرماتے ہیں۔

بل الارواح کلھم فی مستقراتھم ومقاماتھم امامعذبون واما منعمون لھم اجساد مثالیۃ فی عالم البرزخ لا تعلق لھم بھذا الاجساد الترابیۃ ٥	جملہ ارواح اپنے اپنے مقام میں قرار پذیر ہیں خواہ عذاب میں ہوں یا ثواب میں۔ عالم برزخ میں ان کے لیے اجسام مثالیہ ہیں۔ ان کا ارواح اجسام ظاہری (عنصری خاکی) سے کوئی تعلق نہیں۔

آپ لوگوں نے نسمہ اور جسم مثالی کو ایک ہی چیز قرار دیا۔ پھر یہ اقرار کیا کہ جسم مثالی تو روح کو عالم برزخ میں ملے گا۔ اسے اس خاکی بدن سے کوئی تعلق نہیں پھر یہی نسمہ بدن عنصری کی جزو اصلی کیسے بن گیا۔ جب جسم

مثالی روح کا جسم ہے جو اسے برزخ میں ملے گا۔ تو جسم عنصری سے تعلق تو کجا اس کا جزو اصلی کیونکر بنا دیا۔ جسم عنصری کے اجزاء بھی عنصری ہونے چاہییں مثالی اور وہمی تو اس کے اجزا نہیں ہو سکتے۔ شریعت نے کہیں یہ بیان نہیں کیا کہ جسم مثالی کو ثواب و عذاب برزخ میں ہو گا۔ جب جسم مثالی دار التکلیف دنیا میں آیا ہی نہیں اس کی طرف رسول آئے نہیں اس کو احکام دیے نہیں گئے تو اسے سزا دینا کیا ظلم نہ ہو گا؟ گناہ کیے جسم عنصری نے اور سزا ملی جسم مثالی کو کیا کہنا اس منطق کا اس عقل کا اس انصاف کا اور اس علم و فضل کا شفاء الصدور کے عقیدہ کے مطابق معذب و منعم خواہ انبیاء ہوں صلحا ہوں کوئی ہوں کسی کو درحقیقت عذاب و ثواب نہیں مل رہا۔ ان کے عکسوں یا تصویروں کو عذاب و ثواب ہو رہا ہے۔ جزا و سزا کیا ہوئی بچوں کا کھیل ہوا۔ پھر یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جزا و سزا اپنے علم قدیم ازلی کی وجہ سے نہیں دیتا۔ بلکہ ان کے عمل کی وجہ سے اور عمل کے مطابق دیتا ہے۔ جب جسم مثالی عمل کا مکلف نہیں عمل کیا نہیں تو اسے جزا و سزا دینا کیا معنی؟۔

ممکن ہے کوئی بزعم خود علم کے زور سے یہ بات بطور دلیل کہدے کہ شب معراج حضورؐ نے اجسام مثالیہ کو عذاب و ثواب میں دیکھا۔ اور وہ آپ کی امت کے تھے جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

حدیث معراج کا مفہوم اگر یہی سمجھا جائے۔ جو سوال یا اعتراض سے ظاہر ہوتا ہے تو سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جو لوگ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ ان کو عذاب دینا کیا اللہ تعالیٰ کی شان کے شایاں ہے؟ کیا اسے انصاف کہہ سکتے ہیں اور کیا ظلم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے یہ سب چیزیں ناممکن ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے علم قدیم کے مطابق عذاب نہیں دیتا بلکہ عمل کے مطابق عذاب دیتا ہے۔ فرعون کو دیکھیے اللہ تعالیٰ کے علم قدیم کے مطابق اسے کفر پر زندہ رہنا تھا۔ کفر پر ہی مرنا تھا۔ مگر

عذاب کا مستحق اس وقت بنا جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو اس کی ہدایت کے لیے بھیجا اس نے انکار کیا اور عذاب کا مستحق بنا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ شب معراج جن کو معذب دیکھا ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول بھیجا اور کیا انہوں نے انکار کیا؟ اگر نہیں تو عذاب کیوں؟ اور اجسام مثالیہ کی طرف کوئی رسول بھیجا گیا؟ کیا وہ مکلف تھے؟ کیا انہوں نے اعمال کیئے؟ اگر نہیں تو اجسام مثالیہ کو عذاب کیوں؟

اس حدیث کو سمجھنے کے لیے اس حقیقت کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ سابقہ انبیاء کی امتیں بھی حضورؐ کی امت ہیں۔ آپ کی بعثت حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاء کی امتوں کے لیے تھی۔ یہود اور نصاریٰ جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی امت میں سے تھے۔ ان میں سے بے عمل علما بھی تھے زانی اور شرابی بھی تھے سود خوار بھی تھے۔ اور انہیں کو عذاب ہو رہا تھا مگر اجسام مثالیہ کو نہیں بلکہ معذب وہ خود مجسم تھے۔ پھر بھی اگر اسی پر اصرار ہے تو قول رسول یا قول صحابہ یا ائمہ اربعہ میں سے کسی کا قول پیش کریں کہ یہ اجسام مثالیہ تھے۔ وہ تو ارواح مجسم تھے اور بالتبع بدن عنصری کو عذاب ہو رہا تھا۔

اگر اسی پر اصرار ہو کہ حضورؐ کی امت کے ان لوگوں کے اجسام مثالیہ کو عذاب ہو رہا تھا۔ جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے تو بتایئے کہ جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے انہیں کس گناہ کے بدلے عذاب ہو رہا تھا۔ کیا اللہ تعالیٰ ظالم ہے۔

مختصر یہ کہ جسم مثالی کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول، اقوال صحابہ یا اقوال ائمہ اربعہ سے ہرگز نہیں ملتا۔ اسی وجہ سے توحیدی حضرات اہل کشف کا سہارا لیتے ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب ندائے حق میں فرماتے ہیں:

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ جسم مثالی کے قائل ہیں : صد ۱۷۳

مگر ابن عربی کا قائل ہونا آپ کے لیے سند کیونکر بنا۔ وہ تو صوفی ہیں اور اہل کشف ہیں۔ اور کشف کے متعلق آپ کا جو عقیدہ ہے وہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے پھر ابن عربی تو بہت سی چیزوں کے قِدَم کے قائل بھی ہیں چنانچہ فیض الباری میں ہے سے

ونسب بحر العلوم الی شیخ الاکبر قدم بعض الاشیاء وظنی ان تلک النسبۃ صحیحۃ ہ	علامہ بحر العلوم نے شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بعض اشیاء کے قدیم ہونے کی نسبت کی ہے اور ان کا یہ قول درست ہے۔

(۱ : ۱۶۶)

کیا آپ لوگ بھی اشیاء کے قدم کے قائل ہیں ؟

ایک اور سہارا یوں تلاش کیا گیا ہے۔ نیلوی صاحب جسم عنصری پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"گو تمام ذخیرہ کتب میں سے عنصری کا لفظ نہیں دیکھا اس کے صرف تبادر سے کام لیا کہ تبادر الی الفہم ہونا کسی معنی کا خود حقیقت کی دلیل ہے۔ (ندائے حق صد ۲۴)

اب تبادر الی الفہم کی حیثیت سمجھیے۔

مختصر المعانی میں اس امر کی بحث میں کہ امر کا صیغہ استعلاء کے لیے ہے اور یہی معنی تبادر الی الفہم ہیں اور تبادر الی الفہم ہی دلیل ہے حقیقی معنی کی۔

وصیغۃ الامر موضوعۃ لطلب الفعل استعلاء لتبادر الفہم عند سماعہا ذلک المعنی اعنی طلب الفعل استعلاء والتبادر الی الفہم	امر کا صیغہ استعلاء کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اس کے سنتے ہی ذہن اسی معنی کی طرف جاتا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تبادر الی الفہم حقیقی معنوی کی قوی دلیل ہے۔

من اقوی امارات الحقیقۃ | (۴: ۲۲۶)

پھر صفحہ ۲۲۹ پر لکھا ہے۔

کالامر فی الاستعلاء لانہ المتبادر الی الفہم والتبادر علامۃ الحقیقۃ ٥

جیسا صیغہ امر کہ اس کا استعمال استعلاً میں ہوتا ہے کیونکہ فہم اسی طرف جاتا ہے۔ اور تبادر ہی حقیقت کی دلیل ہے۔

یعنی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تبادر علامت حقیقت کی ہے۔ اس پر جمہور عقلا متفق ہیں اور غیر تبادر عقل کے خلاف ہے۔ اس حقیقت سے ہٹ کر ایک بات کا جواب دیجیے کہ جب آپ کتب دینی حتی کہ ذخیرہ احادیث کو ساقط الاعتبار قرار دے چکے ہیں جمہور اسلام و جمہور علماء اکابر و اصاغر کو، فرضی جمہور اور فرضی اکابر لکھ چکے ہیں۔ اور کتب دینی کو بے کار ساقط الاعتبار قرار دے چکے جیسا کہ مکمل عبارتیں معہ حوالہ جات گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہیں۔ تو پھر آپ اپنے قول کو ثابت کرنے کے لیے "ذخیرہ کتب" کا سہارا کیوں لیتے ہیں۔ وہ کون سا ذخیرہ کتب دینی ہے۔ جو آپ کے نزدیک ساقط الاعتبار نہیں۔ اس سارے ذخیرہ کی نفی کرنے کے بعد اس کا سہارا لینا کیا معنی؟ اپنی اس جرائت کی حیثیت حضرت انور شاہ صاحب کی زبانی سنئے:۔

وظن ان اعتراضہ علی البخاری تائید للحنفیۃ ولم یدر ان من سوء فعلہ ھذا ینھدم اساس الدین ٥ .

(فیض الباری ۴: ۱۱۵)

اس نے بزعم خویش حنفیوں کی تائید میں بخاری پر اعتراض کیا اور یہ نہ سمجھا کہ اس فعل قبیح سے دین کی بنیاد منہدم ہو جائے گی۔

حضرت شاہ صاحب صرف بخاری پر اعتراض کرنے کو دین اسلام کی، بنیادوں کو منہدم کرنا قرار دے رہے ہیں اور نیلوی بندیالوی تمام ذخیرہ، حدیث جس میں بخاری مسلم بھی ہیں کو ساقط الاعتبار قرار دے رہے ہیں۔

اور اس پر طرہ یہ کہ دین کے ٹھیکیدار بھی بنے ہوئے ہیں۔ ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

چلئے آپ کا عقیدہ آپ کو مبارک مگر یہ تو بتائیے کہ آپ نے دین لیا کس سے؟ دین تو سارے کا سارا نقل ہے۔ اور نقل میں منقول عنہ پر پورا اعتماد چاہیئے۔ جب صحابہ اور سلف صالحین سے اعتبار اٹھ گیا تو دین کیونکر قابل اعتبار ٹھیرا۔

جب جسم کا لفظ بولا جائے تو ساری دنیا اسے جسم عنصری سمجھے، قرآن و حدیث اور لغت سے یہی جسم سمجھا جائے۔ اس کے لیے تو ثبوت طلب کیا جائے مگر غیر متبادر غیر معروف بلکہ وہمی اور فرضی چیز جسم مثالی جس کا ثبوت قرآن و حدیث اور اقوال ائمہ میں نہیں ملتا اس کو حقیقی جسم انسانی سمجھا جائے یہ حرکت کس منطق کی رو سے درست ہے؟

اصول یہ ہے کہ نفی فرع ہے مثبت کی۔ اس لیے پہلے تو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ، اجماع یا قیاس سے جسم مثالی کا ثبوت پیش کریں۔ پھر نفی جسم عنصری پر دلائل پیش کریں۔

شفاء القلوب صد۶۷ قاضی صاحب لکھ چکے ہیں کہ نسمہ جسم مثالی اور روح ایک ہی چیز ہے۔ اور یہی مذہب علماء متکلمین کا مان چکے ہیں۔ اس لیے جسم مثالی کا ثبوت پیش کریں۔ دعویٰ بلا دلیل قابل قبول نہیں ہوتا لطف یہ کہ اقرار کر چکے ہیں کہ شرعی نصوص جسم مثالی کے بیان سے ساکت ہیں۔ پھر علماء اور متکلمین کا مذہب کیسے قرار پایا۔ کشف کو شرک قرار دے کر اسی کو دلیل بنانا خود اپنی تردید کرنے کے مترادف ہے۔ صاف اقرار ہے کہ جس بات کا کوئی شرعی ثبوت نہیں اسے آپ نے عقیدہ برزخی بنا کر

پیش کیا۔ ایسی بودی بنیاد پر کیسی تعمیر ہو گی۔ دیکھئے روح کا والد حکمی فرشتہ ہے جس کی پھونک سے رُوح پیدا ہوا۔ بدن کی ماں مٹی جس سے یہ پیدا ہُوا آپ ذرا نسمہ کا حسب نسب بیان تو کریں۔



نسمہ

نسمہ کی بحث میں دو امور کی وضاحت ہو گی اوّل لفظ نسمہ کا مفہوم دوم نسمہ کے متعلق عقیدہ۔ لفظ نسمہ کا مفہوم ذیل کی احادیث سے واضح ہو جائے گا۔

۱۔ قال رسول اللہ اوانکم لتفعلون قالھا ثلاثا مامن نسمة کائنة الی یوم القیامة الاھی کائنة ۔ (بخاری ۲: ۱۸۴)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم یہ کرتے ہو۔ آپؐ نے تین دفعہ فرمایا! قیامت تک جسے بھی وجود میں آنا ہے وہ آ کر رہے گا۔

۲۔ وانکم لتفعلون مامن نسمة کائنة الی یوم القیامة الاوھی کائنة ۔ (مسلم ۱: ۴۶۴)

اور کیا تم یہ کرتے ہو۔ قیامت تک جسے وجود میں آنا ہے۔ آ کر رہے گا۔

۳۔ وانکم لتفعلون مامن نسمة کائنة الی یوم القیامة الاستکون ۔ (ایضا)

۴۔ وانکم لتفعلون مامن نسمة کائنة الی یوم القیامة الاھی کائنة ۔

(مسلم ۱: ۴۶۵)

(۵) فانہ لیست مخلوقۃ الا اللہ
خالقھا ٥ (مسلم)
(۶) فانہ لیست من نسمۃ قضی
اللہ لھا ای تکون الا ھی
کائنۃ ٥ (ابن ماجہ)

اور امام ذہبی نے اپنی کتاب العبر فی خبر من غبر میں فرمایا۔

احصی ولد العباس فبلغوا ثلاثا وثلاثین نسمۃ ٥ (۳۳۱/۱)	حضرت عباس کی اولاد کا شمار کیا گیا تو وہ ۳۳ آدمی بنے۔

احادیث مندرجہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ نسمہ اس کو کہا گیا جو مرد عورت کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی اولاد اور امام ذہبی کے قول سے مزید وضاحت ہوتی ہے کہ حضرت عباس کی اولاد کی تعداد ۳۳ تھی۔ ان کو نسمہ کہا گیا۔ تو نسمہ سے مراد جسم مع الروح ہے جو مرد کے نطفہ سے عورت کے بطن سے پیدا ہو۔

نیلوی صاحب نے علامہ التوربشتی کا ایک قول فیض الباری سے نقل کیا ہے۔

التوربشتی الحنفی لما مر علی حدیث النسمۃ لم یفسرہ بالروح بل وضع ھذا اللفظ بعینہ ففھمت منہ شیئ یغایر الروح عندہ ٥	علامہ توربشتی نے نسمہ کی حدیث بیان کرتے ہوئے اس کا ترجمہ روح نہیں کیا بلکہ نسمہ ہی کیا میں نے سمجھا کہ ان کے نزدیک نسمہ۔ روح سے جدا کوئی چیز ہے۔

نیلوی صاحب اس پر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ دیکھئے نسمہ اور روح میں کتنا فرق ہے۔

بات اتنی ہے کہ علامہ تورپشتی نے نسمہ کی تفسیر کرتے وقت لفظ نسمہ ہی استعمال کیا۔ اس کے لیے روح کا لفظ نہیں بولا۔ اور شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس سے میں یہ سمجھا کہ ان کے نزدیک نسمہ روح کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ حاصل کیا ہوا؟ علامہ تورپشتی نے نسمہ کے متعلق اپنا کوئی عقیدہ بیان نہیں کیا شاہ صاحب نے اپنا قیاس ظاہر کر دیا۔ یعنی علامہ تورپشتی کے متعلق شاہ صاحب کا قیاس مذہب نیلوی کی بنیاد بن گیا۔ ایک شخص کے متعلق شاہ صاحب کا قیاس اگر اتنی وزنی دلیل ہے تو شاہ صاحب کا ایک حتمی فیصلہ اس سے زیادہ وزنی دلیل کیوں نہ بنے۔ سنئے فرماتے ہیں :۔

ولیس الطریق ان یبنی الدین علی کل لفظ جدید بدون النظر الی التعامل ومن یفعل ذلک لایثبت قدمہ فی موضع ویخترع کل یوم مسئلۃ فان توسع الروایۃ معلومۃ

(فیض الباری ۲ : ۲۳۶)

یہ کوئی طریقہ نہیں کہ تعامل کا لحاظ کئے بغیر صرف کسی نئے لفظ پر دین کی بنیاد رکھدی جائے۔ اور جو شخص یہ حرکت کرتا ہے۔ اس کے قدم کسی ایک مقام پر نہیں ٹکتے۔ ہر روز ایک نیا مسئلہ گھڑ لیتا ہے۔ کیونکہ روایات کی وسعت ظاہر ہے۔

یعنی دین کی بنیاد لفظ پر نہیں رکھی جاتی بلکہ تعامل امت کو دیکھنا چاہیئے جب پوری امت کے علماء نسمہ کا صحیح مفہوم روح یا روح مع الجسم بیان کرتے ہیں تو ایک قول وہ بھی ادھورا کہ نسمہ بمعنی نسمہ مذہب کی بنیاد بن جائے اور اور نیلوی صاحب پھولے نہ سمایئں تو اس کی حیثیت کیا ہو سکتی ہے۔

ندائے حق کے صہ ۱۵ اور شفاء الصدور صہ ۱۰۳ پر فرضی سلف فرضی جمہور اور فرضی اکابر کی جو رٹ لگائی گئی ہے تو فرضی گروہ سے تورپشتی کیسے بچ گئے کیا توحیدی مذہب کا اصول یہ ہے کہ جس عالم کی بات اپنے حق میں مل جائے۔

خواہ وہ دور از کار تاویل سے ہی اپنے حق میں بنا لی جائے وہ عالم اصلی اور علماء صلحاء کے گروہ کے گروہ جس بات کے قائل ہوں۔ مگر ہو توحیدیوں کے نظریہ کے مخالف وہ علماء صلحاء اکابر سب فرضی ٹھیریں۔ لطف یہ اسی علامہ تورپشتی کا قول جب حیات انبیاء کے متعلق پیش کیا گیا تو وہ مردود ٹھیرا۔ آخر کیوں؟ اصل بات تو نسمہ کے متعلق آپ کا جو عقیدہ ہے۔ فیصلہ طلب ہے۔ ندائے حق ص۳۰ پر نسمہ کے متعلق آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ جسم مع الروح تھا۔ عاقل بالغ تھا مرد عورت تھا۔ عالم ذر میں قیام پذیر تھا۔ وہاں سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں جسم عنصری میں داخل ہوا۔

دوسرا عقیدہ جسم عنصری میں دو قسم کے اجزاء ہیں اصلی اور زائد۔ جزو اصلی نسمہ ہے۔

یہ دو عقیدے سلف خلف مسلمان علماء میں سے کسی ایک سے ثابت کر دیں۔

علامہ تورپشتی نے نسمہ کی تفسیر روح سے کیوں نہ کی؟ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ جب نسمہ عام ہے۔ روح اور بدن دونوں کو تو روح سے تخصیص کیوں کی جاتی۔ اور جب ساری امت کے علماء جانتے ہیں کہ نسمہ سے روح یا روح مع الجسم ہی مراد ہوتی ہے۔ لہٰذا حدیث کی تفسیر کرتے ہوئے نسمہ کا لفظ ہی استعمال کیا۔ اس پر بغلیں بجانے سے کیا حاصل۔

نیلوی صاحب نے روح اور نسمہ کو متغائر ثابت کرنے کے لیے ایک مقام پر لکھا ہے کہ صرف روح کا یہ کام نہیں کہ کھائے پیئے جب تک جسم مثالی یا جسم عنصری سے متصل نہ ہو جائے۔ اور نسمہ تو کھاتا پیتا ہے۔ لہٰذا نسمہ لازماً روح سے غیر ہے۔ مگر دوسرے مقام پر (ص۶۹) لکھا ہے کہ روح خود کھاتا پیتا ہے اصل بات جو نیلوی صاحب کی سمجھ میں نہیں آسکی یہ ہے کہ روح کی نسبت جب ذات باری کی طرف ہوتی ہے۔ تو اسے روح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جب بدن سے مالوف ہو جاتا ہے۔ کسب اکتساب کرتا ہے تو نفس سے موسوم ہوتا ہے۔ اور

برزخ اور جنت میں جب کھانے پینے کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے۔ تو نسمہ سے موسوم ہو جاتا ہے۔ چیز واحد ہے۔ روح خود مجسم ہے۔ انسانی بدن کی شکل پر ہوتا ہے۔ کھاتا پیتا ہے۔

حدیثوں میں اس کی واضح مثالیں ملتی ہیں۔

۱۔ انما النسمة المؤمن طائر يعلق في شجرة الجنة قال الباجي قال ابو الجوهري ان النسمة الروح والنفس والبدن ه (موطا امام مالك ص۸۴)

مومن کا نسمہ (روح) ایک پرندے کی صورت میں جنت کے درختوں میں معلق ہوں گے۔
علامہ باجی کہتے ہیں کہ نسمہ۔ روح نفس اور بدن ہے۔

۲۔ اخرج الحاكم من حديث ابي هريرة النسمة الروح ه (شرح الصدور ص۱۳۵)

حاکم نے ابوہریرہؓ سے بیان کیا ہے کہ نسمہ روح ہے۔

۳۔ عن مالك بن الحويرث قال قال رسول الله اذا اراد الله عزوجل ان يخلق النسمة فجامع الرجل المرأة طار ماؤه في عروق وعصب منها ثم قرا في اي صورة ما شاء ركبك وفي النهاية النسمة والروح والنفس وكل دابة فيها روح وفي القاموس النسم محركة نفس الروح ه (المعجم للطبراني ۱:۴)

مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ النسمہ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو مرد عورت سے جماع کرتا ہے تو مرد کی منی اس عورت کی رگوں اور پٹھوں میں چلی جاتی ہے اور آپ نے قرآن مجید کی آیت فی ای صورۃ ما شاء رکبک تلاوت فرمائی۔ اور لغت کی کتاب نہایہ میں ہے نسمہ سے مراد روح ہے۔ اسی طرح

اس سے مراد نفس یا بدن انسانی ہے اور ہر جاندار کے لیے جس میں روح ہے۔ اور قاموس میں ہے کہ نسمہ نفس و روح کا محرک ہے۔

۴۔ کل نسمۃ ای ذی روح و قیل کل نفس ۰

(مرقاۃ ۱ : ۱۸۸)

مرقاۃ میں ہے کہ نسمہ سے مراد ہر ذی روح ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نفس ہے۔

۵۔ قال رسول اللہ انہا لیست نسمۃ تولد الا ولدت علی الفطرۃ فما تزال علیہا حتی یبین منہا لسانہا فابواہا یہودانہ او ینصرانہ ۰

(ابن کثیر ۲ : ۲۶۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نسمہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے اور ہمیشہ اسی فطرت پر رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اچھی طرح بولنے لگتا ہے۔ تو اس کے والدین اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔

احادیث رسول سے واضح ہو گیا کہ نسمہ وہ چیز ہے جو مرد و عورت کے ملنے سے پیدا ہو اور مرد کے نطفہ سے پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ اسے انسان کہتے ہیں۔ اور وہ روح اور جسم سے مرکب ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ نسمہ روح سے غیر ہے۔ حدیث کے خلاف ہے۔



تصدیقات علمائے محدثین

یہ بیان ہو چکا ہے کہ نسمہ کا لفظ روح یا روح مع الجسم کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور نیلوی صاحب نے اس کے برعکس یہ دعویٰ کیا ہے کہ نسمہ، روح سے مغائر ہے علمائے کرام نے اس سلسلے میں جو فیصلہ کن باتیں کی ہیں، چند ایک بیان کی جاتی ہیں

۱۔ فتح الباری ۱ : ۳۱۴ شب معراج کی تفصیل کے سلسلے میں فرمایا :۔

قال جبریل انہ ادم وھذا سورۃ عن یمینہ وشمالہ نسم بنیہ النسم بالنون والمھملۃ المفتوحۃ جمع نسمۃ وھی الروح ہ	حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور یہ دائیں بائیں ان کے انسم (اولاد) ہیں۔ اور نسم نسمہ کی جمع ہے اور وہ روح ہے

۲۔ لنسائی ۱ : ۲۹۲

انما نسمۃ المؤمن ھی بفتحتین الروح قال القرطبی نسمۃ المؤمن ای روح المؤمن ہ	نسمہ مومن سے مراد روح ہے اور قرطبی نے کہا کہ نسمہ مومن سے مراد مومن کی روح ہے۔

۳۔ التکشف عن مہمات التصوف ص ۵۲

روح کا نام حدیثوں میں نفس اور نسمہ بھی آیا ہے۔

۴۔ کتاب الروح ص ۱۱۷

واما قولہ نسمۃ المؤمن فالنسمۃ ھھنا الروح یدل علیہ ذلک الحدیث کما قال حتی یرجعہ اللہ الی جسدہ یوم یبعثہ ہ	اور نسمۃ المومن سے مراد روح ہے۔ اور اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور جب اللہ تعالیٰ اس روح کو، قیامت کے دن اس کے جسم میں لوٹائے گا۔

۵۔ شرح عقیدہ السفارینی ۲: ۵۹

والنسم بالنون والسین المھملۃ المفتوحتین ۵ اور نسم (لفظ نسمہ کی جمع ہے اور اس سے مراد روح ہے۔ جمع نسمۃ وھی الروح ۵

ان احادیث، شروح اور علماء کے اقوال سے معلوم ہوا کہ نسمہ سے مراد روح ہے۔ لہٰذا یہ غلط ہے کہ نسمہ روح کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ جو عالم ذر میں قیام پذیر ہے اور وہاں سے منتقل ہو کر بدن انسانی میں آتی ہے۔

۶۔ کتاب الروح ص۲۱۱

واصل ھذہ اللفظۃ اعنی النسمۃ الانسان بعینہ وان قلیل للروح نسمۃ واللہ اعلم لان حیاۃ الانسان بروحہ فاذا فارقہ عدم وصار کالمعدوم والدلیل علی ان النسمۃ الانسان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی خلق الحبۃ وبرأ النسمۃ وقال خلیل بن احمد النسمۃ الانسان قال والنسمۃ الروح وقال الخطابی وغیرہ ھی النسمۃ نفس الانسان ۵

دراصل لفظ نسمہ سے بعینہ انسان مراد ہوتا ہے اور اس کا اطلاق روح پر بھی ہوتا ہے۔ چونکہ انسانی زندگی کا مدار روح پر ہے۔ جب وہ اس سے جدا ہوتی ہے۔ تو بدن کو مثل عدم کر دیتی ہے۔ اور اس کی دلیل کہ نسمہ سے مراد انسان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔ قسم ہے اس خدا کی جس نے دانے کو پھاڑا اور نسمہ کو پیدا کیا۔ اور خلیل بن احمد کا قول ہے نسمہ سے مراد انسان ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ نسمہ روح کو بھی کہا جاتا ہے۔ علامہ خطابی وغیرہ کا قول ہے کہ لفظ نسمہ کا اطلاق نفس انسان پر ہوتا ہے

۷۔ اور نووی شرح مسلم میں ہے۔

النسمۃ تطلق علی ذات

نسمہ کا اطلاق انسان کی ذات پر باعتبار

الانسان جسما وروحا و
علی الروح مفردة ۔

(۱ : ۹۰)

جسم مع الروح کے ہوتا ہے۔ اور مجرد
روح پر بھی ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ نسم۔ حیوان اور انسان کے سانس لینے پر بھی بولا جاتا ہے
اور نسمہ انسان یا روح پر بولا جاتا ہے۔

لفظ نسمہ اور علمائے لغت :۔

لسان العرب میں لفظ نسم کی تشریح یوں کی گئی ہے۔

نسم والنسم والنسمة ۔
نفس الروح ومابها نسمة
ای نفس یقال مابها ذونسم
ای ذی روح ۔ نسم جمع نسمة
هو النفس النسمة فی الحدیث
بالتحریك هو النفس قال
خالد النسمة النفس والروح ۔
وکل دابة فی جوفها روح
فهی نسمة وفی حدیث علی
والذی فلق الحبة وبرأ النسمة
ای خلق ذات الروح قال
بعضهم النسمة الخلق یقال
للصغیر والکبیر والدواب
وغیرها وکل من کان
فی جوفها روح ۔
(ص ۵۷۳)

نسم والنسم اور نسمہ سے مراد روح ہے
اور جس میں سانس ہے اور ذی نسم
کے معنی ذی روح ہے۔ نسم لفظ نسمہ
کی جمع ہے اور اس سے مراد نفس
ہے خالد نے کہا نسمہ نفس روح ہے
اور ہر چلنے والی چیز کو بھی نسمہ کہا جاتا
ہے یعنی جس میں روح ہے۔ اور ہر
جاندار جس میں روح ہے۔ اس پر بھی
نسمہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور حدیث حضرت
علی رضؓ میں ہے " قسم ہے اس خدا کی
جس نے دانے کو پھاڑا اور نسمہ کو
پیدا کیا یعنی روح والی چیز کو پیدا
کیا۔ بعض کا قول ہے کہ نسمہ کا اطلاق
ہر چھوٹی بڑی مخلوق اور چوپائے وغیرہ
پر ہوتا ہے اور ہر اس چیز پر جس میں
روح ہے۔

اور المنجد میں ہے ۔

النسم نفس الروح النسمة نفس الروح الانسان او کل دابة فیھا الروح ہ	نسمہ نفس روح ہے اور نسمہ روح اور انسان کو بھی کہا جاتا ہے اور ہر جاندار جس میں روح اس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے ۔

نسمہ اور مفسرین :-

۱۔ نسمة بفتحتین ای ذی روح من التنسم وھو التنفس ہ (تفسیر جمل ۳ : ۵۰۱)	نسمہ (دو زبروں کے ساتھ) سے مراد ذی روح ہے ۔ یہ لفظ تنسم سے ہے اور اس سے مراد تنفس ہے ۔
۲۔ قال تعالیٰ ما ترک علی ظھرھا من دابة ای نسمة تدب علیھا ہ (تفسیر مظھری ۸ : ۶۶)	اس آیت میں دابہ سے مراد نسمہ ہے اور نسمہ کے معنی ہیں ۔ جو زمین پر چلتا ہے ۔ یعنی انسان ۔
۳۔ ما ترک علی ظھرھا من دابة ای نسمة تدب علیھا یرید بنی آدم ہ (کشاف)	اس آیت میں دابۃ سے مراد نسمہ ہے جو زمین پہ چلتا ہے اور اس سے مراد بنی آدم ہیں ۔
۴۔ ما ترک علی ظھرھا من دابة ای نسمة تدب علیھا ہ (جلالین)	یہاں دابۃ سے مراد نسمہ ہے جو زمین پر چلتا ہے ۔ یعنی انسان ۔

مفسرین نے وضاحت کر دی کہ نسمہ ہر جاندار چیز پر بولا جاتا ہے ۔ خواہ انسان ہو خواہ حیوان پرندے ہوں یا حشرات الارض مگر اس کے برعکس نیلوی صاحب اسے عالم ذر کی مخلوق بتاتے ہیں ۔ اور لطف یہ کہ عالم ذر کا ثبوت نذار شیخ انور

فرماتے ہیں۔

اما عالم الذر وعالم النسمة فقد ورد به الحدیث ایضا لکنا لا ندری ھل عالم برأسہ ام لاہ۔

جہاں تک عالم ذر اور عالم نسمہ کا تعلق ہے یہ حدیث میں آیا ہے۔ مگر ہم نہیں جانتے یہ کوئی مستقل عالم ہے یا نہیں۔

شیخ انور جیسا محقق تو عالم ذر کے متعلق لاعلمی کا اظہار کرے اور سیلوی جیسا مدقق عالم ذر کو ایک مستقل عالم قرار دے کر نسمہ کو اس کی مخلوق بتاتا پھرے پہلے عالم ذر کا ثبوت تو پیش کریں۔

عالم ذر کی "ایجاد" اور اس کا ماخذ

قرآن میں عہد الست کے سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم الخ

اس آیت کے مفہوم سے غلط نتیجہ اخذ کر کے نسمہ کے سلسلے میں عالم ذر ایجاد کر ڈالا گیا اس لیے اس کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

بات یہ ہے کہ حضرت آدم کی اولاد جو قیامت تک ان کی پشت یا ان کی اولاد کی پشت سے ظاہر ہونے والی تھی اس سے یہ عہد لیا گیا اس سے یہ معلوم ہوا کہ دنیا میں آنے سے پہلے کائنات کی ہر شے کا ایک قسم کا وجود علم الٰہی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ انور حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانت فی صلب آدم فیہ دلیل علی انہ کانت لذریتہ صورۃ وھی فی صلب آدم۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "اور جب تم صلب آدم میں تھے اس پر دال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی اس وقت

اما الفلسفی فانہ یحملہ علی کون مادتھا فی صلبہ
فیض الباری معہ بخاری (۴: ۱۸)

بھی کوئی صورت تھی جب وہ صلب آدم میں تھی۔ لیکن فلاسفہ اس کا اطلاق اس مادہ پر کرتے ہیں۔ جو ان کی پشت میں تھا۔

اس وجود کا ثبوت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

ثم اعلم ما یرونہ الاولیاء من الاشیاء قبل وجودھا فی العالم لھا ایضا نحو من الوجود کما ان بایزید البطامی رح لما مر من جانب مدرسۃ وھبت ریح قال انی اجد منھا عبد من عباد اللہ فنشاء منہ الشیخ ابو الحسن خرقانی و کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی اجد نفس الرحمن من الیمن فنشاء منہ الاویس القرنی فھذا ایضا نحو من الوجود
(فیض الباری ۱ : ۱۸۲)

پھر یہ بات خوب سمجھ لو کہ اولیاء اللہ جن چیزوں کو وجود میں آنے سے پہلے دیکھ لیتے ہیں ان کا بھی ایک قسم کا وجود ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی رح جب ایک مدرسہ کے پاس سے گزر رہے ہوا کا جھونکا آیا آپ نے فرمایا مجھے یہاں سے اللہ کے بندے کی خوشبو آرہی ہے تو وہاں شیخ ابو الحسن خرقانی پیدا ہوئے اور جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یمن کی طرف سے تجلیات باری تعالیٰ دیکھتا ہوں اور یہاں خواجہ اویس قرنی رح پیدا ہوئے۔ تو ان کا بھی ایک قسم کا وجود تھا۔

اسی طرح بخاری ۳ : ۳۳۴ ، ۳ : ۳۳۷ میں موجود ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میں فتنوں کو مدینہ کی دیواروں کے قریب پاتا ہوں۔ حالانکہ وہ فتنے تو مدت مدید کے بعد اٹھے اور سامنے آئے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان فتنوں کا ایک قسم کا وجود پہلے موجود تھا گو مستقل وجود نہ تھا۔ اسی طرح اولاد آدم

کا ایک قسم کا وجود علم الٰہی میں تھا جس کو سامنے لاکر عہد لیا گیا۔ یہ مستقل وجود نہیں تھا بلکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے خواب میں کسی چیز کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ یہ چیزیں دیدنی ہوتی ہیں بودنی نہیں ہوتی۔ ان کے لیے نہ کوئی مکان ہوتا ہے نہ وہ کہیں مکین ہوتی ہیں۔ عارضی طور پر سامنے آئیں پھر غائب ہوگئیں۔ عقیدۃ السفارینی میں اس سلسلے میں بیان کیا گیا ہے۔

انما یدل علی انه سبحانه تعالیٰ اخرجها و خاطبها ثم ردها الی صلبه ای آدم (۲ : ۴۸)

یہ تو صرف اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا۔ ان سے خطاب فرمایا پھر اس کی (یعنی آدمؑ) کی صلب میں لوٹا دیا۔

پھر فرماتے ہیں :-

استخرج ذریة آدم من صلبه ثم اخذ المیثاق علیهم و ردهم فی صلبه (۲ : ۴۷)

حضرت آدمؑ کی صلب سے اس کی ذریت کو نکالا پھر اس سے عہد لیا اور پھر اس کو صلب میں لوٹا دیا۔

اور کتاب الروح میں ان کی پیدائش اور مستقر کے متعلق بیان ہوا ہے

استخرج تلك الصور من مادتها ثم اعادها الیها (ص ۱۹۵)

ان صورتوں کو ان کے مادہ سے نکالا پھر اسی میں ان کو لوٹا دیا۔

پھر فرمایا:

قال اخرجوا من صلب آدم حین اخذ المیثاق منهم ثم ردوا فی صلبه ۝ (ص ۱۹۷)

فرمایا عہد لیتے وقت صلب آدم سے نکالے گئے۔ پھر اسی میں لوٹا دیئے گئے۔

پھر فرمایا :۔

قال رسول اللہ ان اللہ مسح ظھر ادم فخرج منہ ذریتہ واخذ المیثاق علیھم ثم ردھم فی ظھرہ (ص ۲۰۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کی پیٹھ کو چھوا تو اس سے ان کی اولاد باہر نکلی پھر اس کو ان کی پشت میں لوٹا دیا ۔

پھر فرمایا :

وانما غایتھا ان تدل علی اخراج صورھم وامثالھم فی صور الذر واستنطاقھم ثم ردھم الی اصلھم (ص ۲۱۱)

اس سے مراد یہ ہے کہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ۔ ان کی صورتیں اور مثالیں ذر کی صورت میں نکالی گئی اور گفتگو کرانے پھر ان کو اپنے اصل پر لوٹا دینے پر ۔

معلوم ہوا کہ ذریتہ آدم پشت آدم سے نکالی گئی اخذ عہد کے بعد پھر صلب آدم میں لوٹا دی گئی ۔ نہ وہ عالم ذر سے نکالی گئی ۔ نہ اس عالم میں لوٹائی گئی ۔ نہ کسی عالم ذر کا کوئی وجود ہے ۔ لفظ رد یعنی لوٹانا خود ظاہر کرتا ہے جہاں سے استخراج کا عمل ہوا وہیں رد کا عمل بھی ہوا ۔ پھر رب العالمین نے جس طرح تقدیر علمی میں ان کی ترتیب رکھی اسی وقت اور اسی ترتیب کے مطابق خارج میں ان کا وجود ظاہر ہوتا رہا ۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں :۔

نعم الرب سبحانہ یخلق منہ جملۃ بعد جملۃ علی الوجہ الذی سبق بہ القدر اولا فیجئ الخلق الخارجی مطابق لتقدیرہ السابق کشانہ تعالیٰ فی جمیع مخلوقاتہ فانہ قدرھا

ہاں اللہ تعالیٰ مخلوق کو جملہ بعد جملہ اس طریقہ پر پیدا کرتا ہے ۔ جس پر تقدیر الٰہی گزر چکی ہے ۔ پس مخلوق دنیا میں اس طریقہ سے پیدا ہوتی ہے ۔ جو رب العالمین نے اپنے علم ازلی میں مقرر کیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ

اقدارا و آجالا وصفات و هيئات ثم ابرزها الى الوجود مطابقة لذلك التقدير الذى قدره لها لا تزيد ولا تنقص منه ○ (کتاب الروح ص ۱۹۸)

ہے کہ پہلے وہ اپنے علم ازلی میں مخلوق کا وجود مقرر کرتا ہے اس وقت۔ زندگی اور صفات و ہیئات مقرر کرتا ہے پھر اس تقدیر علمی کے مطابق مخلوق کو دنیا میں ظاہر کرتا ہے۔ اس تقدیر یعنی انداز میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔

یعنی حضرت آدم کی پشت سے جو اولاد نکالی گئی۔ اس وقت ان کا وجود تقدیری تھا حقیقی نہیں تھا۔ ان کی پیدائش، حیات، موت کا وقت ان کا رزق سب چیزیں تقدیری تھیں۔ ان کی پیدائش مقررہ وقت پر ہوئی اور تقدیر ازلی کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کی۔ اخذ عہد کے وقت یہ پیدائش عارضی اور وقتی تھی ان کا بولنا سننا جواب دینا سب ان کے وجود کے مناسبت سے تھا۔ جو رب قادر چیونٹیوں سے کلام کرانے پر قادر ہے اس نے ان سے بھی کلام کرالی۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں :۔

جاز ان يكون الله سبحانه جعل امثال الذر الذى اخرجها فهما تعقل به كما قال تعالىٰ قالت نملة يا ايها النمل ادخلوا مساكنكم وقد سخر مع داؤد الجبال تسبح معه والطير ○ (کتاب الروح ص ۲۰۱)

یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیونٹی جیسی مخلوق کو پشت آدم سے نکالا تھا اسے سمجھ دے دی ہو۔ جیسا کہ چیونٹی نے حضرت سلیمانؑ سے کلام کی۔ اور پہاڑ اور پرندے حضرت داؤدؑ کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے۔

علامہ سیوطی نے اس سلسلے میں اس سرچشمہ کی نشاندہی بھی کر دی۔ جہاں سے یہ فتنہ پھوٹا۔

وزعم ابن حزم ان الله خلق الارواح جملة قبل الاجساد وجعلها فی برزخ وذلك البرزخ عند منقطع العناصر بحیث لا ماء ولا هواء ولا تراب ولا نار وانه خلق الله الاجساد ادخل فیها تلك الارواح ثم یعیدها عند قبضها الی ذلك البرزخ وهذا قول لم یقله احد من المسلمین ولا هو من جنس کلامهم انما هو من جنس کلام الفلاسفة ٥

(شرح الصدور صہ ۱۰۶)

ابن حزم ظاہری، کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو جسموں سے پہلے اکٹھا پیدا کیا ہے اور ان کو ایک برزخ میں رکھا ہے جس میں نہ پانی ہے نہ آگ نہ ہوا نہ مٹی اور جب اللہ تعالیٰ جسموں کو پیدا کرتا ہے۔ تو ان میں ان روحوں کو داخل کر دیتا ہے اور موت کے وقت پھر اسی برزخ میں لوٹا دیتا ہے۔ اور یہ وہ قول ہے۔ جو کسی مسلمان کی زبان و قلم سے نہیں نکلا۔ یہ تو محض فلاسفہ کے خرافات میں سے ہے۔

نیلوی صاحب نے نسمہ کے متعلق جو لکھا ہے کہ جسم مع الروح ہے عورت مرد عاقل بالغ ذی فہم تھا۔ عالم ذر میں قیام پذیر وہاں سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں جسم عنصری میں داخل ہوتا ہے اور نسمہ ہی جسم کا جزو اصلی ہے یہ وہی بات ہے جو نظام نے کہی۔ اور یہ وہی عقیدہ ہے جو خارجی نظامی بکرمی معمری صالحی اور کرامی فرقوں کا ہے۔ اور بقول علامہ سیوطی کسی ایک مسلمان کی زبان سے آج تک یہ بات نہیں نکلی۔ ہاں فلاسفہ کا یہی مذہب ہے جنہیں دین اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔

تفسیر کبیر، ۲۱۰ : میں امام رازی نے تصریح کر دی ہے کہ " انسان " مکمل ہوا جسم عنصری سے جب اس میں استعداد پیدا ہوئی تو ماں کے رحم میں اس

بدن میں روح پھونکی گئی احادیث میں بھی یہی ترتیب مذکور ہے۔ نیلوی صاحب یہ بتائیں۔ کہ نسمہ کس وقت جسد عنصری میں داخل ہوتا ہے؟ ماں کے رحم میں یا پیدائش کے بعد؟ اور اس کا ثبوت بحوالہ کتب دیں۔ دوسری بات کہ جب جسم عنصری کی اصل جزو عاقل بالغ ہے تو دارالتکلیف میں داخل ہوتے ہی اس کو مکلف ہو جانا چاہیے۔ پندرہ بیس سال عمر گزارنے کے بعد مکلف ہونا کیا معنی۔ یہ اتنی لمبی چھٹی کس لیے؟

اخذ عہد کی تفصیل

اس سلسلے میں دو مذاہب پائے گئے ہیں۔ روح بدن سے پہلے پیدا ہوئی یا بعد۔ اس میں پھر دو مذہب ہیں :۔

اوّل :۔ روح، بدن سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ مذہب ابن حزم ظاہری اسحاق بن راہویہ، اور محمد بن نصر مروزی کا ہے۔ یہ تین حضرات کہتے ہیں۔ کہ روح، بدن سے پہلے پیدا ہوئے انہیں برزخ میں رکھا گیا۔ علامہ سیوطی نے جس انداز میں اس قول کی تردید کی ہے ابھی گزر چکی ہے۔

دوم :۔ روحوں کی پیدائش بدن کے بعد ہوئی۔ یہ جمہور علمائے اسلام کا قول ہے۔ اخذ عہد کے لیے روحوں کو علم تقدیری میں پیدا کیا گیا جس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں دی جا چکی ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ انسانوں کو پیدا کر کے عاقل بالغ ہونے کے بعد ان کی طرف انبیاء بھیجے گئے۔ انہوں نے قانون الٰہی کے دلائل پیش کیے۔ پھر ان سے اقرار لیا گیا۔ نہ کہ قبل از پیدائش اور علم تقدیری میں اخذ عہد لیا گیا جیسا کہ گروہ اول کا قول ہے۔ مگر ان دونوں میں کوئی بھی نیلوی صاحب کے نسمہ کا قائل نہیں ہے۔

مولانا حسین علی صاحب نے بلغۃ الحیران (ص۱۴۲) میں یہی دوسرا مذہب اختیار کیا ہے کہ بعد بلوغت دلائل پیش کیے۔ مگر یہ ملحدانہ عقیدہ جو نیلوی صاحب نے پیش کیا ہے مسلمانوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

نیلوی صاحب فرماتے ہیں کہ نسمہ عاقل بالغ ذی علم ذی فہم تھا۔ جسم عنصری میں آیا۔ مگر قرآن مجید کہتا ہے ۔

هو الذی اخرجکم من بطون امهتکم لا تعلمون شیأ

وجعل لکم السمع والابصار والافئدة لعلکم تشکرون

دونوں باتوں میں واضح تضاد معلوم ہوتا ہے۔ کون کہے کہ اللہ کی بات چھوڑو اور نیلوی صاحب کی بات پلے باندھو۔

پھر "شیخ القرآن صاحب" نے جواہر القرآن میں اخذ عہد کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ ارواح سے عہد لیا گیا تھا۔ اور نیلوی صاحب کہتے ہیں کہ نسمہ سے لیا گیا اور ساتھ ہی نسمہ اور روح کو جدا جدا چیزیں بیان کرتے ہیں۔ استاد شاگرد میں بھی تضاد پایا جاتا ہے۔

تحقیق عہد الست

اس سلسلے میں یہ اصولی بات سمجھ لینی چاہیے کہ اخذ عہد کے لیے تین صورتیں ہو سکتی ہیں :۔

۱۔ جواہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں موجود ہوں۔ جیسے بدن انسانی وغیرہ۔

۲۔ جواہر جن میں مادہ نہیں کمیت ہے جیسا صوفیہ کے نزدیک اجسام مثالیہ۔

۳۔ جواہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہیں جیسے صوفیہ کے نزدیک

ارواح اور حکماء کے ہاں جوہر مجردہ روح جوہر ہے۔ جوہر وہ ہے۔ جو قائم بالذات ہو۔ دار دنیا میں روح کو مادی بدن اس لیے دیا گیا کہ مادی چیزوں کو دیکھنے سننے سنانے وغیرہ کے لیے مادی آلات کی ضرورت تھی۔ دار دنیا خود مادی چیز ہے۔

عالم برزخ مادی نہیں لطیف ہے۔ اس کی سب چیزیں بھی لطیف ہیں۔ اگر روح کو برزخ میں بھی جسم مثالی کا محتاج بنایا جائے تو جوہر نہ رہے گا۔ بلکہ اسے عرض تسلیم کرنا پڑے گا۔

لطیف چیزوں کو سنانے سمجھانے کے لیے روح کسی جسم کا محتاج نہیں۔ معلوم ہوا کہ جمہور اہل الشرع جسے روح کہتے ہیں۔ اسی کو صوفیہ جسم مثالی کہتے ہیں۔ جب صوفیہ کہتے ہیں کہ برزخ میں جسم مثالی کو عذاب ہوتا ہے۔ تو اس سے مراد یہی ہے کہ اہل الشرع کے ہاں روح کو عذاب ہوتا ہے۔ اور روح خود جسم عنصری کی مثل جسم رکھتا ہے۔ وہی ناک نقشہ وہی قد قامت تو صوفیہ کا یہ کہنا کہ جسم مثالی کو عذاب ہوتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ روح کو عذاب ہوتا ہے۔ جس کا جسم مثل جسم عنصری کے ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ جسم مثالی کوئی الگ قسم کا جسم ہے۔

شیخ انور فرماتے ہیں:۔

اما عند علماء الشرع فليس هناك الا عالمان عالم الارواح وعالم الاجساد وقد يخطر بالبال ان ما سماه الصوفية عالم المثال هو الذی سماه اهل الشرع عالم الارواح

علمائے شرع کے نزدیک عالم دو ہیں ایک عالم ارواح ایک عالم جسمانی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ صوفیہ نے جسے عالم مثال کہا ہے۔ وہی ہے جسے علمائے شرع نے عالم ارواح کہا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ملائکہ جن اور نفوس کو عالم مثال میں شمار کیا

لانهم عدوا الملائکة و النفوس من عالم المثال الخ۔ وھی لعینھا معدة عند علماء الشرع فی عالم الارواح فلم یبقی فرق الا فی التسمیة اما ما سماہ الصوفیة الارواح المجردة فلم یبحث عنھا العلماء ٥

ہے اور علمائے شرع کے ہاں بعینہ یہی چیزیں عالم ارواح میں شمار ہوتی ہیں اس لیے یہ فرق صرف نام کا فرق ہوا اور جس کو صوفیہ نے ارواح مجردہ کہا ہے ۔ علمائے شرع نے اس پر کوئی بحث نہیں کی ۔

(فیض الباری ۱: ۲۶۵ اور عرف شذی ص۹)

پھر اسی کے ص۲۶۶ پر فرماتے ہیں:۔

ثم عالم المثال لیس اسما للحیز کما یتوھم بل ھو اسم لنوع من الموجودات و عالم المثال وھی التی لا مادة فیھا مع بقاء الکم و المقدار کالشئ المرئی فی المرأة ٥

اور عالم مثال کسی مقام یا مکان کا نام نہیں ۔ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے بلکہ وہ موجودات کی ایک قسم کا نام ہے ۔ عالم مثال میں مادہ نہیں ۔ البتہ کمیت ہے اور مقدار بھی جیسا آئینے میں چیز کا عکس نظر آتا ہے ۔

معلوم ہوا کہ محقق بات یہ ہے کہ صوفیہ جو عالم مثال کے قائل ہوئے ۔ انہیں یہ بات کشف سے معلوم ہوئی ۔ مگر وہی عالم مثال علمائے شرع کے ہاں عالم ارواح کہلاتا ہے ۔ کوئی الگ شے نہیں یہ محض نام کا اختلاف ہے ذات میں نہیں ۔ ذات ایک ہے ۔ اسی کو صوفیہ نے عالم مثال کہا اور علمائے شرع نے عالم ارواح کہا ۔ نیلوی صاحب کا عالم ذر محض ایجاد بندہ قسم کی شے ہے ہاں یہ بات ہو سکتی ہے کہ اسی چیز کو کوئی تیسرا نام دے کے عالم ذر کہہ دے

مگر اس نئے نام کی وجہ سے وہ کوئی دوسری چیز نہیں بن جائے گی۔ لہذا نیلوی صاحب کے فرضی نسمہ اور فرضی عالم ذر کا شریعت محمدی میں کوئی وجود نہیں اور نیلوی صاحب نے تسکین الصدور میں پیش کردہ اسلامی عقیدہ کے، برعکس اپنا باطل اور من گھڑت عقیدہ پیش کر دیا مگر کوئی دلیل پیش نہ کر سکے جب ان کا اختراعی نسمہ باطل ہوا تو اس کا بدن انسانی کا جزء اصلی ہونا، برزخ میں اس سے سوال و جواب ہونا۔ اس کی طرف اعادہ روح کا ہونا سب باطل ٹھہرے جب یہ باطل ٹھیرا کہ نسمہ جزء اصلی ہے بدن انسانی کا تو نسمہ کی طرف اعادہ روح کا عقیدہ لازماً باطل ٹھہرا ۔ ۔ ۔ ۔ اب بدن انسانی ہی باقی رہا۔ سو اعادہ روح اسی بدن انسانی کی طرف ہوتا ہے۔ اور یہی تمام اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔

نیلوی صاحب نے ندائے حق کے ص۱۷۲ پر اپنے عقیدے یعنی اعادہ روح جسم مثالی کی طرف ہوتا ہے کی تائید میں جو نام گنائے ہیں۔ یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے جس کی مثال اہل علم کے ہاں تو کیا بازاری لوگوں میں بھی نہیں مل سکتی۔ اگر ان میں صداقت کا شائبہ بھی ہے۔ تو ان بزرگوں میں سے صرف چار کا قول معہ حوالہ کتاب بقید صفحہ و عبارت پیش کریں۔ اور ان الفاظ میں کسی ایک بزرگ کا قول پیش کریں۔ کہ النسمة جزء اصلی لجسم الانسان وھی المسماة بالانسان وھی مرکبة من جسم و روح وھی عاقلة بالغة ومنها السؤال فی البرزخ و ھی تعقد فی القبر وغیرہ

مگر آپ یہ جرأت کیونکر کریں گے؟ جب آپ تمام مذہبی کتب بخاری مسلم سمیت کو ساقط الاعتبار قرار دے چکے ہیں تو معتبر کتب آپ لائیں گے۔ کہاں سے جب آپ کہہ چکے ہیں کہ سلف صالحین اکابر جمہور علما سب فرضی اور مصنوعی ہیں۔ تو آپ اصلی تے وڈے اکابرین کہاں سے ڈھونڈ لائیں گے۔ آخر میں نیلوی بندیالوی اور ان کے ہم نوا "توحیدی" حضرات کے چند مخصوص عقائد

اوران کے ماخذ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ مسلمان ان کی حقیقی حیثیت سے آگاہ ہوجائیں اور اپنے ایمان کی حفاظت کر سکیں۔

۱۔ اسلام کی بنیاد پانچ اصولوں پر ہے۔ مگر ان کے نزدیک چھٹا اصول بھی ہے اور حقیقتاً وہی ایک اصول ہے جو اسلام اور غیر اسلام میں مابہ الامتیاز ہے۔ وہ اصول یہ ہے جو آدمی توحیدی جماعت میں داخل ہو وہی مسلمان ہے ورنہ وہ کتنا فاضل متقی ولی اللہ ہی کیوں نہ ہو مشرک ہے اور اسی وجہ سے یہ لوگ علمائے دیوبند کو اپنی تقاریر میں برملا مشرک کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ انہوں نے بکر بن اخت عبدالواحد سے لیا۔ "انہ شک فی جمیع عامۃ المسلمین وقال لا ادری لعل سرائر العامۃ کلہا شرک وکفر"

۲۔ قرآن کریم کی جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں یہ لوگ ان آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ یہ خارجیوں کا طریقہ ہے۔ جن کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر کا ارشاد ہے۔ ھم شرار خلق اللہ انطلقوا الی اٰیات اللہ نزلت فی الکفار جعلوھا علی المؤمنین ہ

۳۔ "شیخ القرآن" صاحب کا عقیدہ ہے کہ حیوانوں کی حشر نہیں ہوگی۔ یہ عقیدہ قرآن حکیم کی کئی آیتوں اور احادیث کے خلاف ہے۔ بالخصوص، باب الزکوٰۃ میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ کہ جن جانوروں کی زکوٰۃ نہیں دی گئی۔ میدان قیامت میں وہ جانور ان کو سینگوں سے ماریں گے اور پاؤں سے روندیں گے۔ گویا شیخ القرآن قیامت کا جزوی انکار کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ فرقہ شمامیہ سے لیا گیا ہے۔ جو شمام بن اشرس عنبری کے تابع ہیں یہ شخص سنہ ۲۱۳ھ میں خلیفہ ماموں معتصم اور واثق کے زمانہ میں ہوا تھا۔

۴۔ نسمہ کے متعلق جو عقیدہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے یہ دنیا میں کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں رہا۔

(۵) ان کا عقیدہ ہے کہ یہ بدن یہ گوشت پوست ہڈی خون چمڑا وغیرہ جو مجسم نظر آتا ہے یہ انسان نہیں بلکہ پوشیدہ چیز ہے۔ جو جز ولا یتجزیٰ ہے۔ یہ عقیدہ قرآن وسنت کی واضح تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ یہ عقیدہ نظام ظاہری، معمر، بکر بن اخت عبد الواحد کا تھا۔ انہوں نے یہ عقیدہ فرقہ نظامیہ، معمریہ، بکریہ سے لیا ہے۔ جو باطل فرقے تھے۔

(۶) ان کا عقیدہ ہے کہ تواتر کوئی چیز نہیں کوئی حدیث رسول متواتر نہیں، جیسا کہ شفاء الصدور ص۱۰۳ پر موجود ہے۔ یہ عقیدہ فرقہ نظامیہ سے لیا ہے۔

وكان النظام دافعا لحجة التواتر (الفرق بين الفرق ص۱۴۳)	نظام نے تواتر کے حجت ہونے کی مخالفت کی۔

(۷) یہ لوگ اجماع امت کے منکر ہیں جیسا کہ ندائے حق ص۱۵ پر موجود ہے۔ کہ سلف فرضی ان کا دین فرضی، جمہور فرضی، یہ عقیدہ انہوں نے نظام سے لیا۔

وكان النظام دافعا لحجة الاجماع	نظام نے اجماع کے حجت ہونے کی مخالفت کی ہے۔

(۸) ان کا عقیدہ ہے کہ آثار صحابہ و اقوال صحابہ قابل حجت نہیں (ندائے حق ص۱۹) یہ عقیدہ انہوں نے نظام سے لیا۔

وطعن النظام في اخبار الصحابة والتابعين من اجل فتاويهم بالاجتهاد (ص۱۴۷)	نظام نے اقوال صحابہ اور تابعین پر طعن کیا ہے۔ اس کی وجہ ان کے اجتہادی فتوے ہیں۔

(۹) ان کا عقیدہ ہے کہ جس گڑھے میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔ یہ قبر نہیں۔ نہ اس میں سوال وجواب نکیرین ہوتا ہے نہ عذاب وثواب۔

یہ عقیدہ قرآن حکیم کی کم از کم ۱۰ آیات اور حدیث کے دفتر کے دفتر کی تکذیب ہے۔

(۱۰) ان کا عقیدہ ہے کہ بدن انسانی کو قبر میں عذاب و ثواب نہیں ہوتا کیونکہ یہ بدن انسان ہی نہیں۔ ہاں روح کو عذاب و ثواب ہوتا ہے۔
یہ عقیدہ معتزلہ کا ہے۔ یا کفار ہند کا ہے۔

(۱۱) ان کے نزدیک کشف شرک ہے۔ خواہ کشف انبیاء ہو یا اولیاءؒ۔

(۱۲) ان کے نزدیک محمد بن عبدالوہاب معیار حق ہے۔ جو شخص اس سے اختلاف کرے وہ باطل ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ علامہ شامی کی مذمت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ کیوں وضاحت کی کہ "شیخ الاسلام" کے عقائد وہی ہیں۔ جو خوارج کے ہیں۔

(۱۳) ان کا عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرامؑ، اولیاء اللہ اور صلحائے امت طاغوت ہیں (معاذ اللہ) اسی طرح ملائکہ بھی طاغوت ہیں جیسا کہ جواہر القرآن اور اقامۃ البرہان میں بیان کیا گیا ہے۔ ہاں اقامۃ البرہان میں یہ فرق بیان ہوا ہے کہ طاغوت دو قسم ہیں ایک وہ جس میں مادہ طغیان ہو یعنی گمراہی کی دعوت دے دوم وہ جس میں مادہ طغیان نہیں ہوتا جیسا انبیاء اولیاء اور ملائکہ (اقامہ صد ۲۷ اور بلغہ صد ۳۴)



اجزائے اصلیہ انسان

نیلوی صاحب نے بتایا ہے کہ جسم کے اجزاء دو قسم کے ہیں۔ ایک اصلی دوسرے زائد۔ پھر یہ فرمایا کہ نسمہ انسان کا جز و اصلی ہے۔ مگر اس پر دلیل کوئی نہیں پیش کی۔ پہلی بات تو درست ہے کہ جسم کے اجزاء دو ہیں۔ مگر اس کی تفصیل جو ادھوری بیان کی وہ بھی غلط ہے۔ اس امر کی وضاحت درکار ہے کہ جز و اصلی کون ہے ان کا مادہ کیا ہے۔ اور زائد کون سا ہے۔ وہ کس مادہ سے پیدا ہوئے۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم رہنمائی کرتا ہے۔

'ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين ثم جعلناه نطفة فی قرار مكين ثم خلقنا النطفة علقة الخ ه

حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر انسانی پیدائش نطفہ سے ہوئی۔ جو اجزائے انسانی اولاً نطفہ سے پیدا ہوئے وہ اجزائے اصلیہ ہیں اور جو اجزائے انسانی غذا سے پیدا ہوئے۔ وہ اجزائے زائد ہیں۔

نبراس شرح شرح عقائد میں اس کی تفصیل یوں دی گئی ہے۔

اعلم ان لكل بدن الاجزاء الاصلية والفضلية والمراد بالاصلية ما يكون لكل بدن قبل الاكل والشرب و الفضلية ما حصلت بالغذاء قال بعضهم الاجزاء الاصلية التی حصلت من نطفة الابوين وقال شارح الحاجبيه

خوب سمجھ لو کہ ہر بدن کے اجزاء اصلی اور زائد ہوتے ہیں۔ اصلی سے مراد وہ اجزاء ہیں۔ جو کھانے پینے سے پہلے ہوں۔ اور زائد وہ ہیں۔ جو غذا سے حاصل ہوں۔ بعض کہتے ہیں، اجزائے اصلی وہ ہیں جو ماں باپ کے نطفہ سے حاصل ہوں۔ شارح حاجبیہ کہتے ہیں کہ اعادہ بدن سے مراد اجزائے

اعلم ان المراد بالاعادة البدنية انما هو الاجزاء الاصلية التی هی حاصلة وباقیة من اول العمر الی آخرہ والی تلک الاجزاء الاصلیة الاشارة بقوله صلی اللہ علیہ وسلم کل ابن آدم یفنی الا عجب الذنب منہ خلق ومنہ یرکب ہ (ص ۳۲۳)

اصلی کا اعادہ ہے۔ جو اول سے آخر تک باقی رہتے ہیں۔ اور حدیث رسول کا اشارہ انہی اجزائے اصلی کی طرف ہے۔ آپ نے فرمایا انسان کا سارا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے۔ سوائے عجب الذنب کے۔ اسی سے پیدا کیا گیا۔ اور اسی سے اس کی ترکیب ہو گی۔

اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ جزو اصلی وہ ہے۔ جو اکل وشرب سے پہلے وجود میں آئی اور ماں باپ کے نطفہ سے وجود میں آئی۔ اور حدیث کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ جزو اصل عجب الذنب ہے۔ نیلوی صاحب نے صرف "علم" کے زور سے نسمہ کو جزو اصلی قرار دیا ہے۔ دلیل کوئی نہیں پیش کی۔

شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں:۔

والحق ان الجوهر التی منها تالیف البدن تنعدم کلها الا بعضا منها منصوصا علیه فی الحدیث الصحیح وهو عجب الذنب فیما رواه البخاری والمسلم واحمد وابن حبان ہ (مسامرہ ص ۲۱۹)

حقیقت یہ ہے کہ وہ جوہر جس سے بدن تیار ہوتا ہے۔ وہ سارا معدوم ہو جاتا ہے۔ سوائے اس حصہ کے جس کا ذکر حدیث صحیح میں موجود ہے اور وہ عجب الذنب ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں :-

یبلی کل شیٔ من الانسان الا عجب الذنب اخذ بظاہرہ الجمہور فقالوا لا یبلی عجب الذنب ولا یأکله التراب ۔

(بخاری مع فتح الباری ۸ : ۳۹۱)

عجب الذنب کے بغیر انسان کے تمام اجزاء بوسیدہ ہو جاتے ہیں۔ جمہور نے اس کے ظاہر سے اخذ کیا اور کہا عجب الذنب بوسیدہ نہیں ہوتی ہے اور نہ اسے مٹی کھاتی ہے۔

اور حضرت انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

ویبلی کل شیٔ من الانسان الا عجب الذنب دل علی ان بنیۃ الانسان عجب الذنب اعنی بھا بنیۃ کبنیۃ البیت فان البیت اول ما ترفع منہ بنیتہ ثم ترفع العمارۃ منھا فانحل ما بحث فی علم الکلام فی تحقیق ماذا یکون منہ الاعادۃ فی الحشر . . . .

عجب الذنب کے بغیر انسان کے ہر جز کا بوسیدہ ہو جانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ انسان کی بنیت عجب الذنب ہے یعنی یہ بدن انسانی کی بنیاد ہے جیسے مکان کی بنیاد ہوتی ہے۔ کیونکہ مکان کی بنیاد پہلے اٹھائی جاتی ہے پھر اس پر عمارت کھڑی کی جاتی ہے اور علم الکلام میں اس بات میں جو بحث کی گئی ہے کہ محشر میں اعادہ کس کی طرف ہوگا۔ وہ مسئلہ حل ہو گیا۔

ودل الحدیث انہ عجب الذنب فی الانسان ولذا یبلی کل شیٔ منہ الا ھذا ۔

(فیض الباری ۴ : ۲۳۵)

حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حصہ انسان میں عجب الذنب ہے اس لیے اس عجب الذنب کے علاوہ ہر چیز بوسیدہ ہو جاتی ہے۔

اور موطا امام مالک کی شرح زرقانی میں ہے :-

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ قال کل ابن ادم تأکلہ الارض الا عجب الذنب منہ خلق ومنہ یرکب ٥

حضورؐ نے فرمایا کہ عجب الذنب کے بغیر انسان کے تمام اجزاء کو مٹی کھا جاتی ہے۔ اسی سے اس کی پیدائش ہوئی اسی سے اس کی ترکیب ہوگی۔

حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :-

فانہ قاعدۃ البدن کقاعدۃ الجدار فلا تأکلہ الارض لانہ منہ خلق ای ابتدأ خلقہ ومنہ یرکب خلقہ عند قیام الساعۃ ٥

وہ بدن کی بنیاد ہے۔ جیسے دیوار کی بنیاد ہوتی ہے۔ تو اسے مٹی نہیں کھاتی کیونکہ وہ اسی سے پیدا کیا گیا اسکی پیدائش کی ابتداء اس سے ہوئی اور قیامت کے دن اس کے جسم کی ترکیب بھی اسی سے ہوگی۔

(موطا مع شرح زرقانی: ۲: ۸۴)

اور شرح عقیدہ سفارینی میں ہے

ولیس من الانسان شئی الا یبلی الا عظم واحد وھو عجب الذنب منہ یرکب الخلق یوم القیامۃ قالوا ای عظم ھو یا رسول اللہ قال عجب الذنب رواہ مالک وابو داؤد والنسائی باختصار قال کل ابن ادم تاکلہ الارض الا عجب الذنب منہ خلق ومنہ یرکب وقد روی

- ایک ہڈی کے بغیر انسان کے تمام اعضاء بوسیدہ ہو جاتے ہیں۔ اس ہڈی کا نام عجب الذنب ہے۔ قیامت کے دن اسی ہڈی سے جسم کی ترکیب ہوگی۔ پوچھا یا رسول اللہ وہ کون سی ہڈی ہے۔ فرمایا عجب الذنب۔ مالک ابوداؤد اور نسائی نے یہ روایت کی ہے کہا کہ انسان کے تمام اجزاء کو مٹی کھا جاتی ہے۔ سوائے عجب الذنب کے اسی سے پیدا کیا گیا اسی سے مرکب ہے۔

الامام احمد و ابن حبان فی صحیحہ من حدیث ابی سعید قال قال رسول اللہ یا کل التراب کل شیئ من الانسان الا عجب الذنب قیل ماھو یارسول اللہ قال مثل حبۃ خردل منہ تنبتون ۰

(عقیدہ السفارینی مع شرح ۲ : ۱۶۵)

حضورؐ نے فرمایا کہ عجب الذنب کے بغیر انسان کے تمام اعضاء کو مٹی کھا جاتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ وہ کیا ہے فرمایا کہ رائی کے دانے کے برابر ہے۔ اسی سے تمہاری پیدائش ہوتی ہے۔

احادیث رسول، شارحین حدیث۔ علماء متکلمین اور فقہائے کرام کے اقوال سے یہ امر واضح ہو گیا کہ انسان کے اجزائے اصلیہ وہ ہیں۔ جن سے انسان کی ابتدا ہوئی۔ ان میں سے عجب الذنب وہ ہڈی ہے۔ جسے نہ مٹی کھاتی ہے نہ آگ جلا سکتی ہے۔ اسی سے انسان کی ابتدا ہوئی۔ برزخ میں اسی عجب الذنب سے انسان کی ترکیب ہوگی۔ اس حقیقت کا انکار دراصل حدیث رسول کا انکار ہے۔ اور نیلوی صاحب نے اس انکار کی جرأت کر ہی ڈالی۔ ادر اپنے ذہن سے ایک بات پیدا کر دی کہ نسمہ جزء اصلی ہے اور اس ایجاد بندہ کے لیے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا تو کیا کوئی مسلمان یہ جرأت کر سکتا ہے کہ حدیث رسول کو پس پشت ڈال کر نیلوی صاحب کا مخترعہ قول قبول کر لے مگر اس کا کیا جائے کہ مسلمان کہلانے والے بلکہ اسلام کے ٹھیکیدار صرف اسے قبول کرنے کی جرأت نہیں بلکہ اس باطل عقیدہ کی تبلیغ بھی کر رہے ہیں اور اسے تسلیم نہ کرنے والوں کو مشرک بھی قرار

چنیں دور آسماں کم دیدہ باشد

= ★ =

نیلوی صاحب کے لیے ایک صورت اختیار کر لینے کی گنجائش موجود ہے کہ وہ اعلان کر دیں۔ کہ یہی عجب الذنب تو ہمارے نزدیک نسمہ ہے۔ نہ لائے حق میں یہ تفصیل کر دینا لغزش قلم کی وجہ سے رہ گیا۔ مگر نیلوی صاحب نے ایسا جال خود بنا ہے جس میں سے نکل نہیں سکتے۔ اگر یہ بات کہہ بھی دیں تو اپنے اس قول کی تاویل کیا کریں گے۔ کہ نسمہ عاقل بالغ مرد عورت وغیرہ ہے۔ کیا عجب الذنب میں یہ اوصاف ثابت کر سکیں گے؟

حضرت عمرؓ کے سماع سے انکار کی حقیقت

اب حضرت عمرؓ کے سماع سے انکار کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

مشکوٰۃ ص۳۴۵:۔

فجعل ینادیھم باسمائھم و اسماء ابائھم یا فلان بن فلان ویا فلان بن فلان الیس کم انکم اطعتم اللہ ورسولہ فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقال عمرؓ یارسول اللہ ما تکلم اجساد لا ارواح لھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم۔

پھر حضورؐ نے مقتولین بدر کے نام اور ان کے باپوں کے نام سے پکارنا شروع کیا اور فرمایا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم خدا اور رسول کی اطاعت کرتے۔ تو ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا اسے ہم نے صحیح پایا۔ کیا تم نے بھی اس وعدہ کو سچ پایا جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا۔ تو حضرت عمرؓ کہنے لگے۔ حضورؐ آپ بے جان لاشوں سے گفتگو فرما رہے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے۔ جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔

فتح الباری ۷: ۲۱۴:۔

فی روایۃ حمید عن انس فنادی یا عتبۃ بن ربیعہ ویا شیبہ بن ربیعہ ویا امیہ بن خلف ویا اباجھل بن ھشام

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے آواز دی۔ اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ اے امیہ بن خلف اور اے ابوجہل بن ہشام اس روایت کو ابن اسحاق

اخرجہ ابن اسحاق واحمد
وغیرھما وکذا وقع عند احمد
ومسلم من طریق ثابت عن
انس فسمی الاربعۃ لکن
قدم واخر وسیاقہ اتم
قال فی اولہ ترکھم ثلاثۃ
ایاما حتی جیفوا فذکرہ و
فیہ من الزیادۃ فسمع عمر
صوتہ فقال یارسول اللہ
اتناد یھم بعد ثلاث وھل
یسمعون ویقول تعالیٰ انک
لاتسمع الموتیٰ فقال والذی
نفسی بیدہ ما انتم باسمع
لما اقول منھم ولکن لا
یستطیعون ان یجیبوا ہ

ابن ہشام اس روایت کو ابن اسحاق اور
احمد وغیرہ نے اخراج کیا اور طریق ثابت
سے احمد اور مسلم نے روایت کیا ہے۔
انس سے چاروں نام گنائے۔ اور اس
کا سیاق اتم ہے۔ حدیث کے شروع
میں فرمایا۔ کہ تین دن کے بعد خطاب
کیا۔ جب ان کے جسم بوسیدہ ہو گئے
تھے۔ اور اس میں یہ زائد ہے کہ حضرت
عمر رضؓ نے حضورؐ کی آواز سنی تو عرض کیا
یا رسول اللہ! کیا آپ تین روز کے بعد
ان سے مخاطب ہو رہے ہیں کیا وہ،
سنتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے
کہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا تو حضورؐ
نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے
میں میری جان ہے جو کچھ میں ان سے
کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سن
رہے ہو لیکن وہ جواب دینے کی طاقت
نہیں رکھتے (یعنی وہ جواب جسے تم سن سکو)

اس حدیث سے یہ گروہ استدلال کرتا ہے کہ حضرت عمر رضؓ سماع موتیٰ کے قائل نہ
تھے۔ مگر یہ استدلال الٹا ہے۔

۱۔ حضرت عمر رضؓ نے انک لاتسمع الموتیٰ کے تحت اظہار تعجب کیا۔
۲۔ حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقید حلف بیان فرمایا کہ تم سے زیادہ
سنتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت عمر رضؓ نے کیا کہا، حدیث میں یہ نہیں ملتا تو سوچنے کی بات ہے کہ حضور کے اس حلفیہ بیان کے بعد حضرت عمر رضؓ کا رویہ کیا ہونا چاہیئے۔

ا۔ کیا یہ کہ میں قرآن کو حضورؐ سے بھی زیادہ سمجھتا ہوں اس لیے میرا کہنا ٹھیک ہے؟

ب۔ یا یہ کہ قرآن لانے والا مجھ سے زیادہ قرآن کو سمجھتا ہے۔ اس لیے اپنی غلط فہمی کے احساس کے بعد اس پر اڑے رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اگر پہلا ردعمل صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ ثابت تو ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضؓ سماع موتیٰ کے قائل نہیں تھے۔ مگر حضرت عمر رضؓ کے ایمان کا ثبوت کہیں سے تلاش کرنا پڑے گا۔

اگر دوسرا ردعمل تسلیم کیا جائے تو ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضؓ سچے مومن تھے۔ جب کسی بات میں شک ہوتا اور حضورؐ اس غلط فہمی کو دور کر دیتے۔ تو حضرت عمر رضؓ سچے مومن کی طرح حضورؐ کی بات کو حرف آخر سمجھتے تھے۔ مگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر رضؓ کو میت کے سننے کے متعلق جو حیرت تھی وہ ختم ہو گئی اور یقین کامل ہو گیا کہ واقعی وہ ہم سے بہتر سنتے ہیں۔

"جدید محققین" نے پہلا ردعمل تسلیم کیا ہے۔ انہیں یہ سمجھنا مبارک مگر اس سے ایک اور نتیجہ بھی نکلتا ہے اس پر بھی غور فرما لیں کہ

آیت انك لاتسمع الموتیٰ مکہ میں نازل ہوئی اور غزوہ بدر ۲ھ میں ہوا۔ اتنی طویل مدت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کا صحیح مفہوم معلوم نہ ہو سکا اور کفار بدر کو پکارنا شروع کیا۔ اور حضرت عمر رضؓ کے سمجھانے پر حضورؐ کو اتنی مدت کے بعد قرآن کی ایک آیت کا مطلب معلوم ہوا (معاذ اللہ) یا اگر معلوم تھا تو عمداً قرآن کے خلاف مردوں کو پکارنا شروع کیا (معاذ اللہ) کیا اس کا تصور کوئی مومن کر سکتا ہے؟

یہ ہے "جدید محققین" کے نزدیک نبوت اور رسالت کا مقام اور یہ ہے

ان کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عقیدہ۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ ایک مسلمان اپنے مزعومہ عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے ایسی حرکت کرے جس سے مقام نبوت اور رسالت کی توہین لازم آتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

حضرت عائشہ اور سماع موتیٰ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کو جو خطاب فرمایا تھا اس سلسلے میں یہ پیش کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت عائشہ رضؓ نے اس سے انکار کیا تھا۔ کیونکہ وہ بھی آیت انک لاتسمع الموتیٰ کا مفہوم وہی سمجھتی تھیں جو حضرت عمر رضؓ کے لیے وجہ حیرانگی بنا تھا۔

اس موقعہ پر پھر وہی صورت قابل غور ہے کہ آیت انک لاتسمع الموتیٰ کی ایک تفسیر وہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے۔ دوسری تفسیر وہ ہے جو حضرت عائشہ رضؓ سمجھی تھیں۔ حضورؐ نے اس مفہوم کے ذہن میں ہوتے ہوئے مقتولین بدر کو خطاب کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کے معنی وہ نہیں جو اول نظر میں لوگ سمجھ بیٹھے ہیں اور حضرت عائشہ رضؓ نے سمجھے۔ اور قرآن کی کسی آیت کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لیے معیار فہم رسول ہوگا۔ قول رسول کے مقابلے میں کوئی قول حجت نہ ہوگا۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور آپؐ کے فعل کے مقابلے میں حضرت عائشہ رضؓ کا قول حجت نہیں ہوگا۔

۲۔ اگر حضرت عائشہ رضؓ اجتہادی غلطی کی بناء پر اس موقع پر عقیدہ عدم سماع موتیٰ ہی رکھتی تھیں تو بعد کی روایات سے ان کا رجوع ثابت ہے۔ جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے۔

اور فتح الباری ۷ : ۲۱۵ :-

وفی المغازی لابن اسحاق	مغازی ابن اسحاق میں یونس بن بکیر

روایت یونس بن بکیر
باسناد جید عن عائشۃ مثل
حدیث ابی طلحہ وفیہ ما
انتم باسمع ما اقول منھم
واخرجہ احمد باسناد حسن
فان کان محفوظا فکانھا
رجعت عن الانکار لما
ثبت عندھا من روایت
ھؤلاء الصحابۃ لکونھا
لم تشھد للقصۃ ۔

کی روایت باسناد جید حضرت عائشہ رضؓ
سے مثل حدیث ابو طلحہ رضؓ موجود ہے
اور اس میں ہے کہ جو کچھ میں انہیں کہہ
رہا ہوں تم ان سے بہتر نہیں سننے۔
اسے امام احمد نے باسناد حسن اخراج
کیا۔ اگر یہ حدیث محفوظ ہے۔ تو گویا
حضرت عائشہ رضؓ نے انکار سماع سے
رجوع کر لیا۔ جب انہیں ان کبار صحابہؓ
کی روایت سے ثابت ہو گیا۔ کیونکہ وہ
خود تو اصل واقعہ میں حاضر نہ تھیں۔

۳۔ اگر کوئی بزرگ حضرت عائشہ رضؓ کا رجوع تسلیم نہ کریں اور اسی پر مصر ہوں کہ حضرت عائشہ رضؓ ہمیشہ کے لیے اسی عقیدہ پر قائم رہیں تو پھر یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ایک طرف متواتر احادیث اور اجماع صحابہؓ ہے۔ دوسری طرف صرف عائشہ رضؓ کون سا پہلو راجح ہو گا اور کون سا مرجوح ۔ چنانچہ سلف کی رائے یہ ہے۔

۱۔ فتح الباری ۳ : ۱۵۲ :۔

وھذا مصیر من عائشۃ
الی رد روایت ابن عمر
المذکورۃ وقد خالفھا
الجمھور فی ذلک وقبلوا
حدیث ابن عمر رضؓ لموافقۃ
من رواہ غیرہ علیہ ۔

اور یہ حضرت ابن عمر رضؓ کی روایت کو
حضرت عائشہ رضؓ کا رد کرنا ہے اور اس بارے
میں جمہور صحابہ نے ام المومنین کی
مخالفت کی اور ابن عمر رضؓ کی روایت
کو قبول کیا کیونکہ وہ دوسری روایات
کے موافق ہے ۔

(ب) مولانا عبدالحی لکھنوی حاشیہ وقایہ ۲ : ۲۵۴ :-

واما رد عائشة لبعض تلك الاحادیث فلم یعتد به جمهور الصحابة ومن بعدهم ہ

بہر حال حضرت عائشہ رضی کا ایسی بعض احادیث کے رد کرنے کا معاملہ ایسا ہے کہ جمہور صحابہ اور تابعین نے اسے غیر معتد بہ قرار دیا۔

(ج) ابن کثیر ۳ : ۴۳۸ :-

والصحیح عند العلماء روایة عبدالله بن عمر رض لما لها من الشواهد علی صحتها من وجوه کثیرة ومن اشهر ذلك ما رواه ابن عبدالبر مصححا له من ابن عباس مرفوعاہ

اور علماء کے نزدیک عبداللہ بن عمر رض کی روایت صحیح ہے۔ کیونکہ کثیر وجوہ سے اس کی صحت کے شواہد موجود ہیں اس سے بھی زیادہ مشہور وہ روایت ہے جو ابن عبدالبر نے ابن عباس رض سے مرفوعًا بیان کی اور اسے صحیح کہا۔

اس حدیث پر ابن رجب کی جرح مبہم ہے جو قابل حجت نہیں۔ حدیث کی صحت اور تعدیل بھی موجود ہے۔ اس لیے درجہ حسن سے نہیں گر سکتی - اور سماع موتٰی کی احادیث متواتر ہیں۔

(د) کتاب الروح صہ :-

والسلف مجموعون علی هذا وقد تواترت الآثار عنهم بان المیت یعرف بزیارة الحی له ویستبشر به ہ

سلف صالحین امت کا اس (سماع موتٰی) پر اجماع ہے۔ ان سے متواتر روایات آچکی ہیں کہ میت زندہ زائر کو پہچانتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے

(ر) حضرت عائشہ رض کا قول بہرحال ان کا اجتہاد ہے۔ قول رسول کو حضرت عائشہ رض کے اجتہاد سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

قال الاسماعیل کان عند عائشۃ من الفہم والذکاء وکثرۃ الروایۃ والخوض علی غوامض العلم مالایزید علیہ لکن لاسبیل الی رد روایۃ الثقۃ الابنص مثلہ یدل علی نسخہ اوتخصیصہ اواستحالتہ ۰

فتح الملہم ۱ : ۳۳۷ -

محدث اسماعیل کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ بڑی ذہین تھیں - کثرت سے روایتیں بھی ان سے آئی ہیں - علمی مسائل پر غور و فکر میں سب سے بڑھ کر تھیں لیکن ثقہ راویوں سے جو روایت موجود ہو اس کا رد تو نص سے ہی ہو سکتا ہے جو اسی پائے کی ہو اور جو پہلی روایت کے نسخ یا تخصیص یا محال ہونے پر دلالت کرے -

ومن المروزی قلت لاحمد انہم یقولون ان عائشۃ قالت من زعم ان محمد اراى ربہ فقد اعظم علی اللہ فبای شیئ یدفع قولہا قال بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم رایت ربی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکبر من قولہا ہ

امام مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ حضورؐ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا - پس کس چیز سے ام المؤمنین کا قول رد کیا جائے گا - تو امام صاحب نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے - تو حضور کا قول کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا - حضرت عائشہ رضؓ کے قول سے بہت بڑا ہے -

حضرت امام احمد کا قول کہ قول عائشہ کو قول رسول رد کر سکتا ہے - مگر قول رسول کو قول عائشہ نہیں رد کر سکتا -

پہلا زرّیں اُصول

فتح الملہم میں ایک اصول بیان ہوا ہے کہ :۔

واذا اجمع الناس ۔ جب تمام علماء ایک دینی حکم پر جمع ہو جائیں

علی امر وخالفہم واحد او اثنان لم یلتفت الی قولہ و لم یصدق دعواہ (۱: ۴۷)	اور ایک یا دو آدمی مخالفت کریں تو ان کے اختلاف کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے گی اور نہ ان کے دعوی کی تصدیق کی جائے گی ۔

یہ وہ اصول ہے جسے غیر شعوری طور پر " جدید محققین " حضرات تسلیم کر چکے ہیں ۔

شفا الصدور ص ۹۰

دوسرا زرّیں اُصول

والثانی ان الصحابۃ اذا قال قولا خالفہ غیرہ لم یکن ذلک القول حجۃ ۔	ثانی یہ کہ صحابہ جب کوئی بات کہیں اور کوئی ایک ان کی مخالفت کرے تو یہ قول حجت نہ ہوگا ۔

ایضاً ص ۵

تیسرا زرّیں اُصول

ھتف الھاتف وفعل الاعرابی وقول الصحابی المخالف لجماھیر الصحابۃ وکذا فعلہ وقول احد من الناس غیر النبی وکذا فعلہ الی ان قال لیس واحد منھا بحجۃ ۔	ہاتف کی آواز ، اعرابی کا فعل اور صحابی کا قول جو جمہور صحابہ کے خلاف ہو اور اسی طرح صحابہ کا فعل ۔ اسی طرح نبی کے بغیر کسی کا قول اسی طرح اس کا فعل ۔ ۔ کوئی بھی حجت نہ ہوگا ۔

منصفانہ مشورہ

جس قانون کو آدمی خود تسلیم کرے بلکہ تسلیم کرائے اسی قانون کے مطابق اپنے من گھڑت عقیدے پر زد پڑے تو مکر جائے۔ یہ صورت تو موزوں نہیں کہ لینے کے باٹ اور دینے کے باٹ اور جب حضرت عائشہ رض کے قول کے مقابل جمہور صحابہ سماع موتٰی کے قائل رہے تو جمہور کا اجماعی عقیدہ رد کرتے ہوئے اس قانون کا خیال نہ آیا۔

جدید معتزلہ کی ایک نئی راہ

ہاں ان حضرات نے ایک اور راہ نکالی جو شفاء الصدور ص۶ پر بیان فرمائی کہ حضرت عائشہ رض کے قول پر صحابہ کا اجماع سکوتی قرار دیا۔

یہ دعوٰی غالباً اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کیا گیا ہے۔ حضرت کسی صاحب علم کا قول پیش کریں کہ صحابہ کا اجماع سکوتی ہوا۔ کیا سکوت اسی کو کہتے ہیں۔ کہ صحابہ ایک دو نہیں کئی حضرات سماع موتٰی کی روایات بیان کر رہے ہیں۔ اور جمہور صحابہ ان روایات کو سن رہے ہیں اور قبول کر رہے ہیں اور اجماع سکوتی ہو جاتا ہے عدم سماع موتٰی پر۔ یہ عجیب منطق ہے۔ تو عدم سماع پر اجماع سکوتی کا کوئی نشان نہیں ملتا بلکہ سماع موتٰی کے حق میں :-

اقوال کا خلاصہ

۱۔ حضور اکرم ؐ کی متواتر احادیث موجود ہیں۔ اگر کوئی حدیث متکلم فیہ یا ضعیف بھی ہو تو تواتر معنوی تک پہنچنے سے جرح و تعدیل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور پھر اس تواتر سے اجماع بھی مل گیا۔ تو اشکال باقی نہیں رہتا۔

۲۔ جمہور صحابہ حضرت عائشہ رض کے قول کے خلاف تھے۔

۳- سماع موتٰی پر سلف کا اجماع تھا اور اجماع خود ایک مستقل قطعی دلیل ہے۔

۴- اگر صحابہ کرام، ام المومنین کے ادب کی وجہ سے ان کے سامنے خاموش ہو جائیں تو کیا اس کو اجماع سکوتی کہا جائے گا؟

حضرت عائشہ رضؓ کی طرف سے ایک اور سوال کا سہارا

حضرت عائشہ رضؓ کی طرف سے ایک اور سوال کا سہارا لینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ:-

انھم یسمعون ما اقول انما قال انھم الاٰن لیعلمون ان ما کنت اقول لھم حق ۔

حضورؐ کا یہ قول کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کہ وہ سنتے ہیں یہ معنی رکھتا ہے کہ اب وہ جان گئے ہیں کہ جو کچھ میں انہیں کہتا تھا وہ حق تھا۔

اس پر شفاء السقام صد۲۰۳ پر بیان ہوا ہے۔

واما عائشۃ اعترفت بالعلم وقالت انما قال انھم الاٰن لیعلمون ان ما کنت اقول لھم حق۔ واذا جاز العلم جاز السماع لانھا جمیعا مشروطاً بالحیاۃ ۔

رہا حضرت عائشہ رضؓ کا معاملہ تو انہوں نے میت کے علم کا اعتراف کیا اور کہا۔۔ ۔ وہ اب جانتے ہیں کہ جو کچھ میں انہیں کہتا تھا۔ حق ہے۔ اور جب علم جائز ہوا تو سماع بھی جائز ہوا کیونکہ دونوں کے لیے حیات شرط ہے ۔

حصول علم موقوف ہے سماع اور بصر وغیرہ پر جب حضرت عائشہ رضؓ کے قول سے علم ثابت ہوا تو سماع بطریق اولیٰ ثابت ہوا ۔

علامہ ابوالقاسم سہیلی کا استدلال

علامہ ابوالقاسم سہیلی نے روض الانف ۲ : ۴۷، پر فرمایا :-

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما انتم باسمع لما اقول منھم واذا جاذ ان یکونوا فی تلک الحال عالمین جازان یکونوا سامعین ہ	فرمایا حضورؐ نے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔ اور جب یہ جائز ہوا کہ مقتولین بدر کو اس وقت علم تھا تو یہ بھی جائز ہوا کہ وہ سن رہے تھے۔

غرض حضرت عائشہ رضؓ کے اس قول سے تو سماع ہی نہیں علم بھی ثابت ہوا حیات بھی ثابت ہوئی۔

عقیدہ سماع موتٰی سے مفر کی ایک اور صورت و چالاکی

عقیدہ سماع موتٰی سے مفر کی ایک اور صورت اختیار کی گئی ہے :-

اقوال مرضیہ صہ ۸۸ :- کہ مقتولین بدر کو خطاب خاص وقت کا معجزہ تھا۔

الجواب :- (۱) صحابہ کو اتنی تمیز تھی کہ معجزہ اور غیر معجزہ میں فرق معلوم کر لیتے۔ اگر یہ معجزہ ہوتا تو اس واقعہ کے متعلق نہ بحثیں ہوتیں نہ آیت انک لاتسمع الموتٰی کی تاویلیں کی جاتیں۔

(۲) کیا سماع موتٰی کے متعلق صرف یہی ایک حدیث ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو چلو ایک خاص وقت کے لیے معجزہ تسلیم کرنے میں معقولیت بھی ہوتی لیکن سماع موتٰی کے متعلق متواتر اور صحیح حدیثیں بیسیوں موجود ہیں۔ جن میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے۔

(۳) اگر اسے معجزہ تسلیم کیا جائے تو فرمائیں کہ معجزہ کس نے طلب کیا تھا؟ قریش مکہ نے جو بھاگ گئے تھے یا مسلمانوں نے جو موجود تھے؟ اس کا جواب

بحوالہ کتاب فرمائیں۔

۴۔ اگر یہ معجزہ تھا تو حضرت عائشہ رضؓ نے سوال کیوں کیا۔ اور اختلاف کیوں کیا؟

۵۔ اگر یہ معجزہ تھا تو فاروق اعظم رضؓ کے اظہار حیرت کے جواب میں حضورؐ فرما دیتے کہ آیت کا مطلب تو وہی ہے لیکن یہ کام میں بطور معجزہ کر رہا ہوں۔ لیکن حضورؐ نے تو ما انتم باسمع لما اقول منھم فرما دیا۔

معجزہ تو اس وقت دکھایا جاتا ہے۔ جب کفار کی طرف سے مسلسل انکار ہو۔ نبوت کے ثبوت کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اور معجزہ بطور سند ثبوت پیش ہوتا ہے۔ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ کفار موجود ہیں نبی کی نبوت پر ایمان لائیں اور عذاب سے بچ جائیں۔ مقتولین بدر کے خطاب میں ان باتوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں پائی جاتی۔ نہ کسی نے مطالبہ کیا نہ کفار مخاطبین اس حالت میں تھے کہ حضورؐ کا خطاب سن کر ایمان لا سکیں اور عذاب سے بچ سکیں۔ پھر اس کو معجزہ قرار دینا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

مرقاۃ ۸ : ۱۱ :-

وتارة جاءت تلك خصوصية له صلى الله عليه وسلم معجزة وزيادة حسرة على الكافرين - اقول و هذا قول قتادة الآتي و يرده ان الاختصاص لا يصح الا بدليل فهو مفقود هنا بل السوال والجواب ينافيانه

منکرین سماع کبھی یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ معجزہ کے طور پر حضورؐ کی خصوصیت تھی اور کافروں کے لیے حسرت کی زیادتی کا سبب میں کہتا ہوں اور یہ قتادہ کا قول ہے اور وہ اس کی تردید کرتا ہے۔ یہ تخصیص صحیح نہیں بغیر دلیل کے اور دلیل یہاں موجود نہیں۔ بلکہ آپس میں سوال و جواب

.. - قال المازری اخذ الاختصاص من ھذا القول وھو خلاف قول الجمھور

معجزہ ہونے کے منافی ہیں . . . .
علامہ مازری رح کہتے ہیں کہ اس قول سے اختصاص کا مفہوم لینا جمہور صحابہ کے قول کے مخالف ہے ۔

جمہور صحابہ کرام نے اس کو معجزہ پر محمول نہیں کیا ۔



آدابِ زیارت القبور

"جدید محققین" نے سماعِ موتٰی کے مسئلہ کی نئی تحقیق کے تحت زیارت قبور کے آداب بھی مقرر فرمائے ہیں۔ بالخصوص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت کے وہ آداب سکھائے ہیں کہ حضور کی تعظیم و تکریم "کمال درجے کی" ظاہر ہوتی۔

شفاء الصدور ص۱۱:-

ولقد السلف الصالح التوحید حموا جانبہ حتی کان احدھم اذا سلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم اراد الدعاء استقبل القبلۃ وجعل ظھرہ الی جدار القبر ثم دعا وقال سلمہ بن وردان رأیت انس بن مالک یسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یسند ظھرہ الی جدار القبر ثم یدعو و نص علی ذلک الائمۃ الاربعۃ الی ان قال فقول ابن الھمام مردود لیس کما ینبغی فافھم۔

سلف اہل توحید اور ان کے حامی تو یہاں تک کہتے ہیں۔ کہ جب کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہے پھر دعا کا ارادہ کرے تو قبلہ کی طرف منہ کر لے اور اپنی پیٹھ حضور کی قبر کی طرف کر لے پھر دعا کرے اور سلمہ بن وردان کہتے ہیں۔ کہ میں نے انس بن مالک کو دیکھا کہ نبیؐ کو سلام کر کے قبر کی دیوار کے ساتھ پیٹھ کر کے ٹیک لگا کر دعا کرتے تھے۔ اور ائمہ اربعہ نے اسے نص قرار دیا ہے۔ اس لیے ابن الہمام کا قول کہ یہ "مردود" ہے۔ نامناسب ہے۔ خوب سمجھ لو۔

مذکورہ عبارت میں زبان کی غلطیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے نفس مضمون کی طرف توجہ فرمائیے:-

۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور آپ سے عقیدت کے اظہار کا طریقہ یہ ہے۔ کہ قبر مبارک کی طرف پیٹھ کرے۔ گویا کمال توحید نام ہے توہین رسول کا۔ کیا کہنا اس توحید کا۔

سلف صالحین کے نزدیک نبیؐ اکرم کی قبر مبارک کی زیارت کا طریقہ

سلف صالحین کے ہاں زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ و آداب ملاحظہ ہوں:۔

مرقاۃ ۴ : ۱۱۵ :۔

واعلم ان زیارۃ المیت کزیارتہ فی حال حیاتہ یستقبلہ فی وجھہ فان کان فی الحیاۃ اذا زارہ یجلس منہ علی القرب فی حیاتہ فکذالک یجلس بقربہ اذا زارہ و ان کان یجلس منہ علی البعد لکونہ عظیم القدر فکذلک فی زیارتہ یقف او یجلس علی البعد منہ ہ

خوب سمجھ لو کہ میت کی زیارت کا طریقہ وہی ہے۔ جیسے زندگی میں اس کی ملاقات کی جاتی ہے کہ منہ اس کی طرف کرے جیسے زندگی میں ہوتا ہے۔ زندگی میں اس کی مجلس میں قرب کے اعتبار سے جتنے فاصلے پر بیٹھا کرتا تھا۔ اسی طرح زیارت قبر کے وقت بیٹھے۔ اگر زندگی میں اس کی عظمت کے اعتبار سے فاصلے پر بیٹھا کرتا تھا۔ اسی طرح زیارت قبر کے وقت بیٹھے یا کھڑا ہو۔

صاحب نسیم الریاض کے نزدیک آداب زیارت قبر النبی ؐ

ان حرمتہ صلی اللہ علیہ وسلم میتا کحرمتہ حیاہ

نسیم الریاض ص۳۹۸ ج۳

حضورؐ کا احترام اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اسی طرح کرنا ضروری ہے جیسا حضورؐ کی اس دنیوی زندگی میں واجب تھا۔

شفاء الصدور کی مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ اگر یہ توحیدی حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتے تو حضورؐ کی مجلس میں حضورؐ کی طرف، پیٹھ کر کے بیٹھتے ورنہ ان کی توحید کا آبگینہ پاش پاش ہو جاتا۔ نسیم الریاض کی اور مرقاۃ کی مذکورہ عبارتوں میں جو آداب سکھائے گئے ہیں۔ وہ تو گویا توحید کے بالکل منافی ہوئے۔ اور توحید کی خیریت اسی میں ہے۔ کہ رسول کی طرف رُخ بالکل نہ کیا جائے۔ واہ رے توحید! جس کے لیے لازمی شرط یہ ہے کہ رسول سے منہ موڑ لو جب تک رسول کی توہین نہ کر لو گے۔ توحیدی نہیں بن سکتے۔ خیر اس بغض رسول پر مبنی توحید سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

سلمہ بن وردان کا مقام

جس روایت پر اس عقیدہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ذرا اس کے راوی سلمہ بن وردان کا مقام سن لیجیے:۔

قال ابو حاتم لیس بالقوی عامۃ ما عندہ عن انس منکر ہ
وقال ابو داؤد ضعیف،

محدث ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں۔ حضرت انس سے جو کچھ وہ روایت کرتا ہے۔ وہ منکر ہے۔
ابو داؤد کہتے ہیں کہ ضعیف ہے اور

وقال ابن معين ليس بشئ
وقال احمد منكر الحديث
وقال معاويه بن صالح
عن يحيى ليس حديثه بذاك
وقال الحاكم رواياته
عن انس اكثرها مناكير و
صدق الحاكم ه
(ميزان الاعتدال ترجمہ سلمہ بن وردان)

محدث ابن معین کہتے ہیں کہ لیس بشی، ہے۔ امام احمد کہتے ہیں۔ منکر الحدیث ہے۔ اور معاویہ بن صالح یحییٰ کہتے ہیں۔ اس کی حدیث قابل سند نہیں اور حاکم کہتے ہیں کہ حضرت انس سے اس کی روایت اکثر منکر ہیں۔ اور سچ کہا ہے حاکم نے۔

منکرین سماع پر اظہار تعجب

تعجب ہے کہ سماع موتیٰ کی بحث چلے تو لوگ میزان الاعتدال سے سہارے تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔ مگر اپنی شہادت پیش کرتے وقت اپنے گواہ کے لیے میزان الاعتدال کو کھولنے کی توفیق نہ ہو۔ بہر حال اس بنیاد کو پہچان لینا چاہیئے حضرت انس ایسے توحیدی نہ تھے کہ توہین رسول کے بغیر ان کی توحید محفوظ نہ رہ سکتی ہو۔ ان کی مشہور روایت قاضی عیاض اور ملا علی القاری نے نقل کی ہے۔

حضرت انس رض کی مشہور روایت قاضی عیاض اور ملا علی قاری کی زبانی

قال بعضهم رايت انس بن
مالك اتى قبر النبی فوقف
اى بين يديه فرفع يديه
(نسیم الریاض ۳ : ۵۱)

بعض نے کہا کہ میں نے انس بن مالک کو دیکھا۔ حضور کی قبر مبارک کے پاس آئے اس کے سامنے کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

ائمہ اربعہ کا عقیدہ و مذہب

اب ائمہ اربعہ کا عقیدہ اور مذہب ملاحظہ ہو :-

نسیم الریاض ۳ : ۵۱۷ :-

واستقبال وجهه صلى الله عليه وسلم واستدبار القبلة مذهب الشافعي والجمهور ونقل عن ابي حنيفة وقال ابن الهمام ما نقل عن ابي حنيفة انه يستقبل القبلة مردود لما روى عن ابن عمران من السنة ان يستقبل القبر المكرم ويجعل ظهره للقبلة وهو الصحيح من مذهب ابي حنيفة وقول الكرماني ان مذهبه بخلافه ليس بشيء لانه صلى الله عليه وسلم حيي في قبره يعلم بزائره ومن يأتيه في حياته انما توجه اليه ٥

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے وقت منہ قبر مبارک کی طرف کرنا اور پیٹھ قبلے کی طرف کرنا امام شافعی کا اور جمہور کا مذہب ہے۔ اور امام اعظم سے یہی منقول ہے۔ ابن الہمام نے کہا جو امام صاحب سے منقول ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا اور قبر مبارک کی طرف پیٹھ کرنا مردود مذہب ہے۔ جیسا کہ ابن عمر رضؓ نے فرمایا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ قبر مبارک کی طرف منہ کر کے قبلہ کی طرف پیٹھ کرے۔ امام صاحب کے مذہب میں یہی صحیح ہے۔ کرمانی کا قول کہ امام صاحب کا مذہب اس کے خلاف ہے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ حضورؐ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں زائر کو جانتے ہیں۔ اور جو شخص حضورؐ کی دنیوی زندگی میں حضورؐ کے پاس آتا حضورؐ کی طرف منہ کرتا۔

امام ابو حنیفہ رح کا صحیح مذہب یہی ہے کہ پشت قبلہ کی طرف ہو اور رخ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو۔ اور یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔

اور طحطاوی معہ مراقی الفلاح صہ ۴۳۳:۔

ثم تحفض متوجها الی القبر الشریف فتقف بمقدار اربعة اذرع بعیدا عن المقصورة الشریفة بنایة الادب مستدبر للقبلة۔ قولہ مستدبر القبلة ای کما ھو السنة فی زیارة الاموات ۔

پھر قبر شریف کی طرف متوجہ ہو کر روضہ اطہر سے چار ہاتھ کے فاصلے پر کھڑا ہو نہایت ادب سے کھڑا ہو۔ قبلہ کیطرف پیٹھ کرے (مراقی الفلاح کا قول) مستدبر القبلہ یعنی جیسا کہ میت کی زیارت کا مسنون طریقہ ہے۔

امام اعظم کی طرف منسوب شدہ مذہب کی تحقیق

امام ابو حنیفہ رح کی طرف جس بناء پر یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ آپ قبر کی طرف پشت کر کے سلام و دعا کرنے کے قائل تھے اس کی حقیقت بھی ملاحظہ فرمائیں۔

شفاء السقام صہ ۱۵۳:۔

ذکرہ ابو اللیث السمرقندی فی الفتاوی عطفا علی حکایة حکاھا الحسن بن زیاد عن ابی حنیفة فقال السروجی حنفی یقف عندنا مستقبل القبلة قال الکرمانی الخ ۔

ابو اللیث سمرقندی نے اپنے فتاوی میں امام صاحب سے حسن بن زیاد کی ایک حکایت پر اعتماد کر کے ذکر کیا ہے اور السروجی حنفی نے کہا کہ زیارت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور کرمانی نے بھی یہی کہا۔

اس حکایت پر عقیدہ کا مدار رکھنے سے پہلے راوی کو دیکھیے حسن بن زیاد ہے۔ جس کے متعلق خود صاحب شفاء الصدور صہ ۹۹ پر لکھ چکے ہیں۔ کہ وہ کذاب

ہے۔کیا کہنا اس بنیاد کے استحکام کا جسے خود کذاب کہہ رہے ہیں بس اسی کی حکایت پر امام صاحب کے مذہب کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ ابو اللیث سمرقندی نے یہ حکایت کی اور کرمانی اور سروجی تو ان کے تابع ہیں۔

المسلك المقسط... صـ۳۴۱

ذکر بعض مشائخنا کابی اللیث ومن تبعه کالکرمانی والسروجی انه یقف الزائر مستقبل القبلة کذا رواه الحسن عن ابی حنیفة۔

ہمارے مشائخ میں سے بعض مثلاً ابو اللیث سمرقندی اور ان کے اتباع کرمانی اور سروجی نے ذکر کیا کہ زائر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اس طرح حسن نے ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے۔

اس پر ملا علی قاری نے فرمایا:۔

قال ابن الهمام وما عن ابی اللیث من ان الزائر یقف مستقبل القبلة مردود بما روی ابو حنیفة عن ابن عمر انه قال من ان تاتی قبر رسول الله صلی الله علیه وسلم فتستقبل القبره

ابن الہمام کہتے ہیں کہ ابو اللیث کا قول کہ زائر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو مردود ہے۔ کیونکہ امام صاحب نے ابن عمر رض سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے کہ اگر قبر رسول کی زیارت کو آئے تو قبر کی طرف منہ کرے یہ پوری روایت مسند امام اعظم میں یوں ہے۔

مسند امام اعظم صـ۲۷:

عن نافع عن ابن عمر قال من السنة ان تاتی قبر النبی صلی الله علیه وسلم من قبل القبلة وتجعل ظهرك

نافع ابن عمر رض سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے تھے کہ سنت طریقہ یہ ہے قبر مبارک کی زیارت کے لیے کہ قبلہ کی طرف سے آئے اور اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف

الی القبلة وتستقبل القبر بوجهك ثم تقول السلام علیك یا رسول اللہ ٥

اور منہ قبر مبارک کی طرف کرے پھر کہے السلام علیك یا رسول اللہ ٥

فتح القدیر میں ابو اللیث کرمانی اور سروجی کی تردید موجود ہے۔

ابو اللیث کرمانی اور سروجی کی تردید صاحب فتح القدیر کی زبانی :-

روینا عن الامام ابن المبارك قال سمعت ابا حنیفة یقول قدم ابو ایوب السختیانی و انا بالمدینة فقلت لانظرن ما یصنع فجعل ظهره مما یلی القبلة ووجهه مما یلی وجه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبکی غیر متباك فقام مقام الفقیه وفیه تنبیه علی ان هذا هو مختار الامام بعد ما كان مترددا ٥ (المسلك المتقسط ص۳۴۱)

امام عبداللہ بن مبارک نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے سنا وہ فرماتے تھے ابو ایوب سختیانی آئے اور میں مدینہ میں تھا۔ میں نے کہا آج میں ضرور دیکھوں گا کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے پیٹھ قبلہ کی طرف کی اور منہ حضورؐ کے چہرہ مبارک کے مقابل کیا پھر سلام کہا اور بے اختیار رو دیئے اور بڑے فقیہہ کی طرح قیام کیا۔ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس میں تنبیہہ ہے کہ امام صاحب کا مذہب مختار یہی ہے۔ اس سے پہلے انھیں تردد تھا۔

ملا علی القاری نے وضاحت فرمادی کہ اس سے پہلے حضرت امام مترددتھے مگر اس کے بعد تردد نہ رہا۔ اور امام صاحب کا مذہب مختار وہی ہے جو امام صاحب سے حضرت ابن عمر سے منقول ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب

باقی ائمہ کرام کا بھی یہی مذہب ہے :۔

نسیم الریاض ۳ : ۳۹۸

فان مذهب مالك واحمد والشافعي رضي الله تعالى عنهم استحباب استقبال القبر الشريف في السلام والدعاء وهو مسطور في كتبهم ہ

امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کا مذہب یہی ہے کہ مستحب یہ ہے۔ کہ سلام اور دعا کے وقت منہ قبر شریف کی طرف کرے۔ یہی مذہب ان کی کتابوں میں مرقوم ہے۔

اور شفاء السقام صہ ۱۵۳ :۔

بل مقتضى كلام اكثر العلماء من الشافعية والمالكية والحنابلة الاستقبال عند السلام والدعاء ہ

اکثر شافعی، مالکی اور حنبلی علماء کے کلام کا اقتضاء یہ ہے کہ سلام اور دعا کے وقت قبر مبارک کی طرف منہ کیا جائے۔

اور شفاء السقام صہ ۱۵۹ :۔

عن مالك بن انس الامام رحمة الله عليه انه قال اذا اراد الرجل ان ياتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم فيستدبر القبلة ويستقبل النبي صلى الله عليه وسلم ہ

امام مالک نے فرمایا کہ جب آدمی حضور کی قبر مبارک کی زیارت کا ارادہ کرے تو پیٹھ قبلہ کی طرف کرے اور منہ قبر مبارک کی طرف کرے۔

ائمہ اربعہ کا مذہب مختار تو یہ ہے جو مندرجہ بالا حوالہ جات میں پیش کر دیا گیا مگر صاحب شفاء الصدور کس وثوق سے فرما گئے ہیں ائمہ اربعہ کا مذہب

یہ تھا کہ پشت قبر کی طرف ہو۔ جب صحابہ کرام اور محدثین کا مذہب یہی تھا تو مجتہدین کرام بھلا کوئی نئی راہ نکال سکتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔

حاشیہ نسائی ۱ : ۲۸۶ :-

وآداب الزیارۃ ان یقوم مستقبل القبر ومستدبر القبلۃ هذه الوجه ه

زیارت قبر کے آداب یہ ہیں کہ آدمی قبر کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرے۔

اس مسئلہ کی اشعۃ اللمعات اور کتاب الاذکار سے تائید

واز جملہ آداب زیارت است کہ رُو بجانب قبر و پشت بجانب قبلہ مقابل روئے میت باید وسلام دہد۔

زیارت قبور کے آداب میں سے ہے کہ آدمی قبر کی طرف منہ کرے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو اور سلام کہے۔

کتاب الاذکار امام نووی ص۱۸۴

وقد قدمناہ فی اول الکتاب فاذا صلی تحیۃ المسجد اتی القبر الکریم فاستقبلہ واستدبر القبلۃ ہ

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب تحیۃ المسجد پڑھ چکے تو قبر مکرم کے پاس آئے اس کی طرف منہ کرے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرے۔

قبر کی طرف پشت کرنا اور کعبہ کی طرف رخ کرنا ان حضرات کے نزدیک آداب، زیارت قبر میں شامل ہے۔ اس کی وجہ کوئی نقلی دلیل تو ہے نہیں جیسا کہ واضح ہو چکا ہے البتہ اس کی وجہ ان کا اپنا "جذبہ توحید" ہے چنانچہ "تعلیم القرآن" میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مشابہ بالشرک ہے۔

یہ دعویٰ بھی ان کے دوسرے دعاوی کی طرح بلا دلیل ہے۔ بلکہ خلاف حقیقت ہے۔ ایک مومن کا یقین کامل یہ ہونا چاہیئے اور ہوتا ہے کہ توحید اور شرک کی حقیقت

جس قدر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھی کسی اور شخص کو اس قدر معلوم ہونا ممکن ہی نہیں اور شرک سے اور شبہ شرک سے اجتناب جس قدر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے بھلا اور کون کرے گا۔ اب حضور کے عمل سے یہ معلوم کر لینا چاہیئے کہ کیا قبر کے پاس ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا شبہ شرک میں داخل ہے۔ اگر ایسا ہے تو :-

قبر پر ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا حضور سے عملاً ثابت ہے

مسلم ۱ : ۳۱۳ پر ہے طوالانی حدیث میں حضرت عائشہ رض کی روایت کا متعلقہ حصہ :-

حتی جاء البقیع فقام فاطال القیام ثم رفع یدیہ ثلاث مرات ہ	حتی کہ حضورؐ بقیع میں آئے دیر تک قیام فرمایا پھر تین بار دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے

اور نسائی صد ۲۸۶ پر یہی حدیث منقول ہے اور امام نووی نے اس کے متعلق فرمایا۔

فیہ استحباب اطالۃ الدعاء و تکریرہ و رفع الیدین فیہ ہ	مستحب یہ ہے کہ دعا لمبی کی جائے۔ مکرر کی جائے اور ہاتھ اٹھا کر کی جائے ،

حضرات غور فرمایئں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کو توحید مشابہ بالشرک قرار دے تو اس توحید کو کوئی صاحب ایمان کیونکر قبول کرے۔ کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ نبی جو توحید سکھانے آیا ہو وہ خود ایسا عمل کرے جو منافی توحید ہو۔

مولانا عبدالحی لکھنوئی نے السعی المشکور میں فرمایا۔ صد ۵۸ :-

الا تری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما خرج فی لیلۃ عائشۃ الی البقیع	کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضورؐ جس رات حضرت عائشہ رض کے ہاں تھے۔ تو آپ جنت البقیع میں گئے طویل قیام

واطال القیام ثم رفع یدیه ثلاث مرات ۔ | کیا پھر تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

رہا یہ سوال کہ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ قبر کو قبلہ دعا بنایا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سمجھنا غلط ہے۔ اس لیے کہ دعا کا قبلہ تو آسمان ہے۔ نہ کعبہ ہے نہ قبر ہے۔ امام غزالیؒ نے الاقتصاد فی الاعتقاد میں فرمایا :۔

فکذلک السماء قبلۃ الدعاء کما ان البیت قبلۃ الصلوٰۃ | جس طرح نماز کا قبلہ بیت اللہ ہے۔ اسی طرح دعا کا قبلہ آسمان ہے۔

پھر فرمایا :۔

ثم فی الاشارۃ بالدعاء الی السماء سر لطیف ۔ | دعا میں آسمان کی طرف اشارہ کرنے میں لطیف راز ہے۔

حجۃ الاسلام کے اس قول سے ہٹ کر عقلی طور پر بھی سوچا جائے تو یہ کہنا پڑے گا۔ کہ خدا جانے وہ کون سے ایسے برگزیدہ اور مقدس لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو حقیقت اپنے نبی سے مخفی رکھی اور وہ ان پر منکشف فرما دی۔

آخر میں المہند کی ایک عبارت پیش کی جاتی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ بعض لوگ جس طرح اہلسنت ہیں اسی طرح کے فقہی مکتب فکر کے لحاظ سے دیوبندی بھی ہیں۔ سوال سادس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ :۔

لکن المختار ان یستقبل وقت الزیارۃ مما یلی وجھہ الشریف صلی اللہ علیہ وسلم عندنا وعلیہ عملنا وعمل مشائخنا وھکذا الحکم فی الدعاء ۔ | لیکن مذہب مختار یہ ہے کہ زیارت کے وقت منہ قبر کی طرف ہو۔ ہمارے نزدیک یہی مذہب مفتی بہ ہے۔ اسی پر ہمارا اور ہمارے مشائخ کا عمل ہے اور دعا میں بھی یہی حکم ہے۔

گویا جدید محققین کے نزدیک اہلسنت وہ ہے جو متقدمین و متاخرین اہلسنت کی مخالفت کرے۔ اسی طرح دیوبندی مسلک کا تبع وہ ہے۔۔ جو مشائخ دیوبند کے عقائد اور عمل کی مخالفت کرے۔

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا ٥



سماعِ موتیٰ کے متعلق قرآن مجید کی چند آیات کی وضاحت

مولوی غلام اللہ خاں صاحب نے جواہر القرآن میں فرمایا :-

۱- فانك لاتسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین وما انت بهادی العمی عن ضللتهم ان تسمع الامن یؤمن بایاتنا فهم مسلمون ۝

بیشک تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتا ہے جب وہ پیٹھ پھیر کر جائیں اور تم اندھوں کو ان کے الٹے راستے سے سیدھے پر نہیں لا سکتے تم بس انہیں لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی ماننے والے ہیں۔

۲- وما انت بمسمع من فی القبور ۝

اور تو اہل قبور کو سنانے والا نہیں۔

۳- انك لاتسمع الموتی الخ

تو مردوں کو نہیں سنا سکتا۔

"نفی سماع موتیٰ پر قرآن مجید کی یہ تین آئیتیں دلیل حجت ہیں۔ ان آیتوں کو وقتاً فوقتاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک نفی سماع پر بطور دلیل و برہان پیش کیا جاتا ہے۔"

ان آیات کی صحیح تفسیر پیش کرنے سے پہلے یہ وضاحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "شیخ القرآن" کے نزدیک۔

۱- قرآن مجید میں صرف یہ تین آئیتیں نفی سماع پر دلیل حجت ہیں اور کوئی آیت نہیں۔

۲۔ ان آیات کو نفی سماع پر بطور دلیل صحابہ کرام سے آج تک پیش کیا جاتا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ نفی سماع کے حق میں ان آیات کے علاوہ دوسری آیات کا سہارا لیتے ہیں وہ ان کی ذاتی رائے ہے۔ اور چونکہ وہ چودہ سو سال کے دوران دلیل کے طور پر کبھی پیش نہیں کی گئیں لہٰذا ان مجتہدین کا قول مردود ہے۔

اِن آیات کی تفسیر

اب ان آیات کی تفسیر ملاحظہ ہو:۔

(۱) تفسیر مظہری ۷ : ۱۳۰ :۔

انک لا تسمع الموتٰی ای الکفار شبھھم بالموتٰی لعدم الانتفاع لھم بسماع ما یتلی علیھم ان تسمع یعنی لا تسمع ولا ینفع اسماعک القراٰن احدا الا من یؤمن باٰیتنا من قدرنا ایمانہ،

آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی کافروں کو۔ ان کو مردوں سے تشبیہ دی کہ جو کچھ انہیں پڑھ کر سنایا جائے اسے سن کر نفع نہیں حاصل کر سکتے۔ ان تسمع یعنی آپ نہیں سنا سکتے اور آپ کے قرآن سنانے کا فائدہ صرف وہی اٹھا سکتا ہے۔ جسے ہماری آیات پر ایمان ہو۔ یعنی جس کے لیے ہم نے ایمان لانا مقدر کر دیا ہو۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

او انک لا تسمع الموتٰی سماعا تترتب علیہ الفائدۃ

اور آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ ایسا سنانا جس پر کوئی فائدہ مترتب ہو۔

۲۔ صاحب ابن کثیر کی زبانی

ابن کثیر ۳ : ۳۷۴

انک لا تسمع الموتی ای لا تسمعھم شیئاً ینفعھم فکذلک ھؤلاء علی قلوبھم غشاوۃ وفی اذانھم وقرا لکفرہ

آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی کوئی چیز نہیں سنا سکتے جو انہیں نفع دے سکے پس اس طریقہ سے یہ کفار بھی ایسے ہیں کہ ان کے دلوں پر پردہ ہے۔ اور اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔

۳۔ صاحب روح المعانی کی زبانی

روح المعانی ۲۳ : ۵۰

وقال بعض الاجلۃ ان معنا ھا لا تسمع الا ان یشاء اللہ تعالیٰ اولا تسمع سماعا ینفعھم وقد ینفی الشیٔ لانتفاء فائدۃ وثمرتہ ھما فی قولہ تعالیٰ ولقد ذرانا لجھنم کثیر امن الجن والانس الخ ہ

اور بعض جلیل القدر علماء نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں آپ نہیں سنا سکتے ہاں جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ یا آپ ایسا نہیں سنا سکتے۔ جو انہیں نفع پہنچائے اور کبھی ایسی چیز کی نفی اس کے عدم فائدہ کی وجہ سے کی جاتی ہے جیسا قرآن مجید میں ہے ولقد ذرءنا لجھنم الخ

۴۔ صاحب فتح الباری کی زبانی

فتح الباری ۳ : ۱۵۲

واما استدلالھا ای عائشۃ بقولہ تعالیٰ انک لا تسمع الموتی

اور حضرت عائشہ کی دلیل انک لا تسمع الموتیٰ کے متعلق علماء نے کہا اس کا

فقالوا معناها لاتسمع سماعا ينفعهم ولاتسمعهم الا ان یشاء اللہ تعالیٰ ۔

معنی آپ ایسا نہیں سنا سکتے ۔ کہ انہیں کچھ نفع ہو یا آپ نہیں سنا سکتے ہاں اللہ چاہے تو ۔

۵ ۔ صاحب اشعۃ اللمعات کی زبانی

اشعۃ اللمعات ۳ : ۴۰۰

ومراد سماع عدم اجابت است حق را دلیل آنکہ ایں دو آیت نازل شدہ در دعوت کفار بایمان وعدم اجابت ایشاں مرحق را ۔

سماع سے مراد یہ کہ حق کو قبول نہیں کر سکتے اس کی دلیل یہ ہے کہ دو آیتیں کفار کو ایمان کی دعوت دینے میں نازل ہوئی ہیں اور اس امر کی نشاندہی ہیں کہ انہوں نے حق کو قبول نہ کیا ۔

اشعۃ اللمعات ۳ : ۴۰۰

ونیز گفتہ اند کہ مراد بموتی ۔ موتی القلوب اند وقبور اجساد ایشاں کہ در وے دلہائے مردہ افتاد است ۔

علماء نے کہا ہے کہ موتیٰ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں اور ان کے جسم گویا ان کی روحوں کی قبریں ہیں اور ان قبروں میں ان کے مردہ دل پڑے ہوئے ہیں ۔

صاحب فتح الباری کی رائے گرامی

فتح الباری ۷ : ۲۱۵

والمراد بالموتی وبمن فی القبور الکفار شبھوا بالموتٰی وھم احیاء والمعنی

موتیٰ اور من فی القبور سے مراد کفار ہیں ۔ انہیں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ۔ حالانکہ وہ زندہ ہیں مطلب

ھم فی حال الموتٰی او حال من سکن القبر و علی ھذا لا یبقی فی الایۃ دلیل علی ما نفتہ عائشۃ ہ

یہ ہوا کہ ان کا حال مردوں کا سا ہے۔ جو قبر میں پڑا ہو۔ مزید برآں آیت میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں جس کی حضرت عائشہ نے نفی کی ہے۔

علامہ خازن کی تفسیر

خازن :-

انک لاتسمع الموتٰی یعنی موتٰی القلوب وھم الکفار

آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ یعنی ان کو جن کے دل مر چکے ہیں اور وہ کفار ہیں۔

صاحب معالم التنزیل کی تفسیر

معالم التنزیل :-

انک لاتسمع الموتٰی یعنی، الکفار ہ

آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی کفار کو۔

علامّہ خازن کی تفسیر

خازن :-

وما انت بمسمع من فی القبور یعنی الکفار شبھھم بالاموات فی القبور حین لا یجیبون ہ

من فی القبور، یعنی کفار۔ ان کو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو قبروں میں پڑے ہیں۔ وہ قبول نہیں کرتے۔

صاحب شرح وقایہ کا فیصلہ

حاشیہ شرح وقایہ ۲:۲۵۲ :-

ان الصحیح ان المراد بالموتٰی

درست بات یہ ہے کہ اس جگہ موتٰی سے

هنالک موتی القلوب وهم الکفار لا الاموات العرفیہ

مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل مر چکے ہیں اور وہ کفار ہیں۔ وہ مردے مراد نہیں جو عرف عام میں ہوتے ہیں۔

قرآن اور حدیث میں تعارض

الحاوی للفتاوی ۲ : ۳۱۰

سوال :۔ فیما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کلم لاھل بدر وقد رُدوا الی القلیب وقیل کلمت موتی لاسماع لھم فقال لستم باسمع جاء فی الکتب وقال لاتسمع الموتیٰ وذا معارض للذی قلناہ فی الرتب ۔

حضور اکرمؐ سے روایت کی گئی ہے کہ جب مقتولین بدر سے حضورؐ نے کلام کی تو کہا گیا کہ آپ مردوں سے کلام فرما رہے ہیں جو سن نہیں سکتے تو حضورؐ نے فرمایا تم ان سے اچھا نہیں سنتے ایسا ہی کتابوں میں آچکا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا۔ اور یہ حدیث اور قرآن میں تعارض ہے۔

جواب :۔ سماع موتی کلام الخلق معتقد جاءت بہ عندنا الاثار فی الکتب وآیۃ النفی معناھا سماع ھدی لایقبلون ولا یصغون لادب فالنفی جاء علی معنی المجاز فخذ واجمع بین ذا مع ھذہ لتصب ۔

جواب :۔ میت کا زندہ آدمی کی کلام سننا یہ عقیدہ چلا آتا ہے اہل سنت کا اور آثار صحابہ میں یہ بات آچکی ہے۔ اور سماع کی نفی کی آیت کا مطلب نفی ہدایت کی ہے۔ کہ وہ نہ کان دھرتے ہیں نہ حق کو قبول کرتے ہیں۔ اور نفی مجازی معنوں میں ہے۔ اس لیے قرآن و حدیث میں تعارض نہیں بلکہ تطابق ہے اس پر جما رہ ہدایت پائے گا۔

آیات کی تفسیر کا خلاصہ

ان آیات کی تفسیر مفسرین، محدثین اور فقہاء نے جو بیان کی اور جو سمجھی اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ موتیٰ سے مراد کفار ہیں۔ اور موت سے مراد دل کی موت ہے۔ موت عرفی نہیں:۔

۲۔ سماع سے مراد سماع نافع ہے۔ سماع مطلق نہیں۔ آیت میں اطلاق مطلق علی المقید ہے۔

۳۔ یہ آیتیں کفار کو دعوت ایمان دینے اور ان کے حق کو قبول نہ کرنے کے سلسلے میں نازل ہوئیں۔

۴۔ دعوت ایمان زندوں کو دی جاتی ہے انبیاء مردوں کو دعوت ایمان نہیں دیا کرتے ان آیتوں میں قرینے بھی موجود ہیں:۔

(۱) ان تسمع الامن یؤمن باٰیٰتنا (ب) ان انت الا نذیر ہ

آیت (۱) پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقابل موت اور حیات کا ہے۔ اسلام اور موت کا نہیں یعنی آپ کی تبلیغ مومن سنتا ہے کافر نہیں سنتا۔ ان دو آیات کے علاوہ قرآن کی کئی آیات میں یہ قرینہ موجود ہے مثلاً وذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین تبلیغ کا نفع مومن کو ہوتا ہے۔ ضدی اور عنادی کافر کو تبلیغ نافع نہیں۔ یا فاعرض اکثرھم وھم لا یسمعون اعراض کی وجہ سے عدم سماع قبولیت کا بیان ہے یا وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر یعنی کفار بالکل بہرے اور کور نہیں تھے۔ بلکہ سن کر قبول نہ کرنا نہ سننے کے برابر ہوا اور فہم سلیم سے کام نہ لینا عدم عقل کے مترادف ہوا۔

کفار پر لفظ موتی کے اطلاق کی شہادت قرآن مجید کی زبانی

اب رہی یہ بحث کہ کفار پر موتیٰ کے لفظ کا اطلاق کیوں کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں کفار کے لیے یہ لفظ متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے مثلاً

١۔ اومن کان میتاً فاحیینٰہ وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی الناس ۔	بھلا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے اسے روشنی دی کہ اسے لوگوں میں لیے پھرتا ہے۔

جس طرح قوت نامیہ کے فقدان کی وجہ سے قرآن مجید زمین کو مردہ کہتا، ہے اسی طرح فقدان نور معرفت کی وجہ سے کفار کو مردہ کہتا ہے۔

٢۔ لینذر من کان حیا ویحق القول علی الکافرین ۔	تاکہ جو زندہ ہے اسے ڈرائے اور کافروں پر الزام ثابت ہو جائے۔

حیّ کے مقابل میت ہے اور یہاں کافرین کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی کافر بمنزلہ مردہ کے ہیں۔

٣۔ ولقد ذرانا لجہنم کثیرا من الجن والانس لہم قلوب لا یفقہون بہا ولہم اعین لایبصرون بہا ولہم اذان لایسمعون بہا اولئک کالانعام بل ہم اضل اولئک ہم الغافلون ۔	اور ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جن اور آدمی پیدا کیے ہیں۔ ان کے دل ہیں کہ سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی گمراہی میں زیادہ ہیں یہی لوگ غافل ہیں۔

اس آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو آلات جس جس کام کے لیے دیئے ہیں اگر انسان ان کو ان کاموں میں استعمال نہیں کرتا تو ان آلات کو

کالعدم قرار دے کر ان کی نفی کی جاتی ہے۔

۴۔ ام تحسب ان اکثرھم یسمعون او یعقلون ان ھم الا کالانعام بل ھم اضل سبیلا ہ	یا تو خیال کرتا ہے کہ اکثر ان میں سے سنتے یا سمجھتے ہیں یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ، گمراہ ہیں۔

اس حقیقت کو جواہر القرآن ا : ۲۵ پر تسلیم کیا گیا ہے کہ کفر موت ہے اس واسطے کفار کو مردہ کہا جاتا ہے۔

جعلھم اصابعھم فی اذانھم لئلا سمعوا القرآن فیؤمنوا

بہ ذو بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم وذالک عندھم کفر و

الکفر موت ہ

مولوی غلام اللہ خاں صاحب نے یہ عبارت بحوالہ قرطبی نقل فرمائی ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید میں موتیٰ سے مراد کفار ہیں جو زندہ ہیں اور موتۃ القلوب ہیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ نفی سماع سے سماع نافع مراد ہے لہذا ان آیات کو عدم سماع پر دلیل لانا بے محل ہے۔

علم معانی کے اعتبار سے اس موضوع پر بحث

علم معانی کے اعتبار سے اس موضوع پر بحث کی جاتی ہے۔ مگر اس میں بھی غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس لیے اس پہلو کو زیر بحث لانا، بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

قول فیصل

کفار کو میت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ وجہ شبہ کیا ہے؟ منکرین سماع فرماتے ہیں کہ وجہ شبہ عدم سماع ہے۔ مگر یہی وہ مغالطہ ہے

جو حقیقت کے قریب آنے نہیں دیتا۔ بات یہ ہے کہ وجہ شبہ اتفاقی چاہیئے۔ اختلافی نہیں۔ اور مشبہ اور مشبہ بہ ایک وصف میں مشترک ہوں۔ اگر عدم سماع کو وجہ شبہ قرار دیا جائے تو یہ غلط ہے۔ وصف دونوں میں مشترک نہیں ہے۔ کیونکہ کافر بہرے تو نہیں ہوتے اس لیے سنتے ہیں تو عدم سماع وجہ شبہ نہیں بن سکتی۔ ہاں عدم اجابت اور عدم انتفاع وصف مشترک ہے۔ اور یہی وجہ شبہ ہے۔

پھر کہا جاتا ہے کہ وجہ شبہ مشبہ بہ میں حقیقت ہوتی ہے۔ درست! مگر عدم انتفاع میت میں حقیقت ہے میت کو تبلیغ کا کوئی نفع نہیں ہوتا۔

اس لیے ثابت ہوا کہ وجہ شبہ عدم انتفاع اور عدم اجابت ہے۔ پس یہ آیات عدم سماع کی دلیل میں پیش کرنا قرآن مجید کے مدلول، مفسرین کی وضاحت محدثین کے بیان اور فقہا کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔



چند مزید آیات قرآنی پر تفصیلی بحث

"شیخ القرآن" نے اپنی نادر تصنیف جواہر القرآن میں تین آیتوں کا ذکر کیا ہے جو نفی سماع موتیٰ پر دلیل وحجت ہیں۔ مگر اس فن کے دیگر "شیوخ" عدم سماع کے حق میں کچھ اور آیات کی معنوی تحریف کر کے دلیل وحجت کے طور پر پیش کرتے ہیں لہٰذا ان آیات کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(1) وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ○

(2) وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ○

(3) يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○

(4) يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ○

(5) وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○

(6) اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ○

(7) اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ ○

(8) وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ۔

ان آیات کی صحیح تفسیر اور مسلمہ مفہوم معلوم کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ کفار و مشرکین عرب کا برزخ اور حشر کے متعلق عقیدہ معلوم کر لیا جائے کیونکہ یہ بات آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے میں مدد دے گی۔

۱۔ مشرکین عرب موت کو عدمی چیز سمجھتے تھے۔ اور یہ کہ جس چیز کو موت مس کرتی ہے۔ اسے معدوم کر دیتی ہے۔ اور اعادہ معدوم محال ہے۔

۲۔ وہ حیات برزخ کے منکر تھے۔

۳۔ وہ انبیاء کی نبوت کے منکر تھے۔ لہٰذا کسی ولی اللہ کی قبر پر جانا اور صاحب قبر سے استمداد کرنا ان کے بنیادی عقیدہ کی عین ضد تھی۔ اس لیے اس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قبر پرست تھے یا اہل قبور سے مدد مانگتے تھے۔ یا ان کی عبادت کرتے تھے۔ معدوم کی عبادت کرنا کون ذی ہوش قبول کر سکتا ہے۔

۴۔ اگر وہ لوگ کسی ولی اللہ کی قبر پر جا کر استمداد کرتے تھے تو اس کا ثبوت پیش کیا جائے یا ان اولیاء اللہ کے نام بتائے جائیں۔ ہاں یہ خیال رہے کہ اس سلسلے میں اصحاب کہف کا نام پیش کرنا درست نہیں کیونکہ وہ لوگ اصحاب کہف کی قبروں پر جا ہی نہیں سکتے تھے لہٰذا ان کی پوجا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۵۔ وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ان بتوں کو انبیاء یا کسی اور مخلوق کی طرف نسبت کر دیں — تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بتوں کی عبادت کے وقت ان کا خیال تو اس ہستی کی طرف ہوتا تھا۔ جس سے وہ بت منسوب ہوتا اس لیے جن کے وہ بت ہوتے ان سے حاجتیں مانگتے تھے۔ اور ان کے سننے کی نفی ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ بت ملائکہ سے منسوب ہوں۔ تو ظاہر ہے کہ وہ تو زندہ ہیں ان کے سماع میں تنازعہ ہی نہیں۔ اگر شیاطین اور جنات کے بُت ہیں تو وہ بھی زندہ ہیں۔ اگر حضرت عیسٰیؑ کے بت ہیں تو وہ بھی زندہ ہیں۔ اور بحث تو سماع موتٰی میں ہے۔ زندوں کے سماع میں تو بحث ہی نہیں۔ رہا سوال اہل قبور کا تو وہ ان کے عقیدے کے مطابق معدوم ہو چکے۔ جب وہ حیات برزخ کے قائل نہیں تھے تو سماع موتٰی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا عقیدہ بالکل بندیالوی نیلوی اور خارجی عقیدہ سے ملتا جلتا تھا۔ جیسا کہ نیلوی صاحب نے ندائے حق ص۱۰۷ پر فرما دیا کہ برزخ میں روح بھی نہیں سنتا بدن کا تو قصّہ ہی چھوڑو۔ روح بھی نہیں سنتا اور سماع روح کا انکار واجب ہے مگر ص۹۵ پر لکھ آئے ہیں کہ اسماع موتٰی ثابت ہے جو اس کا منکر ہے۔ وہ کافر ہے۔ یعنی مردے کو سنانا ثابت ہے۔ مگر مردے کا سن لینا ثابت نہیں۔ تو پھر وہ سنانا کس لئے ہے۔ عجیب منطق ہے کہ سنانے کا انکار کفر اور سننے کا اقرار کفر اب ہم آیات بالا کا صحیح مفہوم پیش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں متقدمین، مفسرین اور محدثین فقہا اور علماء کا حاصل تحقیق بیان ہوگا اور یہاں یہ حال ہے کہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب سے کسی نے کہا کہ سماع موتٰی پر کتاب لکھیں آپ نے فرمایا کہ جن "شیوخ" کو تم بات سمجھانا چاہتے ہو وہ تو بدر الدین عینی شیخ ابن الہمام، علامہ آلوسی، علامہ شامی، حافظ ابن کثیر، علامہ ابن حجر عسقلانی ملا علی القاری اور علامہ ابن حجر مکی جیسے لوگوں کو بھی پلے نہیں باندھتے اور جمہور کو زنبور کہتے ہیں میں بھلا کس شمار میں ہوں کہ میری بات پر کان دھریں گے۔ مگر ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ طالب حق ہیں ان کے سامنے حق واضح ہو جائے اور طالب ہدایت میں ان کے لیے رہنمائی کا سامان مہیا کر دیں۔ ورنہ "شیوخ" تو اس راستے میں جہاں تک پہنچ چکے ہیں۔ وہاں سے پلٹنا محال ہے۔ صرف امید کی ایک کرن نظر آتی ہے کہ اللہ قادر ہے۔

آیت ۱ :۔ والذین یدعون الخ ہ

اس میں سماع و عدم سماع کا اشارہ تک نہیں ہے۔ یہاں صرف خالقیت غیر کی نفی ہے ۔ ومایشعرون الخ میں نفی علم قیامت کی ہے۔ اور علم قیامت کے بھی دو حصے ہیں ایک علم بالوقوع دوسرا علم بوقت الوقوع۔ یہاں نفی ہو رہی ہے علم بوقت الوقوع کی۔ اس کی نفی سے سماع کی نفی کیسے ہوگئی۔ یہ تو وہی بات ہوئی مارو لی گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ قرآن کے پیچھے چلنے کا جذبہ پیدا کیجیے۔

آیت ۲ :۔ ومایستوی الاحیاء الخ ہ

یہاں زندہ اور مردہ کی مساوات کی نفی ہو رہی ہے۔ اور وہ بھی علی العموم نہیں ورنہ ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ انبیاء اولیاء شہداء سے زندہ کافر (مشرک افضل ہو۔ بہر حال زندہ اور مردہ کی عدم مساوات سے عدم سماع موتٰی کیونکر ثابت ہو گیا۔

آیت ۳ یوم یجمع اللہ الرسل الخ ہ

مفسرین نے مختلف احتمالات بیان کر کے آخر میں آیت کا صحیح مفہوم یہ پیش کیا ہے ۔

لاعلم لنا الا علما انت اعلم بہ منا (ابن جریر ۴ : ۷۶)

اور ابن جریر نے یہی معنی ابن عباس سے بیان کئے ہیں۔ اور اسی کو ترجیح دیتے ہوئے کہا۔

واولی الاقوال بالصواب قول من قال معناہ لاعلم لنا الا علما انت اعلم بہ مناہ

علامہ خازن نے بھی ابن عباس کے اسی قول کو صحیح کہا ہے۔

امام رازی نے ایک اور قول صحیح لکھ کر کہا ہے کہ زیادہ صحیح یہی قول ہے کہ لاعلم لنا الا انت اعلم بہ منا ہ

حضرات انبیاء کا جواب یہ ہو گا کہ لا علم لنا انک انت علام الغیوب ہ

جس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں علم نہیں مگر بار خدایا آپ اس کے متعلق ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ مگر "شیخ القرآن" نے اپنی تفسیر جواہر القرآن جلد اوّل حصّہ دوم صد ۳۰۱ پر فرمایا ہے "اس سے بہتر یہ ہے یہ کہا جائے کہ یہ سوال انبیاء کرام سے ان کی وفات سے بعد کے حالات سے متعلق ہوگا کہ تمہاری وفات کے بعد ان لوگوں کے کیا حالات تھے کیا یہ تمہیں پکارتے رہے ہیں اور کیا تم کو اس کا علم ہے۔ تو اس کے جواب میں انبیاء علیہم السلام کہیں گے کہ اے خدایا بعد کے حالات کا تو ہمیں کوئی علم نہیں جیسا اگلی آیت اس کی تائید کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کہیں گے۔ کنت علیھم شھیدا مادمت فیھم ہ بہت سے مفسرین نے اس سوال کو بعد الوفات کے حالات سے متعلق قرار دیا ہے۔ امام رازی لکھتے ہیں :۔ لاعلم لنا ان علمنا جوابھم لنا وقت حیاتنا ولانعلم ما کان بعد وفاتنا (کبیر)

گو "شیخ القرآن" نے تفسیر کے پردے میں اپنے مخصوص عقائد پھیلانے کی مہم تو چلا دی مگر آپ سے یہ پوچھنے کا حق چھینا نہیں جا سکتا کہ حضرت ! جن "بہت سے مفسرین" نے یہ عقیدہ بیان کیا ہے ذرا ان کے نام تو بتا دیں۔ پھر "اکثر مفسرین" کہہ کر اپنی بات میں اور وزن پیدا کرنے کی کوشش کرنا تو اور بھی بڑی جرأت ہے۔ مفسرین نے اس کے جو معنی صحیح اور راجح قرار دیئے ہیں۔ وہ تو ہم اوپر بیان کر چکے۔ آپ بھی ذرا ان اکثر مفسرین کا حاصل تحقیق بیان تو فرما دیتے۔ آپ نے امام رازی کی ایک عبارت تو لکھ دی۔ مگر یہ بات کیوں بھول گئے کہ امام رازی نے تین احتمال بیان کیے زیادہ اور صحیح وہی کہی جو ہیں نے اوپر بیان کر دی ہے اور جو "شیخ القرآن" کے بیان کردہ احتمال کے مقابلے میں صحیح تر ہے پھر امام رازی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں جو جواب ان لوگوں نے ہمیں دیا اس کا ہمیں علم ہے ہماری وفات کے بعد کے حالات کا ہمیں علم نہیں۔ یہ سوال قیامت کے دن ہوگا اور تبلیغ رسالت کے متعلق ہوگا۔

جس تبلیغ رسالت کے لیے انبیاء مبعوث ہوئے تھے اور دار و مدار تکلیف

دنیا میں اس تبلیغ کے مکلّف تھے۔ برزخ نہ تو دارالتکلیف ہے نہ برزخ میں وہ تبلیغ کے مکلف ہیں۔ اور نہ برزخ میں جانے کے بعد ان سے دنیا کی باتوں یا اہل دنیا کے اعمال کے متعلق پوچھا جائے گا۔ امام رازی کی بات کا صاف مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جواب دیں گے کہ اے اللہ! جب ہم دنیا میں تھے تبلیغ کے لیے مکلف تھے۔ اور مخلوق کو تبلیغ کی جب ہم عالم برزخ میں آگئے تو ہم مکلّف نہ رہے۔ ان کے اعمال کا ہمیں جتنا علم ہے آپ خوب جانتے ہیں وہ علم ہے جس کو آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں جیسا کہ لا علم لنا الا علما انت اعلم بہ منا سے واضح ہے۔ اور اسی قول کو امام رازی نے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

رہا وکنت علیھم شھیدا مادمت فیھم سے متعلق اشکال۔ تو یہ وہی گھسا پٹا سوال ہے جو مرزائیوں کا مایہ ناز اعتراض ہے۔ اور اس کا جواب بلکہ جواب مسکت دیا جا چکا ہے، مضمون بالکل صاف ہے کہ :-

ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین تو جواب ہے مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق ۔ یہ سوال وجواب قیامت کے دن ہوں گے۔ برزخ کا ذکر ہی کہاں ہے، مگر جسے تفسیر لکھنے کا شوق چرائے اور تفسیر کے پردے میں حق سے ہٹے ہوئے مخصوص عقائد پھیلانا مقصود ہو وہ اور کر ہی کیا سکتا ہے اس مسئلے کی زیادہ تحقیق درکار ہو تو علامہ انور شاہ کاشمیری کی التصریح بما تواتر فی نزول المسیح اور پیر مہر علی شاہ صاحب کی سیف چشتیائی ملاحظہ فرمائیں۔

ان حقائق سے ہٹ کر اگر "شیخ القرآن" کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا جائے تو نتیجہ علم کی نفی ثابت ہو گی سماع موتٰی کی نفی کہاں ثابت ہوئی۔ اور سماع موتٰی سے اس آیت کا تعلق کیا ہے۔ تفسیر اسے نہیں کہتے کہ جس بات پر جس آیت کو چاہا فٹ کر دیا۔ اور مفسر بن گئے۔ لفظ اور معنی میں جو تعلق ہوتا ہے اسے نظر انداز کر دینا تفسیر نہیں کہلاتا۔

مختصر یہ کہ یہ سوال قیامت کے دن ہوں گے۔ اور دار التکلیف دنیا میں تبلیغ کے متعلق سوال ہوگا۔ جس کے لیے معبوث ہوئے۔ برزخ میں جانے کے بعد مکلف نہ رہے پھر سوال کیسا۔

قرآن حکیم ایک اصول بیان کرتا ہے :۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی۔ ان کے کام ان کا کیا ہوا آئے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آئے گا۔ اور تم سے ان کے کیے ہوئے کی پوچھ بھی نہ ہوگی۔

نیز ۵ وما بال القرون الاولی قال علمها عند ربی فی کتاب لا یضل ربی ولا ینسی ۵

فرعون نے کہا کہ اچھا تو پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا۔ موسیٰؑ نے فرمایا کہ ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر میں ہے میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

معلوم ہوا جو لوگ مر کر برزخی جہنم یا جنت میں داخل ہو گئے ان کے متعلق انبیاء سے سوال نہ ہوگا تو جب انبیاء علیہم السلام برزخ میں چلے گئے۔ ان سے دنیا والوں کے متعلق سوال کیونکر ہو۔ رہا برزخ والوں کو دنیا والوں کے متعلق علم ہونے کا سوال تو اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ برزخ والوں کو دنیا والوں کا پورا علم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ میدان قیامت تک بھی دنیا کا علم ہوگا۔ جیسا کہ قرآن حکیم کی قطعی نصوص اور احادیث نبوی میں موجود ہے۔ مثلاً

(۱) حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ ۵

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آتی ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب مجھے پھر واپس بھیج دیجیے تاکہ جو

۲ - قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝

کو میں چھوڑ آیا ہوں میں پھر جا کر نیک کام کروں۔
ارشاد ہُوا کہ جا جنت میں داخل ہو کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت داروں میں شامل کر دیا۔

برزخ میں قوم یاد ہے قوم کی بداعمالی یاد ہے۔

علامہ تفتازانی سے شرح مقاصد میں شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں اجماعی عقیدہ بیان کیا ہے کہ برزخ میں میت کو دنیا والوں کا علم ہوتا ہے انور شاہ صاحب نے عرف شذی ص ۴۸۷ پر علامہ تفتازانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان علم المیت مجمع علیہ ۔ قرآن حکیم میں ۳۰ آیات موجود ہیں ۔ جو صاف دلالت کرتی ہیں کہ برزخ والوں کو دنیا کا علم ہوتا ہے۔ جو مسئلہ قرآن کی ایک آیت سے ثابت ہو مثلاً محرمات کی تعین اس پر عمل کرنا تو لازم ہو۔ اور جو بات ۳۰ آیات میں بیان ہوئی ہو اس کا انکار کر دیا جائے بلکہ اس کا انکار کرانے کی مہم چلائی جائے اور جو قرآن کا انکار نہ کرے۔ اسے کافر قرار دیا جائے۔ اور مزے سے "شیخ القرآن" اور مفسر قرآن کہلوایا جائے۔

آیت ۴۲ یوم نحشرھم جمیعا الخ ۝

اس آیت میں دو مختصر سے جملے خاص طور پر قابل غور ہیں۔

اول ماکنتم ایانا تعبدون ۝ اس میں مطلق عبادت کی نفی نہیں بلکہ مقید کی نفی ہے۔ جو ایانا سے ظاہر ہے۔ یعنی تم عبادت تو کرتے تھے۔ مگر ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ اور ہم تمہارے معبود تھے ہی نہیں۔ تم عبادت کرتے تھے اپنی خواہشات کی۔ اور تمہارا معبود تمہاری ہوائے نفس

تھی۔ ارایت من اتخذ الٰھہ ھواہ ہ تو یہ بھی صورت عبادت ہے۔ اصل عبادت تو جب ہو۔ جب وہ حقیقی معبود بھی ہو۔ بہر حال یہاں نفی ہے تو علم عبادت ایاّنا کی۔ آخر اس سے نفی سماع کیونکر ثابت کی جا سکتی ہے۔ ہاں یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب بزرگوں کی قبروں پر لوگ جاتے ہیں۔ سجدے کرتے ہیں ان سے مرادیں مانگتے ہیں اگر وہ بزرگ ان کی سنتے تو قیامت کے دن یہ کیونکر کہیں گے کہ ماکنتما یانا تعبدون ہ اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ آیت مشرکین عرب کے حق میں نازل ہوئی۔ اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ ان کے ہاں قبروں پر جانا تھا نہ اہل قبور سے مراد مانگنا تھا۔ نہ قبروں پر سجدے کرنے کا دستور تھا۔ پھر ان پر اس کا اطلاق کیونکر ہو سکتا ہے۔ چلئے آیت کو عام مان لیں تو اس سے بھی عبادت کا انکار کب ہو رہا ہے۔ انکار، ایانا کا ہو رہا ہے۔ کہ تم ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ نہ ہم معبود نہ ہم نے تمہیں اپنی عبادت کرنے کو کہا ہاں تم نے اپنی خواہش نفس پوری کی۔ اور خواہش نفسانی پر اعمال عبادت نہیں بنتے۔ اس سے تو ظاہر ہے کہ برزخ والوں کو ان لوگوں کی عبادت کے فعل اور اس کی حقیقت تک علم ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ کہیں گے کہ تم عبادت تو کرتے تھے مگر ہماری عبادت نہیں تھی۔ یہ جملہ تو سماع موتی کے اثبات میں قوی دلیل بنتا ہے۔

دوم :۔ اِنْ کُنَّا عَنْ عِبَادَتِکُمْ لَغٰفِلِیْنَ ہ

اس حصے کا حقیقی مفہوم سمجھنے کے لیے لفظ غفلت کا مطلب سمجھ لینا، ضروری ہے۔

قاموس میں ہے :۔

الغفلۃ اسم لترک الشیٔ وذھاب القلب عنہ الی غیرہ ہ	غفلت نام ہے کسی چیز کو چھوڑنے کا اور قلب کی توجہ اس سے ہٹ کر کسی دوسری طرف چلے جانے کا۔

معلوم ہوا غفلت عدم سماع کو مستلزم نہیں بلکہ عدم حیات اور عدم علم کو بھی مستلزم نہیں۔ اس پر متعدد آیات قرآنی دلالت کرتی ہیں مثلاً ؛

۱۔ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغَافِلِيْنَ ؕ	نزول قرآن سے پہلے اس قصہ سے آپ غافل تھے۔
۲۔ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا	حضرت موسیٰ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب اہل شہر غافل تھے۔
۳۔ يَاوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا	افسوس ہم اس سے غافل تھے۔
۴۔ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا	آپ اس حکم سے غافل تھے۔
۵۔ واخاف ان یاکله الذئب وانتم عنه غافلون	
۶۔ ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا	
۷۔ والذین هم عن اٰیاتنا غافلون	
۸۔ والذین یرمون المحصنٰت الغافلات	

یہ تمام آیات زندوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ جن کی توجہ کسی نہ کسی وجہ سے کسی کام سے ہٹی ہوئی تھی حالانکہ ان کی سماعت اور بصارت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ جس سے ثابت ہوا کہ غفلت مستلزم عدم سماع کو نہیں ہے۔

اس ... حصے سے عدم سماع ثابت کرنا قرآن فہمی تو نہیں البتہ خود فریبی اور ابلہ فریبی ضرور ہے۔ اس حصے سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ برزخ والے بعض لوگوں کے افعال کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ یہ نہیں کہ سنتے ہی نہیں۔ پھر بے توجہی کی دو صورتیں ہیں۔ اگر مراد بت ہوں تو بے توجہی ظاہر ہے۔

کیونکہ وہ آلات توجہ سے ہی محروم ہیں ۔ اور اگر مراد ذی روح اور ذی عقل ہیں ۔ تو بے توجہی دو وجہ سے ہو سکتی ہے ۔ اگر وہ معذب ہیں تو وہ بیچارے ان لوگوں کی طرف توجہ کیوں کرنے لگے اور اگر جنت کی راحتوں میں ہیں ۔ تو وہ سرور و لذت انہیں دوسری طرف متوجہ کیسے ہونے دے ۔

مختصر یہ کہ آیت کا یہ حصہ بھی اثبات سماع پر دال ہے ۔ کہ سن لینے کے باوجود ادھر متوجہ نہیں ہوتے ۔ مگر جدید خوارج نے اپنے علم کے زور سے اثبات کی دلیل کو نفی کی دلیل بنا دیا ۔

آیت ۵ :- ومن اضل الخ ہ

اس آیت میں آخری جملہ سے اپنا غلط عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ وھم عن دعائھم غافلون ہ پس اس غافلون سے مراد عدم سماع لے لی ۔ غفلت پر تفصیلی بحث کی جا چکی ہے ۔ لہذا یہ آیت بھی عدم سماع کی دلیل صرف دھاندلی سے ہی بن سکتی ہے

آیت ۶ :- انک لاتسمع الموتٰی الخ ہ اور

آیت ۷ :- ان اللّٰہ یسمع من یشاء الخ ہ

یعنی آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ۔ سناتا ہے ۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے ایک فیصلہ کن بات فرمائی ہے کہ :-

ان سماع الموتٰی ثابتۃ بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ واما اسماع العباد ایاھم فنفی ببیان القرآن العزیز فتح الملھم ۲ : ۴۷۹	مردوں کا سننا کثیر التعداد صحیح احادیث رسول سے ثابت ہے ۔ رہا لوگوں کا، مردوں کو سنانا تو قرآن کی راہنمائش سے اس کی نفی ہے

یعنی یہاں اسماع کی نفی ہو رہی ہے سماع کی نہیں ۔

فیض الباری میں ہے :۔

اذا مر احدکم بقبر رجل یعرفہ یرد اللہ روحہ۔ فدل علی رد الروح علیہ فلا یسمع فی کل وقت (۴: ۹۱)

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ میت ہر وقت نہیں سنتا :۔

اس حدیث سے یہ امر واضح ہے کہ جب کوئی شخص قبر کے پاس سے گذرے، اور السلام علیکم کہے تو میت اس کو سنتا ہے۔ مگر جب قبر کے پاس سے گذرے کوئی نہیں اور سلام کوئی نہ کہے تو میت سنے کیا؟ یعنی کوئی کہے تو سنے۔ بن کہے کیا سنے۔

تمام مفسرین، محدثین متکلمین اس پر متفق ہیں کہ روح کا تعلق برزخ میں بدن عنصری سے ہوتا ہے۔ اس تعلق کی پوری کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہاں جس ولی اللہ کو اللہ تعالیٰ جس قدر مطلع فرما دے وہ قادر ہے۔ مگر عام تعلق کی کیفیت مجہول ہے جیسا کہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں :۔

وحیث کان لہا علی الصحیح تعلق لا یعلم حقیقتہ وکیفیۃ الا اللہ عزوجل کلہ او بعضہ بعد الموت وھو غیر التعلق بالبدن الذی کان لہا قبلہ (روح المعانی ۲۳: ۵۸)

اور صحیح مذہب یہ ہے کہ روح کا تعلق بدن سے ہے۔ جس کی کیفیت کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ بدن کے بعض حصہ سے ہے یا کل سے ہے اور یہ تعلق اس تعلق سے مختلف ہے۔ جو دنیا میں روح کا بدن سے ہوتا ہے۔

بدن کے ساتھ روح کا تعلق اجماعی عقیدہ ہے۔ سوائے دو مدعیان علم جاہلوں کے سب مانتے ہیں۔ حتیٰ کہ قاضی شمس الدین صاحب نے تسکین القلوب صفحہ پر اس کا اقرار کیا ہے۔ بہر حال تعلق مسلم ہے اور بدن عنصری سے تعلق مانا گیا ہے۔ اور ہر وقت ہوتا ہے۔ رہی کیفیت تعلق تو وہ معلوم نہیں۔

حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضہ صدیقہ کی روایت اذا مر الرجل الخ
سے صاف ظاہر ہے کہ میت جب سلام کا جواب دیتا ہے تو یہ فعل اسی تعلق ہی کی
رُوح کی وجہ سے ہوتا ہے جو رُوح کا بدن کے ساتھ تعلق ہے یرد اللہ روحہ سے مُراد،
روح کا بدن کو سلام کی طرف توجہ دلانا ہے یہ نہیں کہ بار بار روح کو نکالا اور
لوٹایا جاتا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب مٹی اور پتھر بھی سن لیتے ہیں تو اعادِ روح
کی حاجت کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو سماع کی نوعیت جدا ہے۔ پھر سننا
اور چیز ہے اور سن کے جواب دینا دوسری چیز ہے۔ روح کا تعلق جسم عنصری کے
ہر ذرہ سے ہوتا ہے۔ بالذات روح سنتا ہے۔ اور بدن کو سلام کا جواب دینے کی
طرف متوجہ کرتا ہے۔ وما انت بمسمع من فی القبور ہ
ترجمہ:۔ آپ قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔ اس کا مفہوم اور اس کی حقیقت سمجھنے کی،
کوشش کیجیے:۔

اسباب طبیعہ عادیہ کے تحت کسی فاعل کا فعل اثر و نتیجہ کی طرف پہنچائے۔
تو اس اثر اور نتیجہ کو اس فعل اور فاعل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جیسے
ضرب زید عمروا، قتل زید عمروا، ضرب اور قتل کے فعل کے
اثر کو جو اسباب عادیہ کے تحت ہے زید کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور جب اثر و
نتیجہ کا ترتب محض قدرت خداوندی سے ہو اور خرق عادت کے طریقہ سے ہو
بلکہ نظام عالم کے خلاف واقع ہو تو اس فعل کو ذات باری تعالیٰ کی طرف منسوب
کیا جاتا ہے۔ خواہ کسی انسان کے ہاتھ سے بھی صادر ہو مگر خرق عادت کے طور پر
ہو تو خدا کی طرف منسوب ہو گا کیونکہ خدا کی قدرت سے اس بندہ کے ہاتھ سے
صادر ہوا۔

كما قال تعالىٰ فلم تقتلوهم

ولكن الله قتلهم

وما رميت اذ رميت ولكن

الله رمیٰ ہ

اسی طرح ان اللّٰہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور

اور انک لا تسمع الموتٰی سے مراد یہ ہے۔

ان سماع الموتٰی کلام الاحیاء لیس داخلاً فی دائرۃ الاسباب الطبیعیۃ العادیۃ ولہذا لیس لنا قدرۃ علی اسماعھم ولکن اللّٰہ قادر علی ان یخرق العادۃ او ینشئ اسباباً خفیۃ مجھولۃ فیسمعھم۔	مردوں کا زندوں کی کلام سنتا اسباب عادیہ طبیعہ کے دائرہ میں داخل نہیں اس وجہ سے ہمیں قدرت حاصل نہیں کہ ان کو سنا سکیں۔ لیکن اللّٰہ تعالیٰ قادر ہے۔ کہ خرق عادت کے طور پر سنائے یا کوئی مخفیہ اسباب پیدا کر کے انہیں، ہماری بات سنا دے۔

اس سلسلے میں یہ فرق ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ سنانا زندوں کا فعل ہے اور سننا مردوں کا فعل ہے۔ مردے تو سنتے ہیں اسی وجہ سے کثیر التعداد صحیح احادیث میں سماع موتٰی کا اثبات موجود ہے۔ اور اسماع کی نفی قرآن حکیم سے معلوم ہوتی ہے جو زندوں کا فعل ہے۔ چونکہ مردے عالم برزخ میں ہیں۔ وہ دوسرا جہان ہے غیر ملک ہے وہاں کے آداب مختلف وہاں کا نظام جدا اور دونوں جہانوں کے درمیان اتنا بعد پھر زندہ لوگ اس جہان میں رہ کر اس جہان والوں کو اپنی بات کیسے سنا سکیں۔ اس وجہ سے اللّٰہ تعالیٰ نے اسماع کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے کہ ان اللّٰہ یسمع من یشاء یعنی اہل دنیا کی آواز برزخ تک پہنچنا۔ اسباب عادیہ طبیعیہ کے تحت نہیں آسکتی۔ اور اللّٰہ تو اسباب عادیہ طبیعیہ کا پابند نہیں لہذا فرمایا کہ

(وما انت بمسمع من فی القبور)

یہاں ایک اور نکتہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ یہاں نہ سماع کی نفی ہے۔ نہ اسماع کی بلکہ زندوں کی آواز بالذات برزخ میں پہنچنے کی نفی ہے۔ یعنی تم خود بالذات اپنی آواز مردوں تک نہیں پہنچا سکتے۔ جب تک قدرت باری شامل نہ ہو۔ بتایا کہ تمہاری

آواز ان تک جائے تو مردے لازماً سنتے ہیں۔ مگر وہاں تک تمہاری آواز کی رسائی قدرت باری پر موقوف اور امور خرق عادت میں داخل ہے۔ اصل فعل کی نفی نہیں ہو رہی۔ فعل تو یقیناً صادر ہوا ہے۔ جیسے فلم تقتلوھم میں فعل قتل کی نفی نہیں ہو رہی۔ کیونکہ صحابہ کے ہاتھوں کفار قتل تو ہوئے اور دمار میت میں مٹی پھینکنے کے فعل کی نفی نہیں ہو رہی۔ کیونکہ یہ فعل تو ہوا اس لیے نفی فعل کی نہیں بلکہ اس فعل کا جو اثر اور نتیجہ مرتب ہوا اس کی نسبت اپنی طرف کر رہا ہے۔ اور صحابہ اور رسول کریمؐ کی طرف نسبت کی نفی کر رہا ہے۔ اس لیے دما انت بمسمع من فی القبور میں نفی فعل سماع کی نہیں ہو رہی بلکہ اس فعل کا ثمرہ اثر اور نتیجہ جو آواز کا پہنچانا ہے۔ اس کی نسبت کی نفی ہو رہی ہے۔ کہ یہ تیرا کام نہیں بلکہ میرا کام ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن حکیم میں کوئی اشکال یا تعارض نہیں۔

علامہ انور شاہ صاحب نے اس نفی کی توجیہ ایک اور انداز سے کی ہے۔

او نفیہ بحسب عالمنا فان السماع ان کان فھو فی عالم آخر واما فی عالمنا فھو کالمعدوم۔ (فیض الباری ۴: ۹۰)	سماع کی نفی ہمارے جہان کے اعتبار سے ہے۔ اگر وہ سنتے ہیں تو دوسرے عالم یعنی برزخ میں سنتے ہیں۔ ہمارے عالم میں وہ ہیں نہیں تو یہاں سنیں کیسے۔

حضرت شاہ صاحب نے من فی القبور اور لا تسمع الموتٰی سے زندہ کفار مراد لیے ہیں اور عدم سماع سے عدم عمل مراد ہے۔ فرماتے ہیں:۔

قلت عدم السماع والسمع والاستماع کلھا بمعنی عدم العمل لان السمع یکون للعمل فاذا لم یعمل	میں کہتا ہوں عدم سماع، عدم سمع اور عدم استماع سب بمعنی عدم عمل ہیں سننے کا مقصد عمل کرنا ہوتا ہے۔ جب عمل نہیں کیا تو گویا سنا ہی نہیں

به فکانه لم یسمعه تقول قلت لـه مراراً ان لایترك الصلوة ولکنه لم یسمع کلامی ای لایعمل به یقال فی الفارسیة لشنود یعنی عمل نمی کند۔۔۔ بل الاحسن ان یقال مانتا نہیں ہ
فیض الباری (۲ : ۴۹۸)

تم کہتے ہو میں نے اسے کئی بار کہا کہ نماز نہ چھوڑو مگر اس نے میری ایک نہ سنی، یعنی میری بات پر عمل نہ کیا۔ فارسی میں کہتے ہیں وہ نہیں سنتا مراد ہے۔ کہ عمل نہیں کرتا۔
بلکہ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ بات مانتا نہیں۔

چونکہ کفار نبی کریم ﷺ کی ہدایت پر عمل نہیں کرتے تھے یعنی سنی ان سنی کر دیتے تھے۔ اس لیے ان کے متعلق کہا گیا کہ یہ کلام کو سنتے ہی نہیں۔

پھر فرمایا :۔
اوانه علی حد قوله تعالیٰ صم بکم عمی مع وجود السمع والنطق والبصر کما اجاب السیوطی واٰیة النفی معناها سماع هدی لایقبلون ہ
(فیض الباری ۴ : ۹۵)

یا وہ اس حالت پر ہیں۔ جیسے بہرے گونگے اندھے حالانکہ ان کے کان، زبان اور آنکھیں موجود ہیں۔ جیسا کہ امام سیوطی نے جواب دیا کہ قرآن میں سماع کی جو نفی آئی ہے۔ وہ سماع ہدایت ہے۔ یعنی آپ کی تبلیغ سے ان کو ہدایت نہیں ہوتی نہ آپ کی بات قبول کرتے ہیں۔

یہ حکم کفار کے حق میں اکثر بیان ہو چکا ہے۔ جیسے حضرت نوح ؑ کی قوم کے متعلق فرمایا :۔ انهم کانوا قوما عمین ہ تو کیا قوم کے تمام افراد نابینا تھے۔ نہیں، آنکھیں تو موجود تھیں ان میں بصارت بھی تھی مگر جہاں تک حق دیکھنے کا تعلق ہے وہ اندھے تھے۔

پھر فرماتے ہیں :-

وحاصل الآیة علی طور٥ ان ھؤلاء الکفار کالموتی فلا تنفع ھدایتك فیھم لان نفعھا انما کان فی حیاتھم وقد مضی وقتھا کذلك ھؤلاء (ای الکفار) وان کانوا احیاء الا ان ھدایتك غیر نافعة لھم بکونھم مثل الاموات فی عدم الانتفاع، فلیس الغرض منه نفی السماع بل نفی الانتفاع ٥

(فیض الباری ۲ : ۴۶۸)

امام سیوطی کے طریقہ پر آیت کا حاصل یہ ہے کہ کفار مردہ کی مانند ہیں - آپ کی ہدایت سے مردہ کوئی نفع نہیں اٹھا سکتا نفع تو دنیوی زندگی میں اٹھایا جا سکتا تھا - وہ یہاں سے جا چکے - اسی طرح یہ زندہ کفار بھی ہیں کہ آپ کی ہدایت ان کے لیے سود مند نہیں - کیونکہ فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے یہ بھی مردوں کی طرح ہیں تو یہاں سماع کی نفی نہیں بلکہ انتفاع یعنی فائدہ اٹھانے کی نفی ہے -

آیت ۸ والذین تدعون الخ ٥ آیت میں کئی امور قابل غور ہیں -

(۱) تدعون صیغہ حاضر کا ہے - حاضرین سے مراد کون ہیں ؟ آیت مکی ہے لہذا اس سے مراد مشرکین مکہ ہی ہو سکتے ہیں - جو آیت کفار کے حق میں نازل ہوا سے مسلمانوں پر چسپاں کرنا خوارج کی خصوصیت ہے - خواہ وہ قدیم خوارج ہوں یا ماڈرن -

(۲) آیت میں عموم ہے یا خصوص - اگر خصوص ہے تو مراد بت ہوے کیونکہ مخاطبین مشرکین مکہ بت پرست تھے -

(۳) جواب قولی ہے یا فعلی ہے -

(۴) دعائکم سے مراد عام ہے یا خاص ؟ ظاہر ہے کہ عام تو مراد ہو نہیں سکتا - لہذا خاص مراد ہو گی یعنی جو چیز تم ان سے طلب کرتے ہو وہ اسے سن

نہیں سکتے۔ دُعا کا لفظ جو کُم سے مقید ہے۔ اس کو سن نہیں سکتے۔ مراد بت ہوں یا جدید خوارج کے خیال کے مطابق عام ہو بہر حال ان کی بات سننا ان کی قدرت سے باہر ہے۔ یہ عدم سماع دو وجہ سے ہوا۔ بت ہو تو وجہ فقدان آلات سماع۔ عام ہو تو بوجہ عدم قدرت یعنی ان کی مطلب برآری نہیں کر سکتے۔

من دونہ سے مراد عام لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تدعون کے فاعل جو مشرکین ہیں۔ اللہ کے بغیر جسے بھی بلائیں وہ نہیں سنتا۔ خواہ زندہ ہو یا مردہ یا حاضر ہو یا غائب کیونکہ آیت میں من دونہ مطلق ہے۔ زندہ مردہ کی کوئی قید مذکور نہیں۔ اس لیے معلوم ہوا کہ عام مراد لینا تو غلط ہے۔ لہذا مراد خاص ہے۔ اور وہ بتوں کے بغیر کوئی اور ہو نہیں سکتا۔ لہذا بلانا سے مراد بتوں سے اپنی حاجت طلب کرنا ہوا، نتیجہ یہ ہوا کہ اگر خاص ہے تو،

ان تستغیثوا بھم فی النوائب والمصائب لا یسمعون دعاءکم لکونھا جمادات ہ	اگر تم ان کو مصائب میں پکارو تو یہ سن نہیں سکتے۔ کیونکہ پتھر جو ہوئے

اور اگر عام ہوں تو

لا یسمعون دُعاءکم الذی دعوتموھم الیہ من الضر والشوک ہ	جس تکلیف کے لیے تم انہیں پکارتے ہو وہ اسے دور نہیں کر سکتے ہ

یعنی سن تو لیتے مگر مصائب دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ لہذا ان کا سننا گویا نہ سننا ہوا۔ آیت میں ان تمام احتمالات کو سامنے رکھئے اور نیلوی صاحب کے اس دعوے کا وزن کیجیے کہ یہ آیت عدم سماع پر نص قطعی ہے۔ نص قطعی

کی اصطلاح کی بھی وہ خبر لی کہ علم سر پیٹ کے رہ گیا۔ نیز آپ نے دھد عن دُعائھم غافلون کو بھی عدم سماع کے لیے نص قطعی قرار دیا۔ اس "نص قطعی" کی تفصیل گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔



ایک نادر تحقیق

"ندائے حق" صہ۹۵ پر ایک نادر تحقیق درج ہے۔ فرماتے ہیں۔

"سماع موتیٰ کی نفی قطعی ہے جیسے طلاق کے مسئلہ میں فقہا لکھتے ہیں کہ انت طالق ان شاء اللہ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ شرط تو مشیت ایزدی کے علم میں ہے۔ لہٰذا اس کی اصل عدم طلاق تھی اس لیے ابھی تک وہی عدم طلاق اپنے اصل پر قائم ہے۔ اسی پر مسئلہ سماع کا بھی قیاس کر لینا۔"

اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ سماع موتیٰ کا مسئلہ معلق ہو گیا مشیت باری سے اور مشیت باری کا علم نہیں لہٰذا شرط معدوم ہو گئی نتیجہ یہ کہ جزا بھی معدوم ہو گئی گویا سماع معدوم ہو گیا۔ اور سماع موتیٰ کی نفی قطعی ہو گئی۔

یہ قیاس اور اجتہاد صورۃً بڑا علمی کارنامہ نظر آتا ہے۔ مگر حقیقۃً اس کا ہر جزو جہالت کا شاہکار ہے۔ اس نیلوی کلیہ کے نتائج ملاحظہ ہوں۔

(۱) قال تعالیٰ واللہ یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء ہ

نیلوی کلیہ کے مطابق پہلے جزو میں مخلوق کے لیے مغفرت مشیت ایزدی کی شرط کی وجہ سے معلق ہو گئی۔ اور مشیت ایزدی کا علم نہیں لہٰذا شرط کے معدوم ہونے سے جزا جو مغفرت ہے معدوم ہو گئی معاملہ اپنی اصل پر قائم رہا اور مغفرت کا قصہ ختم مخلوق خدا مغفرت سے محروم ہو گئی۔

(۲) یھدی من یشاء ہ اسی کلیے کے تحت ہدایت کے لیے شرط مشیت ایزدی ہے جو معلوم نہیں پس شرط معدوم ہوئی تو جزا بھی معدوم۔ یعنی ہدایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بات اپنی اصل جگہ قائم رہے گی۔

(۳) یضل من یشاء ہ اسی کلیے کے تحت ضلالت کا وجود ہی نہیں پایا جاتا

کفار شیاطین حتیٰ کہ اس تحقیق کے فاضل محقق بھی ضلالت سے بچ گئے۔ اور دنیا میں کفر و شرک کا وجود ہی نہ رہا۔ بلکہ یہ الفاظ ہی بے معنی ہو گئے۔

(۴) یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر ہ یعنی رزق کی تنگی و فراخی محض الفاظ اور بہلاوے رہ گئے۔

کیا ٹھکانا اس جہالت کا۔ اول تو خالق کے اوصاف کو مخلوق کے اوصاف پر قیاس کیا۔ پھر یہ تو دیکھا کہ طلاق کی پیش کردہ صورت میں لفظ ان شرطیہ ہے۔ اس وجہ سے یہ جملہ شرطیہ ہے۔ اور ان اللہ یسمع من یشاء جملہ خبریہ ہے۔ اللہ اسم ہے ان کا اور یسمع من یشاء جملہ خبر ہے ان کی۔ اس جملے میں حرف شرط کہاں ہے کہ جملے میں شرط و جزا بنائی جائے۔ معلوم ہوتا ہے۔ محقق صاحب کو دونوں جملوں میں اِنْ اور اِنَّ میں تمیز کرنے کی توفیق نہ ملی۔

"ندائے حق" کیا ہے برعکس نہند نام زنگی کافور کی مجسم مثال۔ اہلسنت و الجماعت کے مسلمہ اور اجماعی عقائد سے سادہ لوح مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کی سعی نامشکور اور جہالت کے نادر نمونوں کا شاہکار۔

جدید معتزلہ اور ماڈرن خوارج کے عقائد اور ان کا جائزہ۔

۱۔ صاحب آقامۃ البرھان، "شیخ القرآن" کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

(ا) سماع موتیٰ کا مسئلہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے (ص۶)

(ب) یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں جن کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہے (ص۶)

(ج) امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دو رائیں رہی ہیں۔ کچھ علماء کرام کی یہ رائے ہے کہ مردے سنتے ہیں جبکہ دوسرے علماء نے اپنی تحقیق کی بنا پر سماع موتیٰ کی نفی کی ہے۔ (ص۶)

(د) علمائے کرام کی ان دونوں جماعتوں کے پاس دلائل ہیں۔ جن پر انہوں نے اپنی اپنی رائے اور تحقیق کی بنیادیں استوار کی ہیں۔ جو علماء سماع موتی کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا استدلال ظواہر قرآن اور احادیث صحیح سے ہے۔ جبکہ قائلین سماع موتی بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں (ص ۶)

(۸) حاصل یہ ہے کہ سماع موتی کا تعلق احوال برزخ سے ہے اور احوال برزخ کا علم وحی کے سوا ممکن نہیں۔

(۲) میر کارواں حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب اپنی کتاب مسالک العلماءؒ میں فرماتے ہیں۔ "اور بہت سے یہ حفاظ کرام سمع موتی کے بھی قائل ہیں۔"

(۳) بندیالوی صاحب اپنی کتاب اقوال مرضیہ صکا پر فرماتے ہیں۔

"محمدؐ امیر تمام برادران اسلام کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ مسئلہ سماع موتی اگرچہ ذاتی طور پر قابل بحث نہ تھا اور نہ ہے۔"

یعنی یہ مسئلہ ضروریات دین اور اعتقادیات سے تعلق نہیں رکھتا۔

(۴) تفسیر جواہر القرآن :- ۲ : ۹۰۳ پر وہی عبارت ہے جو اقامۃ البرہان کے حوالہ سے اوپر درج کی گئی ہے۔ کہ سماع موتی کا مسئلہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں کہ جن کے نفی اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہو۔"

اس جماعت کے مختلف بزرگوں کے ان ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

(۱) سماع موتی کا مسئلہ اعتقادات ضروریہ سے تعلق نہیں رکھتا جس کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہو۔

(۲) یہ مسئلہ زمانہ صحابہ رضؓ سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔

(۳) علمائے امت کے درمیان اس مسئلہ میں دو رائیں رہی ہیں اور دونوں کے پاس دلائل ہیں۔

(۴) یہ مسئلہ قابل بحث تھا، نہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ باتیں صرف کہنے کی ہیں یا عمل سے بھی ان کا کوئی تعلق ہے۔ اگر ہے تو آپ نے ایک رائے منوانے کے لیے جو ورق سیاہ کیے اس کا محرک کون سا جذبہ تھا۔ جب صحابہ میں مختلف فیہ رہا اور اس کے باوجود نہ جھگڑا ہوا نہ بحث ہوئی نہ تکفیر تک نوبت پہنچی تو آپ نے یہ شغل اختیار کیوں کیا۔

جب اس مسئلہ کے نفی و اثبات پر کفر و اسلام کا مدار نہیں تو آپ نے اسے مدار کیوں بنایا جب علمائے امت میں دو رائیں رہی ہیں اور ہر رائے استدلال پر مبنی ہے۔ تو آپ نے ایک رائے منوانے اور دوسری رائے کو غلط ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور کیوں صرف کر دیا۔

جب یہ مسئلہ قابل بحث نہیں تھا تو آپ نے ایک رائے کو جو استدلال پر مبنی تھی غلط قرار دے کر دوسری رائے منوانے کے لیے اسے قابل بحث کیوں بنایا آپ کے قول و فعل میں یہ تضاد کس بات کا آئینہ دار ہے؟

ان ارشادات میں سے دو امور تفصیل طلب ہیں :۔

۱۔ صحابہ میں سے کون سی جماعت عدم سماع کی قائل تھی۔ ذرا اس جماعت کے اتنے افراد کے نام تو بیان فرمائیں کہ انہیں دوسری جماعت کے مقابلے میں جماعت کہا جا سکے۔ اب تک آپ سے یہ تو نہ ہو سکا۔ لے دے کے ایک حضرت عائشہ رضؓ کا نام آپ پیش کرتے ہیں۔ اس پر اسی کتاب کے باب "حضرت عائشہ رضؓ اور سماع موتیٰ" میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :۔

۱۔ حضرت عائشہ رضؓ کا رجوع ثابت کیا جا چکا ہے۔

۲۔ حضرت عائشہ رضؓ کا قول جمہور صحابہ کے خلاف ہے۔

۳۔ کسی صحابی نے حضرت عائشہ رضؓ کے اس قول کو تسلیم نہیں کیا۔

۴۔ حضرت عائشہ رضؓ بدر کے واقعہ میں وہاں موجود نہ تھیں۔

۵۔ بدر کے مقام پر تین سو کے قریب جماعت صحابہ کے سامنے مردہ کفّار

قلیب بدر سے کلام کی۔ جس پر صحابہ کا اجماع ہوا۔

صرف حضرت عمر رض نے ازراہ تعجب استفسار کیا۔ جس کے جواب میں حضور نے بقید حلف فرمایا کہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رض کا ردعمل کیا تھا۔ اس کے بعد اس کا کوئی قول پیش کیجیے۔ جس سے ظاہر ہو کہ وہ نفی سماع کے قائل تھے۔ اس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں "حضرت عمر رض کے سماع سے انکار کی حقیقت" کے عنوان کے تحت دی جا چکی ہے۔ خدا کا رسول اللہ کی قسم کھا کر ایک حقیقت کا اثبات بیان کر رہا ہے اور آپ حضرات رسول خدا کی بات کو بے وزن قرار دے کر حضرت عمر رض اور حضرت عائشہ رض کو رسول خدا کا مخالف ثابت کر رہے ہیں کیا ٹھکانہ اس جرأت رندانہ کا؟ حضرت عمر کا واقعہ تو صاف بتاتا ہے کر سماع موتیٰ پر بدری صحابہ کا اجماع ہوا۔

دوسری بات جو ان ارشادات میں غور طلب ہے۔ "ج۔و۔د" کے تحت بیان ہوئی ہے کہ "جو علماء سماع موتیٰ کی نفی کرتے ہیں ان کا استدلال ظواہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ہے جبکہ قائلین سماع بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں"۔ ہماری یہ تحدی ہے کہ ایک صحیح حدیث عدم سماع موتیٰ کے حق میں پیش کی جائے۔ ان حضرات کی اتنی کوششوں کے باوجود آج تک ایک صحیح حدیث بھی پیش نہیں کر سکے پھر یہ کہنا نفی سماع کا عقیدہ احادیث صحیحہ پر مبنی ہے۔ خدا جانے یہ خود فریبی ہے یا ابلہ فریبی۔ صحیح حدیث تو ایک طرف، عدم سماع کے حق میں کوئی ضعیف حدیث ہی پیش کی جائے۔ ہاں موضوع حدیث قابل قبول نہ ہوگی۔ کیا ان حضرات کی نگاہ سے یہ حدیث نہیں گزری کہ من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔

رہا سوال ظواہر قرآن کا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ظاہری الفاظ قرآن سے دلیل پکڑتے ہیں۔ بتلیے ان آیات سے ظاہر الفاظ قرآن سے دلیل پکڑ کے مطلب بیان کریں۔

(۱) مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ۝

(۲) کفار و منافقین کے حق میں فرمایا :-

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝

(۳) قوم نوح کے حق میں فرمایا :-

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۝

یقیناً آپ ان آیات میں اندھے بہرے گونگے وغیرہ کے وہ معنی لینے کے لیے تیار نہیں ہوں گے جن کے لیے بظاہر یہ الفاظ وضع کیے گئے ہیں۔ لیجیے اب ان آیات پر غور فرمایئے۔

(۱) وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۝

(۲) وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۝

دیکھیے قرآن حکیم ظاہر الفاظ سے کھلا کھلا اعلان کر رہا ہے۔ کہ شہداء کو مردہ نہ کہو۔ بلکہ یہ دل میں خیال تک نہ لاؤ۔ کیا صرف سماعِ موتیٰ کے مسئلہ میں ظاہر قرآن کا سہارا لینا ضروری ہے۔ باقی امور میں ظاہر قرآن سے کچھ سروکار نہیں؟

ان حضرات کا ایک سہارا وہ ہے جس کا اظہار اقامۃ البرہان ص ۸۰ "پیش نشیخ القرآن" کی تائید میں کیا گیا ہے۔

"لوگوں میں جو عرف قائم ہوتا ہے اس کی بھی کوئی نہ کوئی دلیل ہوتی ہے۔ بلا دلیل کوئی عرف قائم نہیں ہوتا مثلاً دیوار سے درخت سے پتھروں وغیرہ سے کلام کرنے کو بھی عرف عام میں کلام نہیں کہا جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام سے جو مقصود ہوتا ہے۔ یعنی اسماع اور افہام سنانا اور سمجھانا وہ یہاں مفقود ہوتا ہے اسی طرح میت میں بھی مفقود ہے۔"

یعنی یہ اس بات کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ایمان کا بنی عرف ہوتا ہے۔ مگر جواب کی بنیاد ہی غلط ہے۔

۱- عرف میں کلام اس کو کہا جاتا ہے جو جانبین میں، دنیوی امور یا دینی امور کے متعلق دنیا میں ہو۔ جن امور کے متعلق فریقین دنیا میں محتاج ہوں۔

۲- کلام بالذات بدن سے ہو۔ روح سے بالذات نہیں۔

۳- کلام بطور عادت ہو نہ کہ بطور خرق عادت۔ یعنی کلام جس سے ہو رہی ہو وہ حقیقۃً یا حکماً سامنے ہو اور کلام مادی آلہ یعنی زبان سے کرے۔ اور فریق ثانی مادی آلہ زبان سے جواب دے۔

ان وجوہات کی بناء پر فقہائے احناف نے حکم دیا ہے کہ قسموں کی بناء عرف پر ہے اس سے شریعت کا تعلق نہیں۔ اور بیان کردہ شرائط بالذات بدن میت میں مفقود ہیں نہ یہ کہ بدن میت سنتا نہیں یا سمجھتا نہیں۔ چونکہ میت عالم برزخ میں ہے۔ اس پر عالم برزخ کے احکام جاری ہوں گے۔ برزخ لطیف وہاں کی تمام اشیاء لطیف کلام لطیف اس لیے عالم دنیا اور عالم برزخ میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور عالم برزخ والوں سے کلام عادت کے طور پر نہیں بلکہ خرق عادت کے طور پر ہوتی ہے۔

اس لیے صاحب اقامۃ کے بیان میں یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ میت میں کلام کا مقصود یعنی سنانا اور سمجھانا ہی مفقود ہے۔

ان کا آخری سہارا "فتاوی الغرائب فی تحقیق مذاہب" میں امام صاحب سے منسوب ایک قول ہے۔ اس کا تفصیلی جواب تو گزر چکا ہے۔ اجمالاً یہ تو بتائیے کہ کیا فتاوی الغرائب کا وجود بھی دنیا میں کہیں پایا جاتا ہے۔ اس کے مصنف کا نام بتائیے۔ کیا یہ طبقہ علماء میں سے ہے۔

من یاتی القبور میں من سے کون شخص مراد ہے۔ کس شہر کے قبرستان کا واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "فتاوی" فرضی کتاب مجہول۔ مصنف مجہول، اور ناقل جاہل، اس پر امام صاحب کے مذہب کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ امام صاحب کے کسی شاگرد امام ابو یوسف یا امام محمد کا قول تو پیش کیا ہوتا۔ سن لیجیے امام صاحب

کا قول تو پیش کیا ہوتا۔ سن لیجیے امام صاحب کا مذہب وہی ہے۔ جو صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ ملا علی القاری ترجمان حنفیت کا قلمی رسالہ ہم نے دیکھا ہے۔ جس نے فرضی فتاوی الغرائب کا پول کھول دیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ان المشهور على السنة الناس ان ابا حنيفة ينكر سماع الموتى ليس له اصل من الائمة اصلا واما الحكاية بان ابا حنيفة رأى من ياتي المقبور باهل الصلاح فيسلم ويتكلم ويقول يا اهل القبور هل لكم من خبر وهل عندهم من اثر الخ ۔ فسمع ابو حنيفة يقول مخاطبة لهم فقال هل اجابوا لك قال لا فقال له سحقا لك وتربت يداك كيف تكلم اجسادا لا يستطيعون جوابا ولا يملكون شيئا ولا يسمعون صوتا وقرأ انك لا تسمع الموتى ۔ فليس له اصل في الكتب المشهورة ولم ينقل من الائمة الثلاثة بل اخذ

لوگوں میں مشہور ہے کہ امام صاحب سماعِ موتیٰ کے منکر ہیں۔ ہمارے ائمہ سے اس کی کوئی اصل نہیں رہی یہ حکایت کہ امام صاحب نے ایک آدمی کو دیکھا جو نیک لوگوں کی قبروں پر جاتا۔ انہیں سلام کہتا ان سے خطاب کرتا اے اہل قبور کیا تمہیں خبر ہے کہ کتنی مدت سے میں تم سے باتیں کرتا ہوں۔ الخ۔ تو امام صاحب نے سن کر فرمایا۔ کیا انہوں نے تمہیں کوئی جواب دیا کہا نہیں۔ تو فرمایا۔ تو ہلاک ہو جائے کیا تو ایسے بدنوں سے کلام کر رہا ہے۔ جو جواب کی طاقت نہیں رکھتے نہ ان کے پاس کوئی چیز ہے۔ نہ وہ آواز سنتے ہیں پھر امام صاحب نے قرآن حکیم کی آیت پڑھی انک لا تسمع الخ پس اس حکایت کی کوئی اصل نہیں نہ تو یہ کتب مشہورہ میں موجود ہے۔ نہ ائمہ ثلاثہ سے منقول ہے۔ بلکہ یہ مسئلہ قسموں کے باب سے لیا گیا ہے۔

هذا من مسئلة فی باب الایمان ۰ الخ

تو لیجیے اس جھوٹی حکایت کی قلعی کھل گئی۔ ان بزرجمہروں نے امام صاحب کے مذہب کی بنیاد محض ایک حکایت پر رکھی اور وہ بھی جھوٹی۔ دلیل کتنی وزنی ہے۔ لطف یہ کہ اسی حکایت میں میتوں کے لیے السلام علیکم کا لفظ بھی موجود ہے۔ جیسے احادیث میں السلام علیکم دار قوم مومنین موجود ہے۔ سوال یہ ہے۔ کہ جب السلام علیکم سن لیتے ہیں تو باقی کلام سن لینے میں کون سا ہمالیہ حائل ہو جاتا ہے۔ شیخ انور نے فیض الباری ۲ : ۴۶۷ میں یہ بات بھی واضح کر دی۔

واعلم ان مسئلة الکلام وسماعه واحدة ۰	خوب جان لو میت سے کلام کرنا السلام علیکم کہنا اور میت کا سننا ایک ہی بات ہے۔

پھر ایک نئی بحث چھیڑتے ہیں کہ موضح القرآن میں ہے۔ کہ "دھڑ نہیں سنتا جو قبر میں پڑا ہے۔ روح سنتا ہے۔" یہاں بھی بات وہی ہے کہ سمجھ کا پھیر ہے۔ سنیے حالتیں دو ہیں۔ دنیا میں بدن بالذات مکلف ہے اور روح بالتبع دنیا میں بالذات بدن دیکھتا سنتا بولتا ہے۔ مخاطب بھی بالذات بدن ہوتا ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا۔ کہ روح دیکھنے سننے بولنے سے عاری ہے۔ دونوں سنتے دیکھتے بولتے ہیں فرق بالذات اور بالتبع کا ہے۔

دوسری حالت برزخی ہے۔ برزخ میں روح مکلف بالذات ہے اور بدن بالتبع کلام بالذات روح کرتا ہے اور روح سنتا ہے ثواب و عذاب بالذات روح پر ہوتے ہیں۔ مگر اس سے یہ مراد کہاں ہے کہ بدن سنتا ہی نہیں اسے عذاب و ثواب کچھ نہیں ہوتا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہاں بھی فرق بالذات اور بالتبع کا ہے۔ بدن بالتبع سنتا ہے۔ بالذات نہیں سنتا۔ جہاں بھی علما نے بدن کے سننے کی نفی کی ہے ۔ وہ بالذات کی نفی ہے۔ جب پہلے دلائل قطعیہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ مٹی زمین آگ پتھر پانی ہوا آسمان و زمین حجر و شجر تمام چیزیں سن سکتی ہیں تو بدن میت جب مٹی ہو جاتا ہے تو اس مٹی کو سننے میں کون سی چیز مانع ہوتی ہے۔ لہذا اس سے

مراد ہوتی ہے۔ بدن بالذات نہیں سنتا۔

آیت انك لا تسمع الموتٰی اور وما انت بمسمع من فی القبور کی تفصیلی تفسیر تفسیر حقانی سے نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سورہ روم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"ان آیات سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردہ نہیں سنتا اور اس کی سند میں کچھ احادیث و اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ آج کل یہ مسئلہ سماع موتٰی باہمی، قیل و قال کا بڑا میدان ہو رہا ہے۔ اگرچہ اس کی پوری تفصیل کا یہ موقعہ نہیں مگر مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں۔ ان آیات میں تو عدم سماع موتٰی کا اشارہ تک بھی نہیں۔ اس لیے ان آیات سے استدلال کرنا بے فائدہ بات ہے۔ رہے احادیث و اقوال ان سے بھی صاف معلوم نہیں ہوتا کہ میت نہیں سنتا۔ بلکہ بہت سی صحیح احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مردے زندوں کی آواز سنتے ہیں۔ از انجملہ وہ احادیث جو زیارت قبور کے باب میں وارد ہوئی ہیں۔ جن میں مردوں سے خطاب کر کے کلام کیا جیسا ترمذی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ مدینہ کے قبرستان سے گزرے۔ تو فرمایا السلام علیکم یا اہل القبور اسی طرح مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ رسول خدا نے جنت البقیع میں جا کر یہی فرمایا السلام علیکم دار قوم مومنین۔ اور ایسا ہی تعلیم بھی فرمایا۔ از انجملہ احادیث عذاب و ثواب قبر میں۔ جیسا بخاری، مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر لوگ واپس ہوتے ہیں تو انہ لیسمع قرع نعالھم۔ از انجملہ وہ جو بدر کے روز آنحضرتؐ نے کفار قریش کے مقتولوں سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ تم نے آج دیکھ لیا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ جس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ سنتے ہیں فرمایا تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں۔ لیکن جواب نہیں دیتے اس کو بھی بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

نقلی دلائل کے جوابات ہو چکے۔ اب رہی بحث عقلی دلائل کی۔ تو عقل سلیم بھی یہی کہتی ہے ۔"

موضح القرآن کے حوالے سے بحث چھیڑی تھی کہ روح سنتا ہے۔ دھڑ نہیں سنتا۔ لیجیے نیلوی صاحب نے اس کا بھی تیا پانچا کر دیا۔ ندائے حق ص۱۵۸ فرماتے ہیں "البتہ روح کے سننے نہ سننے میں حنیفہ اور شوافع کا اختلاف ہے ارجح یعنی راجح بلحاظ دلائل کے عدم سماع ہے اور زمانہ حال میں جبکہ قبر پرستی اور کفر و شرک کا دور دورہ ہے۔ انکار سماع کا فتوی دنیا علماء اسلام پر واجب ہے ۔"

لیجیے روح کا سننا بھی ختم۔ دعویٰ دیکھئے اور مشورہ سنئے۔ یعنی جسم کا کوئی عضو بیمار ہے۔ تو اس کا علاج نہ کرو بلکہ عضو ہی کاٹ دو نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ صاحب موضح القرآن کے عہد میں روح سنتا تھا۔ نیلوی صاحب کے زمانہ میں روح بھی بہرا ہو گیا۔

نیلوی صاحب نے جابجا علماء دیوبند کو بناسپتی دیوبندی لکھا ہے۔ اور اس میں تعجب کی بات کوئی نہیں کیونکہ بناسپتی مسلمان اس کے بغیر کیا لکھ سکتا ہے۔ بندیالوی تو خیر مسلمہ اور مستند جاہل تھے۔ نیلوی کا کچھ بھرم قائم تھا۔ مگر شفاء الصدور اور ندائے حق نے تو ثابت کر دیا کہ مصنف صاحب عقائد اہلسنت سے مطلق جاہل ہیں۔ اور مذہب اہلسنۃ سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ اور ندائے حق کے ص۱۵۶ پر اعتراف بھی کیا ہے۔ کہ مؤلف شفاء الصدور اور مترجم دونوں جاہل ہیں :-

بہرحال ان دو کتابوں کا امتیازی وصف ائمہ دین کی توہین۔ علمائے متقدمین کی توہین۔ عبارتوں میں خیانت۔ اور علمائے دیوبند کو بناسپتی دیوبندی کی پھبتی کے بغیر اور کوئی نہیں۔ کتب دینیہ کا انکار اور احادیث رسول کا انکار کر کے

مصنف نے ثابت کر دیا کہ اس کا تعلق نہ دین سے ہے۔ نہ رسول سے۔ پھر دعوٰی یہ کہ خدمت اسلام ہو رہی ہے۔ اسلام بھی کیا یاد کرے گا۔ کیسے ہمدرد اور بہی خواہ ملے تھے۔

ضمیمہ

حدیث مشکوۃ:۔ اکتبوا کتاب عبدی فی علیین واعیدوہ الی الارض فانی منھا خلقتھم وفیھا اعیدھم ومنھا اخرجھم تارۃ اخریٰ

اِس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اعادہ روح زمین کی طرف ہوتا ہے اور زمین میں جسم خاکی عنصری مدفون ہوتا ہے اِس لئے اعادہ روح اسی جسم خاکی کی طرف ہوتا ہے۔

اِس حدیث سے نیلوی صاحب کے فاسد عقیدہ کی برملا تردید ہوتی ہے لہٰذا نیلوی صاحب نے اپنے علم کے زور سے اس پر خاص توجہ فرمائی ہے۔

(۱) فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح نہیں۔ یعنی حدیث ضعیف ہے۔ اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ حدیث قابل التفات نہیں لہٰذا عودِ روح کا مسئلہ ثابت نہیں مگر اِس کا کیا کیا جائے کہ وہ حضرات جنہیں آپ مستند سمجھتے ہیں وہ آپ کے ہم نوا نہیں ہیں مثلاً (ا) علامہ ابن تیمیہ نے شرح حدیث النزول ص ۸۲ پر فرمایا ہے کہ عودِ روح کی احادیث متواترہ ہیں۔

مع ان سائر الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن

(ب) علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اسکی تائید کی ہے۔

(ج) علامہ سیوطی نے شرح الصدور میں تواتر کی تصدیق فرمائی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ، ابن قیم اور علامہ سیوطی جیسے زعماء فرماتے ہیں کہ عود روح الی الجسد کا مسئلہ متواترات سے ہے اور "علامہ" نیلوی ندائے حق ص۲۶ پر فرماتے ہیں کہ منکر تواتر کافر ہے اور حضرت نیلوی خود اس کے منکر ہیں۔ لہٰذا ان کی اپنی حیثیت ان کے ہی قول سے ظاہر ہے۔

(III) تحقیق کا دوسرا پہلو ملاحظہ ہو۔ ندائے حق ص۲۷ پر فرماتے ہیں کہ "ارض" سے خاکی زمین مراد نہیں بلکہ مراد مستقر ہے یعنی ارضِ برزخیہ مراد ہے جیسے جنت برزخیہ بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ بالکل صحیح ہے کہ جنت پر بھی ارض کا اطلاق ہوا ہے جیسے قال تعالیٰ

۱- الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض

۲- ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون

اسی طرح حدیث میں 'ارض' کا جو لفظ آیا ہے اس سے بھی مراد برزخی ارض ہے۔ ص۶۹ پر فرمایا۔ یقال للارض التئمی علیہ۔ اس سے برزخی دوزخ کی زمین ہے۔

اپنے اس دعویٰ کی تائید کے لئے قرآن حکیم سے دلیل پیش فرمائی۔

۱- وضاقت علیکم الارض بما رحبت

۲- وضاقت علیھم الارض بما رحبت

۳- وضاقت علیھم انفسھم

پھر ص۷۳ پر امام راغب کے حوالہ سے لکھا کہ ارض سے مراد مستقر میت ہے پھر فرماتے ہیں کہ میت کیا چیز ہے؟ جواب دیتے ہیں یاد رہے میت کا لفظ جیسا بدن پر بولا جاتا ہے ویسا ہی روح پر بھی بولا جاتا ہے۔

پھر کتاب الروح سے عبارت نقل کرتے ہیں جس سے مقصد اپنے موقف کو تقویت دینا ہے۔

الروح توصف بالوفات والقبض والامساک والارسال

اور شرح الصدور سے عبارت پیش فرمائی۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل المقابر قال السلام علیکم ایتھا الروح الفانیۃ والارواح البالیۃ وعظام النخرۃ

علامہ ابن قیم نے خود اس عقدہ کا حل پیش کیا ہے اور "محقق" صاحب نے وہ حل نقل بھی کیا ہے مگر سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں والصواب ان یقال موت الروح ھی المفارقۃ عن الجسد اور فنا کی حقیقت بھی علامہ سیوطی نے بیان فرما دی۔ المراد بفناء ھذہ الارواح ذھابھا من الاجساد۔

ظاہر ہے کہ روح کی بدن سے مفارقت کے عمل پر وفات کا لفظ بول دیا جاتا ہے اور بدن سے روح کی جدائی پر فنا کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ رہا لفظ قبض اور امساک کا استعمال تو مجتہد صاحب کو کون بتائے کہ یہ الفاظ موت پر دلالت نہیں کرتے۔

مجتہد صاحب کو یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیئے کہ حمل مشتق کا قیام مبدا کو چاہتا ہے بلکہ حمل مشتق کی علت بھی مبدا ہوتا ہے۔ لہٰذا میت اور اس کو کہا جائے گا جس کے ساتھ موت قائم ہو گی اور میت مشتق موت سے ہے۔ اب ذرا اس کی وضاحت فرمائیں کہ کیا روح کے ساتھ مبدأ میت جو موت ہے قائم ہوئی ہے جب روح پر موت وارد نہیں ہوئی تو اس کو میت کہنا کہاں کی عقل مندی دیانت یا علمیت کی دلیل ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ مستقر میت سے مراد مستقر بدن ہے۔

شرح الصدور سے مجتہد صاحب نے جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں بھی اپنی روایتی "دیانتداری" پر برابر قائم ہیں پوری روایت یوں ہے۔

اخرجہ ابن السنی عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دخل المقابر قال السلام علیکم ایتھا الارواح الفانیۃ والابدان البالیۃ والعظام النخرۃ التی خرجت من الدنیا وھی باللہ مومنۃ اللھم ادخل علیھم روحا منک وسلاما

منافانہ مع صنعف مؤل

نیلوی صاحب نے حدیث کے ضعیف ہونے کو نظرانداز فرمادیا کیونکہ اس کا ذکر کرنے سے اپنا فاسد عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا فن کاری کا تقاضہ یہی تھا کہ حدیث میں کتر بیونت کرلی جائے۔

اب ہم مشکوٰۃ شریف کی اصل حدیث پر تفصیلی بحث کرتے ہیں۔ نیلوی صاحب نے اس حدیث سے ذیل کے نتائج اخذ کیے ہیں

۱۔ ارض سے ارض خاکی مراد نہیں بلکہ مستقر میت مراد ہے۔

۲۔ ارض سے زمین برزخی مراد ہے۔

۳۔ ارض سے مراد برزخ کی جنت لی جاسکتی ہے۔

۴۔ جنت پر ارض کا اطلاق ہوا ہے۔

اول تو منزل پر پہنچنے کے لئے حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کا سہارا لینا پڑا پھر بات ایک مجاز پر ختم نہیں ہوئی بلکہ مجاز در مجاز کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ پہلے ارض سے مراد میت کا مستقر لیا یہ ہے مجاز اوّل۔ پھر برزخی ارض برزخی زمین مراد لی یہ ہے مجاز دوّم۔ پھر برزخی ارض سے جنت کی ارض مراد لی۔ مجاز سوم۔ حقیقت سے فرار کا نتیجہ اس کے بغیر اور کیا نکل سکتا ہے۔ حالانکہ جس شرح الصدور کا آپ نے سہارا لیا۔ اسی کے صـ۶۳ـ پر علامہ سیوطی نے وضاحت فرما دی ہے کہ "ارض سے حقیقی قبر مراد ہے اور عذاب و ثواب بھی حقیقی مراد ہیں نہ کہ مجازی کو صرف غم اور پریشانی مراد ہو یہ نہیں بلکہ حقیقی عذاب مراد ہے۔ فرماتے ہیں۔

وقول صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر۔ القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النار محمول عندنا علی الحقیقۃ لا المجاز و ان القبر یملاء علی المؤمن خضراء

یہ حدیث اہل السنت و الجماعت کے نزدیک اپنی اصل حقیقت یعنی حقیقی معنوں پر محمول ہے۔ اس میں مجاز در مجاز کے طویل چکر کا تکلف ہرگز نہیں کیا گیا ہے اسی طرح حدیث یقال للارض التئمی علیہ بھی اپنی حقیقت پر محمول ہے اگر

نیلوی صاحب کو اسی پر اصرار ہے کہ مجاز ہے تو ثبوت پیش کریں ہاں ثبوت معتزلہ خارجیہ اور کرامیہ کے گھر سے نہ لایا جائے۔

پھر "ارض" کے لفظ میں اپنے من مانے معنی پہنانے کے لئے قرآن کریم کی دو آیات پیش کی گئی ہیں۔ اول تو وہ بے محل ہیں پھر ان میں بھی فنکاری سے کام لیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں یا حدیث رسول میں جہاں کہیں لفظ ارض واقع ہوا ہے وہاں یہی خاکی زمین مراد ہے جس پر ہم چلتے پھرتے ہیں اور جس سے ہماری تخلیق ہوتی ہے مطلق "ارض" بول کر کہیں جنت مراد نہیں لی گئی

پہلی آیت صرف وہاں تک نقل کی جہاں تک دھوکہ دینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو حالانکہ واورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء سے بات واضح ہو جاتی ہے اگر ارض سے جنت ہی مراد ہے تو "من الجنۃ" کا حصہ زائد ہوا ظاہر ہے کہ مطلق ارض پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ من الجنۃ میں بیان "ارض" آ گیا۔ نیلوی صاحب کو کوئی نئی آیت پیش کرنی چاہیئے۔ جس سے آسمان زمین جنت، دوزخ، عذاب ثواب سب مثالی ثابت ہوں آیت نہ ملے تو کوئی صحیح حدیث ہی پیش کر دیں مگر بیچارے لائیں کہاں سے؟

پھر ندائے حق کے ص۶۷ پر قبر کی تنگی اور وسعت بیان کرتے ہوئے نیلوی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم میں وضاقت علیکم الارض بما رحبت اور حتی اذا ضاقت علیکم الارض بما رحبت اور وضاقت علیھم انفسھم جو آتا ہے ضیق الارض کا لفظ روئے زمین پر چلنے پھرنے والے اہل دنیا پر استعمال کیا گیا ہے۔

اس سے نیلوی صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قبر میں ثواب و عذاب حقیقی معنوں میں مراد نہیں ہے بلکہ مجاز ہے یعنی خفت سوال، امن، طیب عیش مراد ہے حقیقی جنت نہیں مگر امام سیوطی کا قول نقل کیا جا چکا ہے کہ محمول عندنا

علی الحقیقۃ اسی طرح علامہ قرطبی بھی اسی کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ مگر نیلوی کسی سیوطی اور قرطبی سے کیا کم ہے کہ اسلاف کے پٹے ہوئے راستے پر چلے۔ کمال اسی میں ہے کہ بات وہ کہو جو پہلے کسی شریف آدمی نے نہ کہی ہو تا کہ بعد میں آنے والے نام تو لیں یہ اور بات ہے کہ "بدنام تو ہونگے مگر کیا نام نہ ہوگا"

یوں بھی ثواب وعذاب قبر کا عقیدہ ضروریات دین سے ہے اور اس میں تاویل حرام ہے لہٰذا نیلوی صاحب جب اس حرام کا ارتکاب نہ کریں تو ان کی شخصیت اور ان کا صحیح مقام متعین کیسے ہو سکتا ہے۔

ضیق الارض کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "یہ لفظ روئے زمین پر چلنے پھرنے والی مخلوق کو شامل ہے"۔ معانی میں جو وسعت آپنے پیدا کی آیت کا شان نزول اس کا ساتھ نہیں دیتا یہ آیت تو ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو حنین کی جنگ میں ہوازن پر حملہ آور ہوئے۔ قال تعالیٰ

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن علیکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین

دوسری آیت وضاقت علیھم الارض بما رحبت جنگ تبوک میں حاضر نہ ہونے والے تین آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے آپنے اس میں روئے زمین کی مخلوق کو کیونکر شامل کر لیا۔

پھر یہ کہ یہ دونوں آیتیں تو زندوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں آپنے صرف علم کے زور سے خوارج کی طرح انہیں مردوں پر چسپاں کر دیا اس لئے وہ آیت پیش کریں جس سے ارض مثالی اور عذاب و ثواب مثالی ہو جیسے خواب میں ہوتا ہے۔

آیت یا حدیث آپ بھلا کہاں سے لاتے البتہ آپ نے ایک ایسا سہارا جس کے خود آپ منکر ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ "کشف سے صوفیہ کو معلوم ہوا ہے کہ جنت و دوزخ مثالی ہیں"، مگر صوفیہ کو معلوم ہوتا ہے آپ کو اس سے

کیا تعلق اول یہ کہ آپ کی پارٹی کشف کو شرک قرار دے چکی ہے پھر یہ کہ کشف دلیل شرعی نہیں اولہ اربعہ سے دلیل لائیے۔ پھر یہ بتائیں کہ یہ کس صوفی کا قول ہے۔

حضرت تھانوی تو خود صاحب کشف نہ تھے۔ نیلوی صاحب تو صوفیہ کو معلوم ہوا تک جاکر ہی رک گئے اس قافلے کے ایک اور راہرو جناب سجاد صاحب اقامۃ البرہان ص۱۶۵ پر فرماتے ہیں "عالم مثال اور اجساد کا وجود دلائل قطعیہ سے ثابت ہے"

یہ بھی خوب کہی مگر ان دلائل قطعیہ میں سے نمونہ کے طور پر کوئی ایک دلیل تو پیش کی ہوتی۔ قطعی کیا وہمی دلیل بھی آپ پیش نہیں کر سکتے کہ برزخ میں جسم مثالی ملتا ہے جس پر ثواب و عذاب مترتب ہوتا ہے۔ ثواب و عذاب کیلئے جسم مثالی دلیل قطعی سے ثابت کیجیے۔

ندائے حق ص۲۵۱ پر نیلوی صاحب نے ایک اور گل کھلایا ہے فرماتے ہیں کہ ایمان اور نبوت و رسالت صفات روح کی ہیں یعنی جسم خاکی کی نہیں اور عالم برزخ میں روح کو جسم مثالی مل جاتا ہے اور جسم عنصری سے روح کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اسلام کا مسلّمہ قانون ہے کہ نبی اور رسول دنیا برزخ اور آخرت میں نبوت اور رسالت کے ساتھ موصوف رہتے ہیں۔ ولی اپنی ولایت کے ساتھ اور مومن اپنے ایمان کے ساتھ موصوف رہتا ہے۔ نبوت رسالت، ولایت اور ایمان بالذات روح کی صفات ہیں روح چونکہ بدن کے ہر جزو میں حلول کئے ہوتی ہے یا جیسے آگ لوہے کے ہر ذرے کو حلول کئے ہوتی ہے اب صورت یہ بنتی ہے کہ عالم برزخ میں اگر روح کا تعلق جسم خاکی سے منقطع ہو گیا تو جسم خاکی ایمان نبوت رسالت کی صفات سے خالی ہو جائے گا یعنی کوئی آدمی برزخ میں ایمان کی صفت کے ساتھ موصوف نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ تعلق منقطع ہو گیا لہٰذا جسم عنصری تو ایمان، نبوت رسالت کا محل نہ رہے گا گویا برزخ میں کوئی مؤمن مؤمن نہیں کوئی نبی نبی نہیں۔

صوفیہ جو برزخ میں جسم مثالی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ روح معہ جسم مثالی کا تعلق جسم عنصری سے ہوتا ہے مگر آپ نے صوفیہ کی بات مانی بھی تو آدھی۔

ایمان مرکب ہے قول وعمل سے۔ قول بھی دو قسم اور عمل بھی دو قسم رکھتا ہے قول قلب اعتقاد ہے قول اعضاء جوارح زبان سے لا الٰہ الا اللہ پڑھنا ہے۔ عمل قلب نیت اور اخلاص ہے عمل اعضاء وجوارح عبادات ہیں۔ اِن چار چیزوں کی ترکیب کا نام ایمان ہے۔ اِن میں اساس تصدیق قلبی ہے اگر یہ نہیں تو ایمان نہیں۔ اس میں خلوص نہیں تو نفاق ہے۔ اگر برزخ میں روح کا تعلق اِن سے منقطع ہو جائے تو ایمان کہاں رہا۔

کلمہ طیبہ کی بحث میں بیان ہو چکا ہے کہ محل مشتق کا قیام مبداء کو چاہتا ہے بالخصوص وقت تحقیق قضیہ۔ لہٰذا رسول تب ہو گا جب اس کے ساتھ رسالت قائم ہو گی جیسا کہ شامی ۴ : ۵۰/

وھوالرسول فیکون مبدأالاشتقاق علتہ وھوالرسالۃ	رسول کو محمد پر محمول کرنا اس کی علت اس کا مبداء ہو گا جو رسالت ہے۔ رسول کے ساتھ رسالت قائم ہوئی تو رسول بنا۔

اب نیلوی صاحب فرمائیں کہ جب رسالت صفت روح کی ہوئی جب عالم برزخ میں روح کا تعلق بدن عنصری یعنی محمدؐ سے نہ رہا بلکہ اس کا تعلق جسم مثالی سے ہو گیا تو آپ کے عقیدہ کے مطابق بعد وفات محمدؐ تو رسول نہ رہے بلکہ جس جسم مثالی سے روح کا تعلق بنا وہ رسول ہوا پھر آپ کا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا کیا معنی اور آپ کی توحید کا کیا بنا؟

ہاں ایک بات سمجھ لیجیے کہ جو لوگ نبوت رسالت اور ایمان کو روح کی صفت بیان کرتے ہیں اِن کا عقیدہ ہے کہ روح کا تعلق برزخ میں بھی جسم خاکی عنصری سے ہوتا ہے۔ مگر آپ تو روح کا تعلق جسم عنصری سے توڑ چکے ہیں لہٰذا آپ کے کفری عقیدہ کے مطابق بدن محمدؐ اب نبوت و رسالت سے خالی ہو گیا۔

مستقر میت :- نیلوی صاحب مستقر میت کی بحث کرتا ہوئے پہلے دو متضاد دعوی کیے ندائے حق ص۲۲ پر فرمایا کہ میت کا اطلاق روح پر بھی ہوتا ہے اور ص۲۹

فرماتے ہیں کہ روح پر موت وارد نہیں ہوتی نہ فنا ہوتا ہے۔

ویعرج الی السما ولا یموت ولا یفنی لیس لہ اول ولیس لہ آخر۔

سوال یہ ہے کہ جب روح پر موت وارد نہیں ہوتی تو اس پر میت کا اطلاق کیونکر ہوتا ہے مگر جدید تحقیق کا خاصہ یہ ہے کہ محقق کسی ایک بات پر ٹھہر نہ سکے بہر حال مستقر میت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کچھ فرمایا ہے ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین قال فیھا تحیون وفیھا تموتون ومنھا تخرجون (الاعراف)

اس کی تفسیر ان حضرات کی زبانی سنیے جو آپ کے پائے کے محقق خواہ نہ ہوں بہر حال مسلمہ مفسر قرآن ہیں

المستقر۔ مستقر القبور ومستقر فوق الارض وتحتھا رواھما ابن ابی حاتم قال فیھا تحیون وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃ اخری اخبر تعالی انہ جعل الارض دار نبی آدم مدۃ حیاۃ الدنیا فیھا محیاھم ومماتھم وقبورھم ومنھا نشورھم یوم القیامۃ الذی یجمع اللہ فیہ الاولین

مستقر قبریں ہیں۔ مستقر زمین کے اوپر بھی ہے اور زمین کے اندر بھی ابن ابی حاتم نے بیان کیا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں تم زندہ رہو گے بعد موت اسی میں ہم تمہیں لوٹا دیں گے اور قیامت کے دن اسی زمین سے تمہیں نکال لیں گے اللہ تعالیٰ خبر دینے لہ کہ زمین کو بنی آدم کا گھر بنایا ہے حیاتِ دنیوی تک اسی زمین میں زندہ رہنا ہے اسی میں موت ہے اور اسی میں ان کی قبریں ہیں اور اسی زمین سے قیامت

الآخرین ۔ کے دن اکٹھا ہے جب اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو جمع کرے گا ۔

آیت ۳ الم نجعل الارض کفاتا احیاء و امواتا کی شرح تفسیر قرطبی ۱۹ : ۱۶۱

الم نجعل الارض کفاتا احیاء و امواتا فالارض تضم الاحیاء الی منازلھم والاموات فی قبورھم قال المجاھد والاخفش وابو عبیدہ الاحیاء والاموات ترجع الی الارض ۔

زمین زندوں کو، ان کے گھروں میں اور مردوں ان کی قبروں میں جمع کر لیتی ہے ۔ مجاہد اخفش و ابو عبیدہ کا قول ہے کہ زندہ اور مردہ دونوں زمین میں جاتے ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ انسان کی اصل قیام گاہ جنت ہے یا جہنم ۔ دنیا میں انسان کی قرارگاہ ایک مدت مقررہ تک ہے

اور ابن کثیر ۴ : ۴۶۰

قال الشعبی لبطونھا امواتکم و ظھرھا لاحیائکم ۔

شعبی فرماتے ہیں کہ زمین کی پشت زندہ انسان کے لئے اور اس کا پیٹ مردوں کے لئے ہے ۔

اور فتح القدیر علامہ شوکانی ص ۳۵۷

معنی الکفت فی اللغۃ الضم والجمع فالم نجعل الارض الخ ضامۃ الاحیاء علی ظھرھا والاموات فی بطنھا

کفت کا لغوی معنی جمع کرنا اکٹھا کرنا ہے زمین زندہ کو اپنی پیٹھ پر اور مردوں کو اپنا پیٹ میں جمع کر رکھتی ہے

اور تفسیر خازن میں ہے

الم نجعل الارض کفاتا یعنی تکفتھم زمین زندوں کو اپنی پشت پر سمیٹ

اجباء علی ظہرھا فی دورھم ومنازلھم وتکفتھم اموانا فی بطنھا فی قبورھم ولذلک تسمی الارض امًّا لانھا تضم الناس کالام تضم ولدھا۔

رکھتی ہے ان کے گھروں اور مکانوں اور مردوں کو اپنے پیٹ میں ان کی قبروں میں سمیٹ رکھتی ہے اسی وجہ سے زمین کو ماں کہا جاتا ہے کہ یہ آدمیوں کو جمع کر رکھتی ہے جیسے ماں اپنے بچے کو چھاتی سے لگاتی ہے

اور علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

فان قبر المسلم لہ من الحرمۃ ما جاءت بہ السنۃ اذ ھو بیت المسلم المیت فلا یترک علیہ شیٔ من النجاسات بالاتفاق ولا یوطا ولا یتکاء علیہ عندنا وعند جمہور العلماء (اقتضاء صراط مستقیم ص۱۵۶)

مسلمان کی قبر کی عزت اسی طرح کی جائے جیسے حدیث میں آیا ہے کیونکہ قبر میت کا سکونتی گھر ہے اس لیے اس پر نجاست نہ پھینکی جائے اسے پاؤں سے روندہ نہ جائے نہ اس پر تکیہ لگایا جائے سہارا اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

لیجیے آیات قرآنی سے ثابت ہے کہ مستقر میت زمین ہے حدیث بھی بتاتی ہے مفسرین فقہا زمین کو ہی مستقر میت بتاتے ہیں جمہور علماء کا یہی مذہب ہے لیکن نیلوی صاحب بھلا اس راستے پر کیوں چلیں جو اللہ تعالیٰ نے دکھایا اور جس پر امت کے بہترین افراد چلتے رہے میت کے لفظ کا اطلاق آپ جس پر چاہیں۔ بہرحال مستقر میت تو زمین ہی ہے ہاں جیسے اللہ اور رسول کی مخالفت ہی کرنا ہو وہ جو چاہے کہتا پھرے مگر اسے بھی اس مستقر سے مفر نہیں۔

رہی یہ بات کہ مستقر ارواح علیین اور سجین بھی بعض حضرات کہتے ہیں

تو اس میں کوئی الجھن نہیں علیین اور سجین کی حدود اسی قبر سے شروع ہوتی ہیں انتہا جہاں جائے چلی جاتے جب یہ کہا جاتا ہے کہ ثواب وعذاب عالم برزخ میں ہوتا ہے نہ کہ قبر۔ برزخ زمانہ کا نام ہے تو اس کی مثال یوں سمجھئے کہ عالم دنیا اور عالم آخرت زمانہ بھی ہے اور جہاں بھی ہے اب کوئی کہے کہ زید لاہور میں رہتا ہے دوسرا کہے کہ زید دنیا میں رہتا ہے تو اس میں الجھن کونسی ہے لاہور کا شہر دنیا ہی میں تو ہے یا مثلاً کوئی مجرم جیل میں سزا پا رہا ہے کوئی کہے کہ دنیا میں عذاب اٹھا رہا ہے تو اس میں کونسا پیچ پڑ گیا ہے جیل آخر اسی دنیا میں تو ہے اسی طرح قبر عالم برزخ میں ہے عالم برزخ کا نام دلے کر عذاب وثواب قبر کی نفی نہیں ہو سکتی اسی طرح علیین اور سجین کا نام لے کر قبر کے مستقر ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی اور نیلوی صاحب

کا یہ دعوی بھی پا در ہوا ہو گیا کہ عالم برزخ میں ایک مثالی زمین ہے۔ مثالی آسمان ہوتا ہے، مثالی قبر ہوتی ہے، کیونکہ دعویٰ مثالی کا ہے اور دلیل خاکی زمین کی پیش کی،

اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم، حدیث نبوی اور علم فقہ میں قبر بمعنی برزخ کہیں نہیں آیا اور مولانا قاضی شمس الدین صاحب نے مسالک العلماء ص ۶۶ پر یہ تسلیم کیا ہے، اور خود نیلوی صاحب ندائے حق ص ۵۔ پر مان گئے ہیں کہ قبر بمعنی برزخ قرآن میں نہیں آیا اور برزخ بمعنی قبر بھی نہیں آیا اور یہ بھی مان لیا ہے کہ قبر بمعنی برزخ لینا بعد والوں کی ایجاد ہے، تو نیلوی صاحب سے کوئی پوچھے کہ قرآن کو چھوڑ کر بلکہ اس کی مخالفت کر کے ایجاد بندہ قسم کا عقیدہ اور دین آپ نے کیوں اپنا لیا اور اگر یہ اختراعی عقیدہ اپنانا ہی تھا تو اسے اپنی ذات شریف تک محدود رکھا ہوتا مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا بیڑا اٹھا کر اس گناہ بے لذت کو دو آتشہ کرنے کا شوق کیوں چرایا۔ اس موقع پر آیت

ولقد کتبنا فی الذبور الخ کی تفصیل دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لفظ ارض مطلق ہے اس میں تین قول ہیں اوّل ارض سے شام کی زمین مراد ہے، دوم ایران و روم کی زمین مراد ہے۔ سوم جنت مراد ہے۔ مگر قول سوم بلا دلیل ہے۔ مطلق ارض جہاں آئے اس سے جنت ہرگز مراد نہیں لی جاسکتی بلکہ خاکی زمین مراد ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء مقصد اوّل صـ۲۰۱ پر فرماتے ہیں۔

فقیر گوید در معنی آیت جمعے زمین جنت مراد داشتہ اند و ہیچ جا شاہداں نخواہی یافت کہ در قرآن یا سنت لفظ ارض گفتہ باشد و جنت عدن ارادہ کردہ۔

فقیر کہتا ہے بعض لوگوں نے اس آیت میں جنت کی زمین مراد لی ہے مگر قرآن و سنت میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ زمین بول کر مراد جنت لی جائے،

اور علامہ سیوطی نے خصائص الکبریٰ ۱ : ۳۰۷ پر فرماتے ہیں۔

اختصاصہ بذکر اصحابہ فی الکتب السابقۃ وعدھم بوراثۃ الارض قال تعالٰی ولقد کتبنا فی الذبور الخ

حضور کی خصوصیات سے ہے کہ آپکے صحابہ کرام کا ذکر کتب سابقہ میں موجود ہے اور ان سے وراثت زمین کا وعدہ کیا گیا ہے جیسے ولقد کتبنا الخ

اخرج ابن ابی حاتم فی تفسیرہ عن ابن عباس فی للآیۃ قال اخبر اللہ فی التوراۃ والذبور وسابق علمہ ان تکون السموت والارض ان یورث امۃ محمد الارض۔

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توریت اور زبور میں اپنے سابقہ علم کے مطابق جو پیدائش آسمان و زمین سے پہلے کے متعلق ہے خبر دی ہے کہ امت محمدیہ کو زمین کا وارث بناؤنگا۔

اوراسی طرح ابن ابی حاتم سے ہے۔

عن ابی الدرداء انہ قرأ قولہ ولقد کتبنا فی الذبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون فقال نحن الصالحون۔

ابودرداء سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے آیت ولقد کتبنا تا صالحون پڑھی اور فرمایا ہم صالحین ہیں۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں میں نے زبور کا ایک نسخہ دیکھا جس میں ۱۵۰ سورتیں تھیں چوتھی سورت میں لکھا تھا،

یاداوٗد اسمع ما اقول رمر سلیمان فیعقل للناس من بعدک ان الارض لی اورثھا محمد او امتہ

اے داؤد سنو! جو میں کہتا ہوں اور سلیمان کو ہدایت کر کہ آنے والے لوگوں سے کہے کہ زمین میری ہے۔ میں اس کا وارث محمد اور ان کی امت کو بناؤں گا۔

جسم مثالی کیلئے ثبوت :۔

اقامۃ البرہان ص۱۱۷ ارواح شہدا کو دوسرے ابدان مثالیہ سے متعلق کر دیا جاتا ہے، پھر اسی کے ص۱۹ پر جسد سے جسد مثالی مراد ہے جو طیوری قالبوں کی شکلوں میں ان کو دیا گیا ہے۔ پھر اسی کے ص۱۲۲، ۲۳، ۲۵ پر جسد سے جسد مثالی طیوری قالب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جسم مثالی جو برزخ میں ملتا ہے، وہ پرندہ ہوتا ہے اور پرندہ کی شکل پر ہوتا ہے اول تو ان کا یہ جسم مثالی تمام کے لیے نہیں جیسا کہ کتاب الروح ص۱۳۹۔

ویکون ھذا الطائر مرکبا للروح بھا ویکون لبعض المؤمنین والشھداء

یہ پرندہ روح کے لیے سواری ہے وہ بھی بعض اہل ایمان اور شہداء کے لیے ہے سب کے لیے نہیں۔

اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں ۔

(۱) صاحب اقامۃ البرہان کے مذہب کے مطابق پرندہ ہی جسم مثالی ہو ۔

(۲) پرندہ کی طرح روح تیز اڑتا ہو نہ کہ پرندہ ہی روح کا جسم مثالی ہو ۔

(۳) پرندہ روح کی سواری ہو ۔ جیسے ہوائی جہاز پر لوگ سفر کرتے ہیں مگر ہوائی جہاز کو انسان کے روح کا جسم مثالی کوئی نہیں کہتا ۔

پہلا قول تو غلط محض ہے ۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں ۔ جسم عنصری کا جسم مثالی وہ ہونا چاہیے جو اسی جسم عنصری کی شکل کا ہے ، انسان کو جسم مثالی دیا بھی تو حیوان کی شکل کا رجب تک زندہ تھا ، اشرف المخلوقات کہلاتا تھا ۔ مرنے کے بعد حیوان بنا دیا ۔ آخر کیوں ؟ کیا شہادت کا صلہ یہی ہے ۔ قول دوم کہ روح کی اڑان مثل پرندہ کے تیز ہو ، یہ ممکن ہے مگر قول مرجوح ہے ۔

روح المعانی ۲ : ۲۱

ویمکن حمل احادیث الطیر علی تشبیہ هذہ الابدان الغضۃ الطریۃ بسرعۃ حرکتها وذهابها حیث شاءت بالطیر الخضر	ممکن ہے ان طیر کی حدیثوں سے مراد ان تر و تازہ بدنوں کو جلدی حرکت کرنے اور حسب منشا ادھر ادھر جانے کی وجہ سے سبز پرندوں سے تشبیہ دی گئی ہو ۔

قول سوم راجح ہے رجیسا تفسیر جمل ۱ : ۱۲۳

ان الطیور للارواح کالهوادج للمجالس	پرندوں کے قالب ارواح کے لیے مثل پالکی کے ہوں

اور عقیدہ السفارینی ۲ : ۴۸ پر ہے ۔

یحتمل ان یکون هذا الطائر مرکبا للروح۔ — ہو سکتا ہے کہ یہ پرندہ روح کی سواری ہو یعنی روح اس میں سوار ہو۔

مولانا تھانوی نے اشرف الجواب ۳ : ۲۱۴ - پر گویا حدیث طیر کی شرح ہی کر دی۔ فرمایا۔

"جنت میں وہ جسم طیر شہدا کے لیے مرکب ہوگا .... پس ارواح شہداء کا حواصل طیور میں ہونا ایسا ہے جیسا دنیا میں ہم بہلی بگھی یا ڈولی اور پالکی میں سوار ہوتے ہیں اگر پالکی اور بگھی بند ہو تو دیکھنے والے کو یہی معلوم ہوگا کہ پالکی اور بگھی آ رہی ہے۔ ہمارا جسم اسے نظر نہ آئے گا مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ بگھی اور پالکی ہمارا جسم ہے اور ہماری روح اس کے اندر حلول کئے ہوئے ہے۔ بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس کے اندر جو آدمی بیٹھا ہے اس کا جسم بگھی اور پالکی کے جسم سے علیحدہ ہے اور یہ محض اس کی سواری ہے اسی طرح یہاں سمجھئے کہ جنت میں ارواح شہدا کے لیے پرندوں کا جسم بمنزلہ سواری کے ہے۔ اور بمنزلہ پالکی کے ہوگا"

بات تو صاف ہے مگر آدمی ضد پر آجائے تو کب کسی کی مانتا ہے۔

جسد عنصری کا انکار اور سوال و جواب، اور عذاب و ثواب کے لیے جسم مثالی کے عقیدہ کی ایجاد دراصل حدیث، تفسیر اور تواتر کا انکار ہے، ویسے نیلوی صاحب نے ندائے حق صـ ۱۵۹ پر تواتر کا صاف انکار کر دیا ہے اور یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ اگر تواتر نظری ہو تو منکر تواتر فاسق و فاجر ہے۔ اور اگر تواتر بدیہی ہو تو اس کا منکر کافر ہوگا۔ اس لیے اس خاص مسئلہ میں ان علماء کا فیصلہ سنا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کو یہ

لوگ اپنا مقتدا مانتے ہیں ۔

(۱) شرح حدیث النزول ۔ علامہ ابن تیمیہ صد ۸۲ ۔

ان سائر الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن اذا المسئلۃ البدن بلا روح قول طائفۃ من الناس وانکرہ الجمھور وکذلک السؤال للروح بلا بدن

تمام صحیح متواتر احادیث بدن کی طرف روح لوٹانے پر دلالت کرتی ہیں ۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ سوال بدن بلا روح سے ہوتا ہے ۔ مگر جمہور نے اس کا انکار کیا ہے ۔ اسی طرح روح بلا بدن سے سوال یہ

قالہ ابن میسرہ وابن حزم ولو کان کذلک لم یکن للقبر بالروح اختصاص وزعم ابن حزم ان العود لم یروہ الا زاذان عن البراء وضعفہ

ابن میسرہ اور ابن حزم کا قول ہے اگر صرف روح سے سوال ہوتا تو قبر کی قید کی ضرورت نہ تھی اور سوال وجواب قبر سے خاص ہیں ۔ ابن حزم ظاہری کا خیال ہے کہ زاذان کی حدیث صرف حضرت براء سے مروی ہے اور اس کو ضعیف کہا ہے ۔

(۲) التنکیب فی شرح اثبات التثبیت ۔ نواب صدیق حسن خان صد ۲۳ ۔

" احادیث متواتر بر آنکہ عود میکند روح بسوئے بدن وقت سوال این تعلق ہمیشہ می ماند ۔ اگرچہ جسد جان دریدہ ومتفرق ومنقسم گردد سوال بدن بلا روح قول طائفہ است وجمہور انکار کردہ اند ودیگر در برابر ایشاں گویند سوال روح بلا بدن است وایں غلط فحش است ۔"

امام ابن تیمیہ اور نواب صدیق حسن خان نے جسد عنصری کی طرف عود روح کے متعلق احادیث کو متواتر تسلیم کیا ہے، اور نیلوی صاحب اس تواتر کا انکار کرتے ہیں۔

(۳) کتاب الروح ابن قیم ص۶۲

قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال

(۴) شرح الصدور۔ علامہ سیوطی ص۶۰۔

قال ابن تیمیہ الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال ان الاحادیث مصرحۃ باعادۃ الروح الی البدن عند السؤال۔

(۵) فتح الباری ۳ : ۱۵۲

وقد ثبتت الاحادیث بما ذھب الیہ الجمھور۔

جمہور علمائے اسلام متفق ہیں سوال کے وقت روح کا اس بدن عنصری کی طرف لوٹنا جو قبر میں مدفون ہے۔ متواترات سے ہے۔ مگر نیلوی صاحب نے ندائے حق کے ص۱۶۰ پر اس تواتر کو جعلی کہا ہے۔ واقعی جعلی کیوں نہ ہو۔ ابن تیمیہ اور نواب صدیق حسن

خاں کا بیان، ابن قیم اور علامہ سیوطی کی شہادت کافی نہیں کیونکہ نیلوی صاحب جیسا محقق عالم جب تک مہر تصدیق ثبت نہ کرے اسے اصلی کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ اصل بات

یہ ہے کہ یہ تواتر جعلی نہیں آپ کا مذہب جعلی ہے۔ جسے آپ خود ایجاد کر کے سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ چلئے آپ ابن تیمیہ، نواب صدیق حسن خان، ابن قیم شوکانی وغیرہ سے جو متشدد دین ہیں ایک صحیح حدیث پیش کریں کہ عدم عود روح پر دلالت کرتی ہو

متواتر اور کثیر تعداد کا مطالبہ نہیں کرتے بس ایک ہی صحیح حدیث لائیں اور اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو اسلاف پر بہتان تراشی کر کے اور عوام کو گمراہ کر کے اپنی عاقبت تو خراب نہ کریں آپ کہیں گے ہم نے شرح الصدور سے ابن حزم، ابن زاغونی، حکایت ابن جریر اور ابن عقیل کا قول پیش کر دیا مگر اس میں بھی فنکاری دکھا گئے۔

اصلی عبارت یوں ہے۔

وسوال البدن بلا روح قول طائفۃ منھم ابن زاغونی وحکی عن ابن جریر۔ انکرہ الجمھور وقابلھم آخرون فقالوا السوال للروح بلا بدن قالہ ابن حزم وآخرون منھم ابن عقیل وابن جوزی وھو غلط

قول تو موجود ہے مگر وھو غلط کو آپ صفحہ قرطاس سے کیونکر چاٹ لیں گے جب ان حضرات نے اس قول کو خود مردود قرار دیا تو آپ نے اسی مردود قول کو اپنے مذہب کی تائید میں پیش کر دیا۔ یعنی مردود مذہب کی تائید کے لیے مردود قول ہی موزوں ہے۔

ابن قیم نے کتاب الروح ص ۵۲ پر عدم اعادہ روح کے قول کو مردود قرار دیا ہے وقد دل النص علیہ (ای اعادۃ الروح الی البدن وقت السوال) الصحیح

الصریح وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فتعاد روحہ فی جسدہ۔

امام ابن تیمیہ عود روح کا عقیدہ بدلائل پیش کر رہے ہیں۔ ابن قیم، سیوطی اور نواب صدیق حسن خان ان کی تائید کر رہے ہیں۔ عدم اعادۂ روح کے عقیدہ کو مردود قرار دے رہے ہیں۔ عود روح کے عقیدہ کے لیے تواتر ثابت کر رہے ہیں۔ مگر نیلوی صاحب حدیث تفسیر اور تواتر کا برابر انکار کیے جا رہے ہیں۔

دوسرے گروہ کا جو قول پیش کیا تو عود روح کا انکار نہیں بلکہ اختلاف یہ ہے کہ سوال بدن سے ہوتا ہے دوسرا کہتا ہے روح سے ہوتا ہے۔ اعادہ روح پر تواتر تو بہرحال موجود ہے۔ البتہ نیلوی صاحب اس تواتر کے خلاف اپنے مذہب کے لیے کرامیہ سے عقائد مستعار لیتے ہیں، جس کی تصریح علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرما دی، جو گذشتہ اوراق میں بیان کردی گئی ہے۔

ندائے حق شفاء الصدور، رد منکرات، اربعین، اقوال مرضیہ اور اقامۃ البرہان کے مطالعہ سے جو نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں ان کا ماحصل یہ ہے۔

۱۔ حدیث رسول کو غیر صحیح کہہ کر اس سے مسلمانوں کا اعتماد اٹھا دیا جائے۔ تاکہ حیات رسول اور حیات صحابہ نظروں سے اوجھل جائے۔ جس صحابی کے متعلق جو جی چاہے کہہ دیا جائے۔ (شفا)

۲۔ دین کے لیے قوی ترین دلیل تواتر ہے۔ نبوت تواتر سے۔ قرآن تواتر سے پہنچا، حدیث تواتر سے ملی پورا دین تواتر سے ملا۔ تواتر کا انکار کر دیا تاکہ دین سے جان چھوٹ جائے۔ (شفا، ندا)

۳۔ صحابہ کی سیرت کو مجروح کیا گیا، تاکہ ان ناقلین دین سے اعتماد اٹھ جائے اور دین بھی ناقابل اعتماد ٹھہرے (ندا)

۴۔ اجماع کا انکار کیا تاکہ یہ تاثر دیا جا سکے کہ امت محمدیہ غلطی پہ جھوٹ پر متفق ہو گئی تاکہ دین پر سے ہی اعتماد اُٹھ جائے۔ (ندا)

۵۔ علمائے امت اسلامیہ جو شریعت اسلامیہ کی حفاظت اور اشاعت میں عمریں کھپا گئے ان پر طعنہ زنی کی گئی تاکہ ان کی سیرت داغدار کر دی جائے۔ اور دین بھی داغدار ثابت ہو۔

۶۔ ضروریات دین میں تاویلیں کیں، تحریف کی اور انکار بھی کیا۔

۷۔ جو مسلمان ان لوگوں کے فاسد عقاید کی تائید نہ کریں۔ انہیں مشرک کہنا تاکہ امت میں انتراق پیدا ہو اور حق و باطل میں تمیز اٹھ جائے۔

۸۔ اپنے فاسد عقائد علمائے ربانی سے منسوب کیے اور کوئی حوالہ نہیں دیا۔ تاکہ لوگوں پر ظاہر کیا جائے کہ سلف صالحین سے ایسے غلط عقائد چلے آرہے ہیں۔

۹۔ مفسرین، محدثین، فقہاء میں کسی کا قول پیش کیا جائے تو ان کی طرف سے ایک جواب ہوتا ہے ھم رجال و نحن رجال یعنی ہم ان کی بات کیوں مانیں۔ اپنی بات کیوں نہ مانیں مگر انہیں کیا خبر کہ ؎

گر بہ صورت آدمی انسان بدے — احمد و بوجہل خود یکساں بدے

کُتب حوالہ

تفاسیر :۔ روح المعانی ، کبیر ، ابن کثیر ، خازن ، معالم التنزیل ، اتقان ، مظہری ۔ عزیزی ۔ مفردات راغب ۔ اتقان

حدیث :۔ بخاری ، مسلم ، ترمذی ، ابوداؤد ، نسائی ، مسند امام احمد ، مسند امام اعظم ، مشکوٰۃ ، الترغیب والترہیب ۔

شروح :۔ فتح الباری ، بغوی ، فتح الملہم ، فیض الباری ، کوکب دری مرقاۃ ، اشعۃ اللمعات ، بستان المحدثین ۔ اربعین رازی

متفرق :۔ المنجد ، صراح ، میزان الاعتدال ، الاقتصاد فی الاعتقاد ، الیواقیت والجواہر ، اقتضاء الصراط المستقیم ، السعی المشکور ، نسیم الریاض ، کتاب الاذکار ، التثبیت بمراقبۃ المبیت ، المہند ، اربعین مسامرہ ، خیالی ، ارشاد الفحول ، فتح القدیر ، جذب القلوب ، قول البدیع ۔

حضرت لاہوریؒ کی ایک دستخطی تحریر کا عکس

انبیاء علیہم السلام کی حیات فی البرزخ

کے بارے میں

میرا عقیدہ وہی ہے جو حضرات اکابر دیوبند کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی جسدِ عنصری سے زندہ ہیں جو اس دنیا میں تھا۔ وہ حیات باعتبار ابدان دنیوی، دنیوی بھی ہے اور شہداء عظام کی زندگی سے بھی۔

انبیائے کرام کا ابدان دنیوی کے ساتھ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونا اہل سنت والجماعت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ ہمارے اکابر دیوبند نے اس پر مفصل اور مدلل ارشادات ثبت فرمائے ہیں۔

جہاں تک مجھے علم ہے یہ مسئلہ اکابر دیوبند میں کبھی مختلف فیہ نہیں رہا۔ میرے خیال میں ہر صاحبِ بصیرت اس عقیدہ حیات النبی کا منکر نہیں ہو سکتا۔ جن کی باطن کی آنکھیں کھلی ہیں ان کے نزدیک تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روضہ اطہر کی حیات بدیہیات میں سے ہے۔ [illegible]

